بلیک ٹیمپل
ایم اے راحت

عظیم
وقار
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

اپنی مٹی، اپنی زمین اور بچپن کے سہانے خواب انسانی زندگی پر کیا اثر رکھتے ہیں......
یہ بات کون نہیں جانتا...... ہر صاحب دل اس جگہ سے متاثر ہوتا ہے جہاں اس نے جنم لیا ہو، اس لئے بستی مراد میرے لئے بہت بڑا درجہ رکھتی تھی، حالانکہ مجھ پر یہ انکشاف ہو چکا تھا کہ میرا تعلق بستی مراد سے نہیں ہے بلکہ بستی کے آخری سرے پر بہنے والی ندی میری ماں ہے، کیونکہ اس ندی کے پیٹ سے میں نے جنم لیا یا پھر اسی ندی سے مجھے نکال کر زندگی کی جانب لایا گیا، بتایا تھا کسی بزرگ نے اور بہت عرصے کے بعد بتایا تھا اور وہ بھی اس وقت جب میں نے اپنے ایک ہم عمر لڑکے کو مار مار کر ادھ مرا کر دیا تھا اور وہ بزرگ اس لڑکے کا دادا تھا، لڑکے کا کوئی بھائی یا باپ نہیں تھا، ورنہ شاید بات بہت لمبی ہو جاتی، لیکن اس ضعیف دادا نے مجھے گالیاں دیتے ہوئے کہا تھا۔

"کم بخت خدا غارت کرے اور رمضان پہلوان کو بھی جو تجھ جیسی مصیبت ہماری بستی میں لے آیا...... نجانے ماں باپ کون تھے، کس کمین کی اولاد تھا تو...... رمضان پہلوان پر اللہ کی لعنت ہو جو تجھے یہاں لے آیا اور اس کے بعد ہاتھی کا ہاتھی بنا دیا...... تیرا بیڑا غرق ہو، مار مار کے میرے بچے کو نیم مردہ کر دیا...... رمضان کے پاس جاتا ہوں، بات کروں گا اس سے۔"
مگر غلطی اس لڑکے کی تھی جب بڑے میاں رمضان چاچا کے پاس پہنچے تو رمضان چاچا نے ساری معلومات حاصل کر کے ان سے کہا کہ بابا جی! اگر قصور خرم کا ہوتا تو مار مار کر اس کی

کھال اتار دیتا لیکن قصور تو آپ کے پوتے ہی کا ہے اور وہ بھی بہر حال انسان کا بچہ ہے۔"

"ارے کون سے انسان کا بچہ ہے...... ندی میں بہتا ہوا آیا تھا، ہمیں کیا معلوم ذات پات کا کون ہے۔"

"ہنسنے والی بات کر رہے ہیں، بڑے صاحب اگر ذات پات کا اچھا ہوتا یا تمہیں صحیح معنوں میں ذات پات کا پتہ ہوتا اور تمہارے پوتے کو مارتا تو زیادہ اچھا تھا۔" بہر حال بڑے میاں بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے تھے، لیکن میں نے رمضان چاچا سے پوچھا تھا۔

"رمضان چاچا! کیا میں آپ کے بڑے بھائی کا بیٹا نہیں ہوں۔"

"ہے پتر ہے کون کہتا ہے کہ نہیں ہے۔"

"مگر بابا تو کہہ رہے تھے کہ میں ندی میں بہتا ہوا آیا تھا اور تم نے مجھے نکالا تھا۔"

"وہ بھی ٹھیک کہہ رہے تھے۔"

"تو میرے ماں باپ کہاں ہیں۔"

"دیکھ پتر ایک بات بتاؤں میں تجھے کوئی نہ کوئی تو ہوں گے ناوہ...... راگر تیرے باپ کو میں اپنا بھائی کہہ لیتا ہوں اور تیری ماں کو بھاوج تو کون سی بری بات ہے اس میں، بول کون سی بری بات ہے۔"

"تو میں تمہارا...... میرا مطلب ہے۔"

"تو میرا بیٹا ہے...... میری آنکھوں کا تارا ہے...... میرے دل کا ٹکڑا ہے...... بس بیٹا ذرا خیال رکھا کر یہ مار پیٹ اچھی چیز نہیں ہوتی۔" میں کئی دن تک اداس رہا تھا، پہلے کبھی یہ بات دماغ میں آئی ہی نہیں تھی کہ اگر رمضان پہلوان نے مجھے پالا ہے تو میرا باپ کون تھا، رمضان پہلوان نے تو سارے ہی حق ادا کر دیئے اور اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ خود رمضان پہلوان کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی...... اکھاڑہ کھول رکھا تھا...... بہت سے پٹھے بلکہ الو کے پٹھے اس کے پاس موجود تھے، ایک سے ایک بے وقوف اور ان بے وقوفوں میں مجھے بھی بچپن ہی سے شامل کر دیا تھا...... جان بنائی گئی تھی، البتہ شکل صورت کے بارے میں ساری بستی مراد

والوں کا ایک ہی کہنا تھا کہ خرم شہزاد، خرم شہزاد نہیں، خرم شہزادہ بلکہ شہزادہ خرم ہے...... کسی بادشاہ کا بیٹا، شکل و صورت اللہ نے کچھ اچھی ہی بنائی تھی اور اس لحاظ سے جسامت بھی دے دی تھی، کیونکہ سولہ یا سترہ سال کی عمر میں ہی میں چوبیس سال کا جوان لگتا تھا، قد 6 فٹ ایک انچ، سینہ چالیس انچ، کمر سترہ انچ، دیکھنے کی شخصیت تھی میری لیکن میں اپنے منہ سے اپنی تعریف نہیں کر رہا...... یہ لوگوں کا کہا ہوا تھا...... پھر سب سے بڑی بات یہ کہ رمضان چاچا نے مجھے بستی مراد کے ہائی سکول سے میٹرک کرایا اور میٹرک کرانے کے بعد مجھے شہر آنا پڑا، جہاں میٹرک کے بعد کی تعلیم مکمل کی، بہت سی دوستیاں بھی ہوئیں، ادھر بستی مراد میں بھی خوب ترقی ہو گئی تھی کیونکہ اس کے آس پاس کچھ صنعتیں کھل گئی تھیں...... بستی مراد کے مشرقی سرے پر ایک تین منزلہ ہوٹل بھی کھل گیا تھا...... دو بنک بھی یہاں اپنا کاروبار شروع کر چکے تھے...... بہر حال کوئی کالج ابھی تک نہیں بنا تھا اور پھر ویسے بھی میٹرک کرنے کے بعد میں بستی مراد سے نکل آیا تھا اور شہری زندگی گزاری تھی...... بی اے. فائنل کا امتحان دیا تو رمضان چاچا نے مجھے طلب کر لیا اور میں بستی چل پڑا، اپنی جائے پیدائش کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے...... یہاں میرے بچپن کے دوست تھے، بہت سے ساتھی تھے، ان دوستوں اور ساتھیوں میں شبو اور نوید میرے سب سے عمدہ اور اچھے ساتھی تھے...... ویسے تو چوہدری الیاس کے بیٹے اعجاز نے بھی ہائی سکول میں ہمارے ساتھ ہی میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی اور اس کے بعد تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا، لیکن اس سے ہماری دوستی نہیں تھی، وہ ایک مغرور اور خودسر آدمی تھا...... بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں...... شبو اور نوید گاؤں میں کام کیا کرتے تھے اور یہیں زندگی گزارتے تھے...... میں آخر کار رمضان چچا کے گھر پہنچ گیا تو رمضان چاچا نے مجھے رات کے کھانے کے بعد اپنے کمرے میں طلب کیا اور کہنے لگے۔

"ہاں...... بیٹا اب یہ بتا...... اب کیا ارادہ ہے، دیکھ بیٹا ایک بات کہوں تجھ سے، میری مالی حالت اتنی اچھی نہیں رہی ہے جوان تھا، کشتیاں لڑتا تھا تو کچھ لے مرتا تھا...... کشتی جیت

جات کر...... اب خود اپنا مذاق اڑانے کو جی چاہتا ہے...... پٹھے سارے کے سارے بھاگ چکے ہیں اور پھر کرتے بھی کیا بے چارے میرے پاس...... اب میں ہوں تیری چچی ہے اور اللہ کا نام ہے...... بیٹا ویسے تو ہم تجھ سے کچھ نہیں مانگتے، لیکن ایسا ہے کچھ نہ کچھ کرے، یہاں بھی کارخانے کھل گئے ہیں...... لوگوں سے یاد اللہ ہے، ایک دفعہ چوہدری الیاس سے بات ہوئی تھی تو کہنے لگے لڑکا پڑھ لکھ کر آجائے تو میں انہیں بتاؤں...... کہیں کسی مل وغیرہ میں نوکری دلوادیں گے...... یہاں تو کئی مل اور فیکٹریاں لگ گئی ہیں اور بستی مراد کے بہت سے لڑکے ان میں کام کررہے ہیں۔‘

’’چاچا جی! آپ نے مجھے تعلیم دلائی ہے، ظاہر ہے بستی کے دوسرے لڑکوں کی طرح میں کوئی معمولی نوکری تو کروں گا نہیں...... ہاں، اگر مجھے کسی پڑھے لکھے کام کے لئے جگہ مل جائے تو بے شک میں آپ کے قدموں میں رہنا ضرور پسند کروں گا، ورنہ شہر جاکر نوکری کروں گا اور پھر آپ کو اور چاچی کو بھی وہاں بلالوں گا۔‘‘

’’ارے بیٹا! بستی مراد میں آنکھیں کھولی ہیں، سارے سانس لئے باہر کی فضا میں تو ہم جی بھی نہیں سکیں گے...... کسی دوسری بستی ہی جاتے تھے کشتی لڑنے کے لئے تو رات کو وہاں ٹکنا ہی مشکل ہوجاتا تھا...... اپنا گھر یاد آتا تھا، بھلا یہاں سے کہاں جائیں گے ہم، ویسے بھی ہم نے قبرستان میں دو قبروں کی جگہ مخصوص کرالی ہے، ایک ہماری اور ایک تیری چاچی کی اپنی قبر کو چھوڑ کر جانا کون پسند کرتا ہے رے۔‘‘

’’وہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں رمضان چاچا لیکن۔‘‘

’’خیر خیر...... چوہدری الیاس سے بات کریں گے تو پریشان مت ہو، پر ہمیں بس ایک بات بتا۔‘‘

’’جی چاچا جی۔‘‘

’’شہر میں کوئی ایسا گل تو نہیں کھلایا، جس کی وجہ سے بھاگ جانا ضروری ہو۔‘‘ میں ہنس پڑا میں نے کہا۔

’’آپ کا مطلب کسی لڑکی سے عشق ہے۔‘‘

’’ارے...... رے...... رے...... دیکھو کیسا بے شرم ہوگیا ہے، یہ شہر کی تعلیم میں بس یہی تو خرابی ہے...... لڑکے بری طرح منہ پھٹ ہوجاتے ہیں...... چلو خیر یہ تو لڑکا ہے مگر سنا ہے کہ چوہدری الیاس کی تو لڑکیاں بھی توبہ توبہ، ایک دن اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا پتلون پہن کر گھوم رہی تھی...... بھلا لڑکی اور پتلون۔‘‘ چاچی تو یہ بات سن کر خوب ہنسی تھیں اور کہنے لگی تھیں۔

’’خرم بیٹا! میرے لئے بھی ایک پتلون سلوادینا کبھی کبھی پہن کر گھومنے جایا کروں گی تمہارے چاچا کے ساتھ۔‘‘ ہم لوگ خوب ہنسے پھر میں نے کہا۔

’’نہیں چاچا جی! آپ بے فکر رہیں، شہر میں میرا کوئی ایسا ٹانکا نہیں ہے...... اگر کوئی اچھی نوکری مل گئی تو ضرور کروں گا۔‘‘

’’ٹھیک ہے تو میں بات کروں چوہدری الیاس سے۔‘‘

’’ارے تم بھی کمال کے ہو کچھ دن آرام تو کرلینے دو اسے۔‘‘ چاچی بولیں۔

’’نوکری تو جیسے تیار رکھی ہوئی ہے...... وہ تو چوہدری الیاس ذرا عزت کرتے ہیں اس لئے ان سے یہ بات بھی کروں گا میں، ورنہ بی بی بڑے بڑے مارے مارے پھرتے ہیں...... شہر سے بہت سے لڑکے نوکری کرنے کے لئے آئے ہیں، یہاں نوکری کرتے ہیں، ایک سے ایک پڑھا لکھا۔‘‘ بہر حال بات آئی گئی ہوگئی، میں بھی ویسے شہر سے یہی سوچ کر چلا تھا کہ اب طویل عرصے تک بستی مراد میں رہنا ہوگا...... ان کارخانوں اور فیکٹریوں کے بارے میں مجھے بھی علم تھا...... بڑی اچھی اچھی صنعتیں لگائی گئی تھیں، اس علاقے میں اور اس کی کچھ خاص وجوہات بھی تھیں...... ہوسکتا ہے مجھے انہی میں سے کسی میں نوکری مل جائے...... بہر حال اس کے بعد اپنے سب سے جگری دوست شبو سے ملا، نوید اور شبو دونوں بھائی تھے، نوید ذرا مختلف قسم کا آدمی تھا...... شبو مست مولا تھا...... میرے گلے لپٹ گیا، پچھلی بار جب تم گئے تھے، تو تم نے کہا تھا کہ اب امتحان دے کر ہی آؤں گا اور ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد واپس نہ

جاؤں...... دے لیا تم نے امتحان۔"

"ہاں۔"

"تو پھر اب کیا کرنے کا ارادہ ہے۔"

"ابھی تک تو کچھ نہیں، لیکن رمضان چاچا سے بات ہوئی تھی...... وہ کہہ رہے تھے کہ چوہدری الیاس سے کہہ کر یہیں کہیں نوکری لگوا دوں گا۔"

"ہاں...... گاؤں کے بہت سے لڑکوں کو لگایا ہے چوہدری الیاس نے مگر وہ جو کام کرتے ہیں وہ تو بڑا گھٹیا ہے یار! ایک طرح سے بس یہ سمجھ لو کہ مزدوری ہی کرتے ہیں وہ۔"

"پڑھے لکھے بھی تو نہیں ہیں۔"

"ارے کیا پڑھے لکھے نہیں ہیں حافظ جی کے دونوں بیٹے میٹرک پاس ہیں...... ہیں کہ نہیں۔"

"ہاں ہاں بالکل ہیں۔"

"پیٹیاں پیک کرتے ہیں وہ...... پتی چڑھاتے ہیں لکڑی کی پیٹیوں پر، گلاب خاں کو جانتے ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"ان کا بیٹا...... فیاض بھی ایک فیکٹری میں کام کرتا ہے...... ڈھانچہ ہو کر رہ گیا ہے، یہ نوکریاں مل رہی ہیں گاؤں کے جوانوں کو۔"

"تم کیا کر رہے ہو شبو آج کل۔"

"بتائیں گے ذرا اطمینان سے بتائیں گے، بلکہ ہو سکا تو کچھ اور بھی بات کریں گے تم سے۔" شبو کے بڑے بھائی نوید سے ملاقات ہوئی تو پتہ چلا کہ شبو سے کچھ ناراض ہے، تنہائی میں اس نے مجھ سے کہا۔

"دیکھو! خرم! تم شبو کے بہت اچھے دوست ہو، ویسے بھی تم ایک اچھے انسان ہو...... شبو کو سمجھاؤ، جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ اچھا نہیں ہے۔" میں نے حیرت سے آنکھیں

پھاڑ کر کہا۔

"کیا کر رہا ہے وہ نوید...... کوئی لڑکی وڑکی کا چکر ہے۔"

"وہ بھی ہو جائے گا...... اعجاز کو تو جانتے ہو چوہدری الیاس کے بیٹے کو۔"

"اعجاز کیوں نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"آج کل اعجاز کی صحبت اختیار کر رکھی ہے، پرلے درجے کا کمینہ اور جرائم پیشہ آدمی ہے، وہ چوہدری الیاس تو اتنا برا آدمی نہیں ہے، مگر اعجاز کیا بتاؤں میں تمہیں...... تم یہ سمجھ لو کہ مجھے ہر وقت یہ خطرہ رہتا ہے کہ شبو کبھی نہ کبھی مصیبت میں ضرور پھنس جائے گا...... اعجاز نے اسے اپنا مصاحب بنا رکھا ہے، ہر اچھے برے کام میں شبو کو آگے کر دیتا ہے، اس کی پشت پناہی بھی کرتا ہے...... پچھلے دنوں ایسا ہی ایک واقع ہو گیا تھا...... مل کالونی میں کچھ مہمان آئے ہوئے تھے...... کسی دوسرے شہر سے ان میں کچھ لڑکیاں بھی تھیں...... شکار کھیلنے کے لئے نکلی تھیں، ان میں سے ایک لڑکی کو اعجاز نے اٹھا لیا...... ڈاک بنگلے پر لے گیا، وہاں جو کچھ بھی ہوا...... بعد میں اگر چوہدری الیاس بری طرح بھاگ دوڑ نہ کرتے تو اعجاز تو مصیبت میں پڑا ہی تھا...... شبو کا بھی بیڑا غرق ہو گیا ہوتا...... دیکھو میری ذمہ داریاں شبو کے لئے بڑے بھائی ہی کی نہیں بلکہ ایک باپ کی بھی ہیں...... بے شمار بار سمجھایا ہے کہ چوہدری اعجاز کے چکر میں نہ رہا کرے، لیکن جب دیکھو اس کے ساتھ نظر آتا ہے لگتا ہے بہت سی برائیوں میں پڑ گیا ہے...... سگریٹ تو اس کے پاس سے کئی دفعہ برآمد ہو چکا ہے...... شبو معصوم ہے، سیدھا سادھا ہے، تم شہر سے پڑھ کر آئے ہو...... بچپن کے دوست ہیں ہم سب، شبو کو سمجھاؤ...... اعجاز اگر کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھا تو چوہدری الیاس اسے تو بچا لے گا مگر شبو کا کیا ہو گا...... سوچو ذرا۔

"میں اسے ضرور سمجھاؤں گا نوید، تم بے فکر رہو۔" پھر نہر کی پلیہ پر بیٹھ کر میں نے شبو سے کہا۔

"سنا ہے اعجاز سے بڑی دوستی چل رہی ہے آج کل۔"

"یار اعجاز سے تمہاری بات کی تھی میں نے، کہنے لگا چوہدری صاحب دو دن کے لئے جا رہے ہیں کہیں...... اس کے پاس ذرا بیٹھک رہے گی...... ویسے بڑا یاروں کا یار ہے...... بڑے کام آتا ہے اور بڑے رنگ جماتا ہے...... ملو گے تو خوش ہو جاؤ گے اور پھر ہم بھلا اپنے یار کی بات نہ کرتے تو پھر بھلا کس کی بات کرتے۔"

"شبو! تم نے غور کیا ہے اعجاز کی دوستی پر۔"

"رقابت کھا گئے...... نہیں یار تم تو بچپن کے دوست ہو، حالانکہ وہ بھی ساتھ ہی پڑھتا تھا...... ہائی سکول میں مگر تمہیں پتہ ہے کہ ہماری اس سے کبھی نہیں بنی، وہ مغرور تھا اپنے غرور میں ڈوبا رہتا تھا...... ہم سیدھے سادھے شریف بندے، مگر اب وہ بہت اچھا ہو گیا ہے، مل کر بات کرنا اور مجھے بتانا کہ کیا ہے، یہ سب کچھ۔" بہر حال میں نے شبو کی بات سن لی اور دل میں سوچا کہ شبو کچھ زیادہ آگے بڑھ گیا ہے، اسے سنبھالنا ذرا مشکل ہی ہوگا، لیکن نوید کو میں نے تسلی دے دی تھی اور کہا تھا کہ ٹھیک ہو جائے گا سب کچھ...... فکر نہ کرے...... پھر یوں ہوا کہ شبو نے مجھ سے کہا۔

"وہ بھیڑوں والا باغ ہے چوہدری صاحب کی ملکیت وہاں انہوں نے ایک کاٹیج بنا رکھا ہے، آج رات کو ادھر چلنا ہے، گھر ذرا کہہ دینا۔"

"کیا کہہ دینا۔"

"یار کوئی بہانہ کر دینا...... اعجاز کا نام لو گے تو رمضان چچا کبھی نہیں آنے دیں گے، بس یہ کہہ دینا کہ کہیں برابر والی بستی میں جا رہے ہو...... میرا نام بھی مت لینا کیونکہ رمضان چاچا مجھے چوہدری اعجاز کے ساتھ پسند نہیں کرتے۔"

"لیکن رات بھر کا کیا پروگرام ہوگا۔"

"میری جان تم تو شہر کے رہنے والے ہو...... میرا مطلب ہے تم نے تو شہر میں زندگی گزاری ہے، جنگل میں منگل تو ہم نے منایا ہے، جب دیکھو گے تو تعریف کرو گے ہماری...... بس کوئی چکر چلا کر آ جانا یار۔"

"مگر رات بھر۔"

"اوہ ہو...... جو کہا ہے ایک بار کر لو دوبارہ کرنا یا نہ کرنا۔" رمضان چاچا سے کہا تو وہ چونک کر بولے۔

"قصہ کیا ہے۔"

"رمضان چاچا ذرا ایک بہت ہی ضروری کام سے جا رہا ہوں...... ہو سکتا ہے کہ نوکری ووکری کی کوئی بات ہو جائے۔"

"شہر جا رہے ہو۔"

"شہر تو نہیں جا رہا، ایک اور بستی جا رہا ہوں، کسی سے بات ہوئی ہے۔"

"چلو اگر کام کی بات ہے تو ٹھیک ہے...... بندے کو جانا آنا تو پڑتا ہی ہے۔"

بہر حال میں سر شام ہی شبو کے پاس پہنچ گیا، جو خود بھی بہانہ کر کے آیا تھا، جہاں ہم دونوں نے ملاقات کی بات کی تھی...... وہاں شبو موجود تھا...... مجھے دیکھ کر بولا۔

"آؤ...... آج تمہیں دکھائیں گے جنت کیا چیز ہوتی ہے۔" بھیڑوں والے باغ کے بارے میں پہلے بھی بہت بار سنا تھا کہ چوہدری الیاس نے وہاں اپنے لئے ایک رہائش گاہ بنائی ہے جو بڑی خوبصورت ہے، لیکن ظاہر ہے وہ عام لوگوں کے دیکھنے کی جگہ تو نہیں تھی...... پولیس کی بڑی بڑی گاڑیاں وہاں آ کر رکتی تھیں...... شاندار کاریں شہر سے آتی تھیں اور چوہدری الیاس کی اس بھیڑ والے باغ کی رہائش گاہ میں ان کی مہمان داری ہوتی تھی، آج اس روایتی جگہ میں پہنچ رہا تھا...... اب دیکھنا یہ تھا کہ شبو کی اپنی کیا حیثیت ہے، بہر حال میں شبو کے ساتھ چل پڑا...... باغ کے بڑے دروازے پر ایک مسلح پہریدار موجود تھا اور شبو کو دیکھ کر اس نے سلام بھی کیا تھا، اس کا مطلب تھا کہ شبو کی بڑی عزت ہے...... غرض یہ کہ ہم اندر داخل ہو گئے...... گھاس پھوس اور چٹائیوں سے سامنے کا حصہ بنایا گیا تھا...... لمبا راستہ طے کرنے کے بعد جب ہم اس بڑے ہال میں پہنچے جہاں تین چار لڑکیاں ایسے لباس میں ملبوس بیٹھی تھیں جسے دیکھ کر آنکھیں خود بخود جھک جائیں تو شبو

نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ آنکھیں بھکانے کی جگہ نہیں ہے، وہ دیکھو...... چوہدری صاحب خود تمہارے استقبال کے لئے آرہے ہیں...... چوہدری اعجاز ایک بدشکل آدمی تھا...... بھدے اور بے تکے بدن کا مالک، آنکھیں دور ہی سے دیکھنے پر شرابیوں جیسی لگتی تھیں...... اپنے بدنما اور غلیظ دانتوں کی نمائش کرتا ہوا میرے قریب پہنچا اور ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

"لو بھئی...... پہلے بھی بہت سی ملاقاتیں ہوئی تھیں مگر دور دور سے آج اپنے یار کی معرفت تم سے ملاقات ہو رہی ہے...... پڑھے لکھے ہو بڑی خوشی ہے اپنے گاؤں کا ایک بندہ خوب پڑھ لکھ گیا...... شبو کہہ رہا تھا کہ یاروں کے یار ہو...... ہم نے کہا کہ چلو ہم بھی یاری کرتے ہیں آؤ...... بیٹھو۔" اس نے بڑی عزت سے مجھے ایک جگہ بٹھایا، جیسا بھی تھا اور جو ماحول بھی یہاں اس جگ کا تھا، لیکن بہرحال چوہدری اعجاز نے مجھ سے خاصی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

"چل بھائی شروع ہو جا۔" چوہدری اعجاز نے کہا اور غالباً ٹیپ ریکارڈر پر ایک نغمہ لگا دیا گیا اور اس کے بعد وہ لڑکیاں رقص کرنے کے لئے کھڑی ہو گئیں...... مغربی موسیقی پر ان مغرب زدہ لڑکیوں نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا...... یہ سب کچھ شہر میں دیکھا تھا اور بارہا سوچا تھا کہ بستی مراد ان خرافات سے پاک ہے، لیکن اعجاز جیسے لوگ اچھی اچھی جگہوں کو ناپاک کر دیتے ہیں...... میں نے وہ سب کچھ دیکھا...... شراب کا دور چلا اور چوہدری اعجاز نے مجھے بھی جام پیش کیا اور بولا۔

"آج تمہارے اعزاز میں چیئر کرو۔"

"چوہدری اعجاز میں الو کا پٹھا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور چوہدری اعجاز مجھے گھورنے لگا اور بولا۔

"نہیں سمجھا۔"

"پارسا نہیں ہوں، جب پینے کی عادت پڑ سکتی تھی تو پیسے نہیں تھے اور اب تھوڑے

بہت پیسے ہیں تو پینے کی عادت نہیں ہے...... اس لئے معافی چاہتا ہوں۔"

"دیکھو دوست! ایک بات بتاؤں، شراب کا اپنا ایک الگ رشتہ ہوتا ہے، کسی شرابی سے دوستی کرو...... بڑی مضبوط دوستی ہوگی اس کی...... عام لوگ تو کسی مشکل میں ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، لیکن شرابی، شرابی کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتا۔"

"ہو سکتا ہے ایسا ہو چوہدری اعجاز! مگر مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔"

"نہیں پی ہے تو پیؤ اور ہمارے گہرے دوستوں میں شامل ہو جاؤ...... کیا سمجھے، ورنہ دوستی تو خیر تم سے ہوگئی ہے شبو کے دوست ہو تو ہمارے بھی دوست ہو، لیکن ایک فاصلہ رہے گا ہمارے اور تمہارے درمیان جبکہ شراب سارے فاصلے دور کر دیتی ہے۔"

"اگر معاف کر دو تو احسان مانوں گا اعجاز! میں نے کبھی نہیں پی۔"

"کیوں بھئی شبو کیا کہتے ہو۔"

"جانے دو چوہدری بچہ ہے، آہستہ آہستہ خود ہی راستے پر آجائے گا اور پھر یہ تمہاری شہزادیاں کس کام آئیں گی...... اگر یہ ایک بندے کو شراب بھی نہ پلا سکیں تو فائدہ۔"

"نہیں...... ایسے نہیں، ہمارے کہنے سے نہیں پی اور ان حرام زادیوں نے اسے پلا دی تو ہماری کیا عزت رہ جائے گی...... چلو پھر کبھی سہی، کیوں بھئی ہمارے ساتھ بیٹھو گے تو سہی۔"

"آپ کے قدموں میں چوہدری اعجاز آپ سے گردن تھوڑی ہٹانی ہے مجھے کوئی۔"

بہرحال موسیقی تو خیر تھی بس ایک ہنگامہ تھا...... برائیاں تھیں...... شراب و شباب کا یہ کھیل رات کے آخری حصے میں اس قدر شرمناک ہو گیا کہ رکنا مشکل ہو گیا...... وہاں سے باہر نکلا اور جانا چاہا تو سب سے پہلے تو ہال کے باہر ہی چار پہریدار نکلے، جنہوں نے مجھے وہیں روک دیا...... جناب! صبح آٹھ بجے سے پہلے یہاں سے چڑیا کا بچہ بھی باہر نہیں نکل سکتا...... ہم اگر آپ کو چھوڑ دیں تو باہر تو آپ کے لئے خطرہ پیدا ہو جائے گا، جو بھی آپ کو دیکھے گا گولی مار دے گا...... یہ چوہدری صاحب کا حکم ہے۔"

"چوہدری الیاس کا۔"

"نہیں چوہدری اعجاز کا۔" مجبوری کی حالت میں اندر واپس آ گیا، شبو اس قدر خراب ہو گیا ہے، میں نے سوچا بھی نہیں تھا...... بہر حال میرے سامنے جو کچھ ہو رہا تھا میں اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتا تھا اور یہ بے ہودہ رات میرے لئے بہت دکھ کی رات تھی۔

❁❁❁

رمضان چچا کو اس سلسلے میں کیا بتاتا...... رمضان چچا بیچارے تو بہت ہی سیدھے سادھے آدمی تھے، دوبارہ انہوں نے مجھ سے پھر کہا کہ میں چوہدری کے پاس چلا جاؤں، لیکن میں بات کو ٹال گیا...... چند روز کے بعد شبو مجھے دوبارہ ملا اور کہنے لگا۔

"یار! وہ چوہدری اعجاز تمہیں یاد کر رہا تھا...... کہہ رہا تھا کہ وہ بندہ دل پر ایک اثر چھوڑ گیا ہے، کچھ بھی ہے کردار والا ہے...... اس سے کہو کہ ہم سے ملے تو سہی۔"

"بات اصل میں یہ ہے شبو! میں نے کبھی شراب نہیں پی، لیکن شرابیوں کے بارے میں بڑی تفصیلات سنی ہیں...... پھر وہ لوگ بتا بھی رہے تھے کہ شراب کا اپنا ایک الگ رشتہ ہوتا ہے...... جب میں پیتا ہی نہیں ہوں یار! تو ان سے میری دوستی کیسے ہو سکتی ہے۔"

"ارے نہیں...... اب ایسی بھی بات نہیں...... میں نے بتایا نہ تجھے کہ چوہدری صاحب تجھے یاد کر رہے تھے...... انہیں تیری یہ بات بھی پسند آئی ہے...... مل کے کام لو آدمی ہیں۔"

"شبو! تو میرا بہت اچھا دوست ہے...... میں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں...... وہ یہ ہے کہ چوہدری اعجاز سے ہی نہیں جس سے تیرا دل چاہے مل، جس کے ساتھ دل چاہے رہ، مگر دوست اپنا کردار خراب نہیں ہونا چاہئے۔"

"بات اصل میں یہ ہے کہ بستی مراد کی تقدیر بدل رہی ہے...... لوگوں کا سوچنے کا انداز بدل رہا ہے...... آج نہیں تو کل تجھے اور مجھے، بلکہ سب کو، اپنا انداز بدلنا پڑے گا...... شہری

زندگی میں تو یہ سب کچھ عام ہے، تو بلاوجہ ایسی باتوں سے پریشان ہوتا ہے خیر...... میرا خیال ہے چوہدری صاحب اب تجھے ایسا کوئی کام کرنے کے لئے نہیں کہیں گے۔"

"کس سلسلے میں۔"

"میں نوکری کرنا چاہتا ہوں۔"

"کون سی بڑی بات ہے آج کل تو بڑے کارخانے لگ گئے ہیں اور تم جانتے ہو کہ چوہدری الیاس بڑے تعلقات والے ہیں...... ان کے لئے تو یہ کوئی مشکل کام ہی نہیں ہوگا۔" پھر شبو مجھے دوبارہ چوہدری اعجاز کے پاس لے گیا...... اسی بھیڑوں والے باغ میں ملاقات ہوئی تھی...... چوہدری اعجاز نے ہنس کر مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"اوہ بھائی جی...... زبردستی تو تیرے منہ شراب نہیں ٹھونسی گئی تھی...... دوستی اپنی جگہ ہے، وہ تو تیری خاطر مدارت تھی، اب ایسی بھی کیا بے وفائی اس دن کے بعد گئے تو آج تک خبر نہیں لی۔"

"معاف کیجئے گا چوہدری صاحب! آپ بہت بڑے آدمی ہیں...... ہم تو دور ہی سے آپ کو دیکھ کر خوش ہو لیتے ہیں...... آپ نے اتنی عزت دی ہے...... دعائیں ہی دعائیں ہیں آپ کے لئے۔"

"پتہ نہیں، کہاں کی باتیں کرتے ہو دوست! دوستی بہت بڑی چیز ہوتی ہے، خیر چلو...... اب تو تم ہماری طرف سے مطمئن ہو گئے...... ملتے رہا کرو۔"

"حاضری دیا کروں گا جی۔" اور پھر واقعی چوہدری اعجاز کے پاس جانے لگا...... چوہدری اعجاز سے میں نے ابھی تک اپنی ملازمت کے لئے بات نہیں کی تھی...... شبو نے بھی نجانے کیوں خاموشی اختیار کئے رکھی تھی...... اسی دوران چچی کی طبیعت خراب ہو گئی...... نمونیا ہوا تھا، لیکن اس کے بعد ان کا یہ نمونیا سنبھل کر ہی نہیں دیا...... شدید بیمار ہو گئیں، وہ رمضان چچا ویسے ہی پریشانیوں کا شکار تھے...... بستی میں جو علاج ہوا اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو ڈاکٹروں نے کہا کہ انہیں شہر کے کسی اچھے ہسپتال میں لے جائیں، ورنہ ان کی زندگی کو خطرہ

لاحق ہے...... اب ہمارے لئے بڑی مشکل پیش آ گئی تھی...... شدید پریشانی لاحق ہو گئی تھی...... چچی جان کی شدید بیماری کا علاج کہاں سے ہوتا...... شہر جا کر رہنا ہسپتال کے اخراجات، بہت بڑا معاملہ تھا...... شبو کو ساری صورت حال کا پتہ تھا، پھر ایک دن شبو میرے پاس پہنچا اور اس نے کہا۔

"چوہدری اعجاز نے بلایا ہے تمہیں...... پوچھ رہے تھے تو میں نے بتایا کہ چچی بیمار ہے اس کی وجہ سے ذرا مصروفیت ہے۔"

"یار...... وہ شبو۔"

"چلو چلو...... مل لو...... سلام دعا کر کے چلے آنا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" چوہدری اعجاز مجھ سے گلے ملا تھا...... پھر اس نے کہا۔

"ساری بات شبو مجھے بتا چکا ہے...... پتہ نہیں تم کس طرح کے انسان ہو...... میری دوستی پر یقین ہی نہیں آیا تمہیں...... اچھا یہ کاغذ رکھو، جس ہسپتال میں تم اپنی چچی کو لے جانا چاہتے ہو، وہاں ایک ڈاکٹر ہمارے رشتہ دار ہیں...... فیض علی نام ہے ان کا میں نے یہ پرچہ اپنے حوالے سے لکھوایا ہے، ان کے لئے، شہر چلے جاؤ ہر طرح تمہاری مدد کریں گے اور یہ تھوڑا سا دوستی کا قرض رکھو، خبردار انکار مت کرنا...... دوستی کا یہ قرض دس ہزار روپے تھے، جو ایک لفافے میں رکھے ہوئے تھے، میں حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا...... یہ برے لوگ واقعی کبھی کبھی اتنے اچھے نکل آتے ہیں کہ واقعی حیرت ہوتی ہے اور برائی صرف یہ تھی کہ وہ لوگ شرابی کبابی تھے...... بظاہر اور کوئی برائی میرے علم میں نہیں آئی تھی...... بہر حال میں نے جس حد تک مدافعت ہو سکتی تھی کی، مگر چوہدری اعجاز کے خلوص کے سامنے خاموش ہونا پڑا...... مشکل ہی حل ہو گئی، میں رمضان چچا کو لے کر چچی کے ساتھ شہر چلا گیا...... ہسپتال میں پہنچا...... وہاں فیض علی صاحب کو تلاش کر کے یہ پرچہ دیا...... فوراً ہی چچی کو داخل کر لیا گیا تھا...... واقعی اس پرچے نے بڑا کام کیا تھا، چچی کی پوری پوری دیکھ بھال ہوئی لیکن ان کے پھیپھڑوں میں پانی بھر گیا تھا...... کوئی بھی کوشش کارگر نہ ہو سکی اور کوئی ایک مہینہ

ہسپتال میں رہ کر وہ اللہ کو پیاری ہو گئی...... رمضان چچا بیچارے اکیلے رہ گئے...... بہت ہی محدود شخصیت تھی...... چچی کے علاوہ دنیا میں ان کا کوئی بھی نہیں تھا، بالکل ہی نڈھال ہو کر رہ گئے...... بہر حال ہم چچی کی لاش بستی مراد لائے تھے اور وہیں ان کی تدفین بھی کی تھی...... خود چوہدری اعجاز اس تدفین میں شامل ہوا تھا اور اس بات نے مجھے اس کا گہرا دوست بنا ڈالا، کوئی ایک یا ڈیڑھ مہینے کے بعد ایک دن میں نے چوہدری اعجاز کے سامنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"چوہدری صاحب! حالات کا اندازہ اب تو آپ کو ہو ہی چکا ہے...... آپ نے بہت برے وقت میں میری مدد کی ہے...... اب چچی کی زندگی ہی نہیں تھی تو کوئی انہیں کیا بچا سکتا، مجھے بڑے چوہدری صاحب سے کہہ کر کوئی نوکری دلوا دیجئے...... بڑا احسان مانوں گا آپ کا۔"

"یار شبو! یہ تیرا یار کیسا ہے...... اسے یاری سکھا بھئی او بھائی کتنی تنخواہ ملے گی تجھے، کسی فیکٹری میں کام کر کے ہزار، بارہ سو، پندرہ سو، دو ہزار روپے مہینہ میں شبو کو دیتا ہوں...... دو ہزار روپے تو بھی لے لیا کر۔"

"مم...... مگر چوہدری صاحب۔"

"اب اگر مگر بھی کرے گا او میاں! تیری دعائیں چاہیں اللہ کا دیا سب کچھ ہے...... یاروں پر کوئی چیز قرض نہیں ہوتی۔" میں سر جھکا کر رہ گیا تھا...... بس اس دن سے چوہدری اعجاز سے دو ہزار روپے مہینہ مجھے ملنے لگے، اب ایسے دوست کے لئے کوئی کیا انکار کر سکتا ہے، لیکن کبھی کبھی کسی چھوٹے سے کام کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑ جاتی ہے...... پتہ نہیں کیا ہوا تھا...... شبو نے مجھے بتایا تھا کہ چوہدری اعجاز کو چوہدری الیاس نے گھر سے نکال دیا ہے اور ان دنوں وہ بڑی تنگی میں زندگی گزار رہا ہے...... بھلا میں کیا اور میری اوقات کیا...... تنگی کے باوجود چوہدری اعجاز نے معمول کے مطابق مجھے دو ہزار روپے دیئے تھے اور میں شرمندگی سے زمین میں گڑھ گیا تھا، مگر شبو نے کہا کہ ہاتھی لاکھ کا مرے پھر بھی سوا لاکھ کا...... یہ تھوڑی بہت رقم چوہدری اعجاز کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی...... مجھے بھی پیسے ملے ہیں اور دوسروں کو بھی ملے ہیں...... تم یہ رکھ لو...... آخر کار وہ رات آ گئی جب ہماری

زندگی کا رخ بدلنے والا تھا...... شبو نے مغرب کے بعد مجھ سے کہا تھا۔

"چوہدری نے بلایا ہے کچھ کام۔"

"ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا۔" رات کو آٹھ بجے میں بھیڑوں والے باغ پہنچ گیا۔ شبو میرا انتظار کر رہا تھا...... بھیڑوں والے باغ کے بڑے کمرے میں پانچ افراد تھے، یعنی ہم سے پہلے تین، ایک چوہدری اعجاز تھا دو آدمی اور تھے، باقی ہم دو تھے۔ دروازہ بند ہو گیا اور چوہدری اعجاز مسکراتی نگاہوں سے ہم سب کو دیکھنے لگا، پھر اس نے کہا۔

"دوستو! دوستی کا امتحان برے حالات میں ہی ہوتا ہے...... صورت حال کچھ ایسی عجیب ہے کہ تمہیں بتاتے ہوئے بھی مجھے ہنسی آ رہی ہے، لیکن میں تمہیں کچھ بتانے سے پہلے تم چاروں سے کچھ سوالات کروں گا...... جواب دو گے ان کا۔"

"کیوں نہیں چوہدری صاحب۔" سب نے خلوص سے کہا تھا۔

"دوستی کی کوئی قیمت ہوتی ہے۔" چوہدری اعجاز کے سوال پر سب خاموش ہو گئے...... پھر رحیم نے کہا۔

"نہیں چوہدری صاحب دوستی کی کوئی قیمت لگائی ہی نہیں جا سکتی۔"

"پرانے زمانے میں لوگ دوستی کی عجیب و غریب مثالیں دیا کرتے تھے...... کہتے تھے کہ دوستی میں جان تک بھی دی جا سکتی ہے...... کیا اس زمانے میں کوئی ایسا کر سکتا ہے۔"

"کسی کی بات تو ہم نہیں کرتے، چوہدری صاحب! مگر ہم آپ کے لئے جان دے سکتے ہیں۔" شبو نے کہا۔

"سوچ لو شبو کہیں ایسا نہ ہو۔"

"نہیں چوہدری صاحب! آپ بالکل بے فکر رہو جی...... آپ حکم کرو۔"

"میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں...... شبو! یہ بات تم جانتے ہو...... میرے یہ دوست بھی بہت اچھے لوگ نہیں ہیں...... میں نے شراب پی تو ان لوگوں نے شراب میں میرا ساتھ دیا، میں نے اور جو کچھ بھی کیا اس میں بھی یہ سب میرے ساتھی رہے ہیں...... خرم نے بے

شک ہمارا ایسے معاملات میں ساتھ نہیں دیا، لیکن خرم بہت اچھا انسان ہے، مجھے نجانے کیوں اس پر پورا پورا یقین ہے، بات اصل میں یہ ہے دوستو! کہ بڑے چوہدری صاحب نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے...... یہاں بھیڑ والے باغ میں بھی کچھ عرصے کے بعد میرا داخلہ بند کر دیا جائے گا اور اس کی وجہ ایک بہت بڑی رقم ہے جو میں نے چوہدری صاحب سے اجازت لئے بغیر خرچ کر ڈالی ہے...... چوہدری صاحب خود بھی کچھ کچھ پریشان سے ہیں...... انہوں نے مجھ سے کچھ رقم کا مطالبہ کیا ہے، تم لوگوں کو کم از کم اتنا تو معلوم ہو چکا ہے میرے بارے میں کہ میرے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے میں انہیں یہ رقم واپس کروں...... سوائے میری اپنی ذاتی کوششوں کے اور ذاتی کوشش میں تمہاری مدد سے کر سکتا ہوں...... دوستو! پہلا سوال یہ ہے کہ ہم نے اندھے کنویں میں چھلانگ لگائی ہے، کیا تم میرا ساتھ دو گے۔"

"دیں گے چوہدری صاحب۔"

"تمہیں حلف اٹھانا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے چوہدری صاحب۔"

"رازداری شرط ہے ایک بات اپنے دماغ میں رکھو بہت اچھا دوست ہوں میں لیکن جتنا اچھا دوست ہوں، اس سے کہیں برا دشمن ثابت ہو سکتا ہوں...... ان کے لئے جو میرے اعتماد کو ٹھکرا دیں گے۔" ہم سب خاموشی سے چوہدری صاحب کی بات سنتے رہے...... چوہدری اعجاز نے کہا۔

"جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ بہت سنگین ہے...... تم لوگوں کو وعدہ کرنا ہو گا کہ اس بات کو اپنے سینے میں رکھو گے...... زندگی کی قیمت پر اسے سامنے نہیں آنے دو گے۔"

"ہم وعدہ کرتے ہیں چوہدری اعجاز۔"

"ٹھیک ہے...... یہ بات تو تمہیں معلوم ہے کہ یہاں پر جب سے مل اور فیکٹریاں لگی ہیں...... کئی بنکوں نے اپنی اپنی برانچیں کھولی ہیں، چوہدری اعجاز نے سوالیہ نگاہوں سے ہم سب کو دیکھا، ہم میں سے کوئی کچھ نہیں سمجھا تھا...... چوہدری اعجاز نے کہا۔

"میں نے صورت حال کا اچھی طرح جائزہ لے لیا ہے...... ہر مہینے کی ستائیس تاریخ کو اگر اس دن چھٹی نہیں ہوتی تو یہاں شہر کے بنک سے تقریباً دو کروڑ روپے کی رقم آتی ہے...... خاص طور سے ایک بنک میں ایک کروڑ اسی لاکھ کا سرمایہ میں نے خود آتے ہوئے دیکھا ہے اور اس سلسلے میں میری مکمل معلومات ہے...... ہمیں وہ رقم لوٹنی ہے، میں کسی اور کی بات تو نہیں کرتا، لیکن میرا خون خشک ہو گیا تھا...... میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے چوہدری اعجاز کو دیکھتا رہا تھا...... چوہدری اعجاز نے میری حیرت پر توجہ دیئے بغیر کہا۔

"یہ کام میں زندگی کی قیمت پر کرنا چاہتا ہوں...... یہ دونوں میرے ساتھ ہیں اور تم دونوں پر بھی مجھے پورا پورا اعتماد ہے کہ تم میرا ساتھ دو گے اور سنو! بات یہیں پر ختم نہیں ہو جائے گی...... ایک کروڑ اسی لاکھ میں سے اسی لاکھ تم چاروں کا حصہ ہو گا، میرا کام ایک کروڑ میں پورا ہو جاتا ہے...... بیس بیس لاکھ تم چاروں کے حصے میں آئیں گے اور بیس لاکھ کی رقم کیا ہوتی ہے اس کا تمہیں خود اندازہ ہو گا۔"

"چوہدری صاحب! اگر گردن بھی کٹوانی پڑی تو آپ کی قسم گردن کٹوا دیں گے۔" شبو نے کہا۔

"اور تم چاروں کو میں نے اپنا راز دار بنایا ہے، اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم یہ کام کرو گے...... کسی کے منہ سے یہ نہیں سنا جائے گا کہ وہ یہ کام نہیں کر سکتا۔" خاص طور سے میں تم سے مخاطب ہوں، خرم تم بہت اچھے آدمی ہو، لیکن دوست کبھی کبھی کچھ ایسی ذمہ داریاں بھی آن پڑتی ہیں انسان پر کہ وہ ان کے لئے قربانی دیتا ہے...... تمہیں یہ قربانی دینا ہو گی...... سارا پروگرام میں دو دن کے اندر تم لوگوں کے سامنے کر دوں گا...... ستائیس تاریخ میں جو وقت ہے اس وقت میں تم لوگ پوری طرح ریہرسل کر لینا اور مقررہ وقت پر ہم یہ کام کریں گے۔" وہ پوری رات میرے لئے وحشتوں کی رات تھی...... نیند آنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا...... میں بنک میں ڈاکہ ڈالتا رہا تھا...... ساری رات اور اس کے مختلف نتیجے سامنے آتے رہے تھے...... بیس لاکھ اپنا حصہ لے کر میں رمضان چچا کے ساتھ شہر جا کر رہنے لگا تھا......

رمضان چچا نے ایک اچھے گھرانے میں میری شادی کر دی تھی...... شہر میں ہم نے ایک چھوٹا سا مکان خرید لیا تھا...... اس مکان میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہنے لگا تھا، یا پھر بنک میں ڈاکہ ڈالتے وقت میرے پورے بدن میں گن مین کی گولیوں کا ورسل اتر گیا تھا اور ہر سوراخ سے تیز ہوا اندر آ رہی تھی...... کبھی جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھا...... سنسان جیل میرے تصور میں آ رہی تھی...... صبح کو اس وقت تک دماغ میں مختلف خیال آتے رہے اور نیم غشی کے عالم میں، میں خواب دیکھتا رہا...... پھر جب اذانیں ہوئیں تو اپنی جگہ سے اٹھا سر چکرا رہا تھا، لیکن باہر آ کر ٹھنڈی ہوا میں کافی دیر تک بیٹھا رہا اور آخری فیصلہ یہی کیا تھا کہ چوہدری اعجاز کا ساتھ تو دینا ہی ہوگا...... نتیجہ کچھ بھی نکلے پھر اس کے بعد چوہدری اعجاز نے ہمیں اپنی پلاننگ بتانا شروع کر دی...... ہم دن میں چار پانچ بار اس بنک کے سامنے سے گزر رہے تھے، جس میں ہمیں اپنی کارروائی کرنا تھی...... چوہدری اعجاز نے ہم لوگوں کو ساری تجویز بتائی تھی اور بتایا تھا کہ کس طرح ہمیں کام کرنا ہے...... سارے معاملات بڑی تیزی سے سمجھائے جا رہے تھے اور وقت بھی تیزی سے گزر رہا تھا...... ہم پختہ ہوتے جا رہے تھے...... میرے دل کی جو کیفیت تھی اللہ ہی جانتا ہے...... ہزاروں وسوسے دل سے گزر چکے تھے...... نجانے کیا کیا خیالات دل میں آ رہے تھے...... غرض یہ کہ ستائیس تاریخ آ گئی اور ستائیس تاریخ کو ہم نے مشاق ڈاکوؤں کی طرح بنک آنے والی رقم لوٹی...... گن مین اور بنک کا ایک آفیسر ہمارے ہاتھوں ہلاک ہو گیا اور شبو اور رحیم رقم لے کر رفوچکر ہو گئے...... چوہدری اعجاز کا دُور دُور تک پتہ نہیں تھا...... اس نے ہم چاروں کے ذریعے یہ کھیل کھیلا تھا اور اس کے بعد ہم سب اپنے اپنے گھروں کو پہنچ گئے تھے...... مجھے تو جاڑہ لگ کر بخار چڑھ گیا تھا اور بیچارے رمضان چچا پریشان ہو گئے تھے۔

"یہ کیا ہو گیا تجھ پر تو کبھی موسم کا اثر ہوا ہی نہیں...... تجھے یاد ہے کبھی تجھے بخار چڑھا ہو۔"

"نہیں رمضان چچا بس ٹھنڈ لگ گئی ہو گی۔"

"ٹھنڈ کہاں سے لگ گئی ہو گی، اچھا خاصا موسم ہے...... کوئی بدپرہیزی کر ڈالی کیا تو نے۔"

"کوئی خاص چیز تو نہیں کھائی تھی رمضان چچا۔"

"خیر ملیریا ہے میں تجھے نیم کا پانی پلاتا ہوں۔" کڑوے نیم کا پانی پینا پڑا...... رمضان چچا خدمت گزاری کرتے رہے اور میں رات کو جاگتا رہا...... بار بار آہٹیں ہوتیں تو خوف ہوتا کہ پولیس آ جائے گی...... بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن عجیب سی طبیعت ہو رہی تھی...... صبح ہو گئی، دوپہر ہو گئی، شام ہو گئی، دوسری رات بھی گزر گئی، کسی نے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا...... تیسرے دن طبیعت کچھ بحال ہوئی تو رمضان چچا نے بنک ڈکیتی کا قصہ سنایا۔

"دو بیچارے بندے مارے گئے ہیں...... پولیس نے چاروں طرف گھیرا ڈال دیا تھا اور آخر یہ پتہ چلا ہے کہ بستی مراد ہی کے ڈاکو ہیں...... چھان بین کی جا رہی ہے۔"

میں خاموش رہا، چوتھے دن شبو میرے پاس آیا اور رمضان چچا سے سلام دعا کے بعد مجھ سے بولا۔

"مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا کہ تجھے بخار آیا ہوا ہے۔"

"کیا رہا۔"

"گڑبڑ ہو گئی۔"

"کیوں۔"

"رحیم پیسے لے کر بھاگ گیا۔"

"کیا۔"

"ہاں...... ساری رقم اس کے پاس تھی، اب وہ بستی میں نہیں ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو۔"

"یار! جو کچھ سن رہے ہو وہی کہہ رہا ہوں۔"

"ساری رقم لے کر بھاگ گیا وہ۔"

"ہاں۔"

"چوہدری صاحب کیا کہتے ہیں۔"

"سکتے کے عالم میں ہیں...... ویسے شہر سے بھی پولیس آئی ہے...... چھان بین ہو رہی ہے۔" شبو نے بہت سی تفصیل بتائی، چار دن، چھ دن، ہفتہ دس دن، ہم لوگ جان بوجھ کر چوہدری سے نہیں ملے تھے، لیکن پھر ایک دن رمضان چچا صبح ہی صبح میرے پاس آئے اور بولے۔

"تجھے پتہ ہے کیا ہوا۔"

"کیا ہو گیا۔"

"شبو قتل ہو گیا۔"

"ایں۔"

"ہاں...... اس کی گردن پر چھری پھیر دی گئی ہے...... پورے جسم پر زخموں کے نشانات ہیں...... ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے اسے گود گود کر مارا ہے۔"

"شش...... شبو کو نوید کے بھائی کو۔"

"اسی کی بات کر رہا ہوں اور کون ہے شبو...... بستی مراد میں۔" میرے پورے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے...... یہ کیا ہوا؟ شبو کو کس نے مار دیا؟ طبیعت ٹھیک ہو چکی تھی اور اپنی پریشانیوں کا شکار تھا، چنانچہ رات کو بھیڑوں والے باغ پہنچ گیا اور چوکیدار سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ چوہدری اعجاز اندر موجود ہے...... چوہدری اعجاز کے پاس پہنچا خاموش بیٹھا خلاء میں گھور رہا تھا...... میں نے سلام کیا تو مجھے دیکھ کر بولا۔

"آؤ آؤ...... کہو کیسے ہو۔"

"ٹھیک ہوں چوہدری صاحب! شبو کی سنی آپ نے۔" جواب میں چوہدری اعجاز کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔"

"ہاں...... یہ لوگ سوچتے ہیں کہ دوسرا بے وقوف ہی ہے...... اپنا مطلب نکالتے ہیں اور طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیتے ہیں...... کہو پورا حصہ ملا یا کچھ کم دیا گیا ہے تمہیں۔"

"جی چوہدری صاحب۔"

"45 لاکھ رقم تو خیر بہت بڑی ہوتی ہے، مگر دوست، دوستی اس سے بھی بڑی چیز ہے...... میں نے تو تم لوگوں کو اپنا بہت اچھا دوست، بہت اچھا ساتھی سمجھ کر رازدار بنایا تھا مگر غلطی مجھ سے ہی ہوئی تھی...... شہر سے اجنبی لوگوں کو بلانا چاہئے تھا...... تھوڑی رقم پر ان سے معاہدہ کرنا چاہئے تھا، لیکن دوست بھی بغل میں خنجر کی مانند ہوتا ہے...... تم لوگوں نے میری پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا...... تم کیا سمجھے ہو اس کے بعد بھی تو...... ہم پروگرام بناتے...... اعلیٰ پیمانے پر بناتے، یہ تھوڑی سی پریشانی دور ہو جاتی...... چلئے تو اب بھی کہیں نہ کہیں سے مل ہی جائیں گے، لیکن تم لوگوں نے جو کچھ کیا اس کی سزا...... تم لوگوں کو ملنی ہی چاہئے۔"

"چوہدری صاحب! میں سمجھا نہیں۔" میں نے بڑی عاجزی سے کہا۔

"اس کی تو رقم ہاتھ لگی ہے تمہارے، اسی مکاری کے تو پیسے ہیں، ورنہ اور کیا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے چوہدری صاحب مگر۔"

"حرام زادے! مجھ سے مانگتا...... میں نے تو اس وقت تجھے اچھی خاصی رقم دی تھی، جب میرے ذہن میں یہ کوئی منصوبہ بھی نہیں تھا۔" چوہدری اعجاز نے پستول نکال لیا اور اس کا رخ میری طرف کرتے ہوئے بولا۔

"بول شبو کے حصے کی رقم کہاں رکھی ہوئی ہے...... تم لوگ اگر یہ سمجھتے ہو کہ میں وہ رقم تم سے اگلوا نہیں سکتا تو تمہاری غلطی ہے...... شبو کتا اپنی موت مارا گیا"۔

آخری وقت تک میں نے اسے موقع دیا اور کہا کہ دیکھو...... بیس بیس لاکھ پر گزارہ کر لو، اگر رحیم بھاگ بھی گیا ہے تو کم از کم تم لوگوں کی رقم تو تمہارے پاس ہو گی...... تمہارا حصہ تو تمہیں ضرور مل گیا ہو گا۔

"چوہدری صاحب! آپ کا خیال ہے کہ ہم سب رحیم سے ملے ہوئے تھے۔"

"شبو کی موت کا تو پتہ ہے نا تمہیں۔"

"چوہدری صاحب...... اب تو یہ لگتا ہے کہ سے آپ نے مروایا ہے۔"

"مروایا نہیں، میں نے اپنے ہاتھ سے اس کی گردن کاٹی ہے...... اپنے آپ کو بہت سمجھدار سمجھ رہا تھا...... اب کیا کرے گا اس رقم کا، جہاں بھی چھپائی ہے کسی کو ملے گی اور وہ عیش کرے گا...... مجھ سے چھین کر اگر تم لوگ یہ سمجھتے تھے کہ تم اکیلے ہی کھا جاؤ گے تو یہ تمہاری غلطی ہے...... تم تینوں کا تو میں نے صفایا کرنا ہی ہے، لیکن رحیم کو بھی تلاش کر ہی لوں گا، اس دنیا میں ہو گا...... میرا نام بھی چوہدری اعجاز ہے تم زندہ تو نہیں ہو گے، اس وقت کے لئے جب تم اپنے کانوں سے یہ سنو کہ رحیم میرے ہاتھ آ گیا۔"

"آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے...... چوہدری صاحب!" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔

"بتاؤ گے تم دونوں کے حصے کی رقم کہاں ہے...... شبو تمہارا گہرا دوست تھا...... تمہیں ضرور یہ بات معلوم ہو گی...... باقی رہا وہ تیسرا تو وہ بھی میرے قبضے میں آ چکا ہے...... سب سے اگلوالوں گا ساری رقم تم کیا سمجھتے ہو، میں نے جو اتنا بڑا پروگرام بنایا تھا تو بے مقصد تو نہیں بنایا تھا۔"

"چوہدری اعجاز صاحب! میں نے یہ سب کچھ نہیں کیا ہے۔" چوہدری اعجاز خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا، پھر اس نے ریوالور جیب میں رکھا اور اُٹھ کر میرے قریب آ گیا۔

"جواب دو، ورنہ دوسری صورت تمہاری لاش بھی اسی طرح کسی کھیتوں میں پڑی ملے گی...... جیسے شبو کی لاش اس گھر میں ملی ہے، تمہیں بھی میں اسی طرح ذبح کر دوں گا، اس نے تیز دھار والی چھری میری آنکھوں کے سامنے نچاتے ہوئے کہا۔

آخری بار کہہ رہا ہوں، میں آپ سے چوہدری صاحب! میں اس سلسلے میں بالکل شریک نہیں ہوں اور اب جب مجھے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ میرے دوست کو آپ نے قتل کیا ہے تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میں بستی مراد والوں کے سامنے اپنی زبان کھولنے پر مجبور ہوں، میں انہیں پوری تفصیل بتا دوں گا اور اس کے بعد اگر مجھے بھی اس سلسلے میں سزا ملی تو میں سزا برداشت کر لوں گا۔"

"سزا کہیں اور سے نہیں ملے گی، میرے دوست! سزا بھی تمہیں میں ہی دوں گا۔"

چوہدری اعجاز نے مجھ پر چھری کا وار کیا، لیکن میں سنبھل چکا تھا...... سامنے ہی تیز دھار چھری تھی...... بھلا اس وقت لاپرواہی کی کیا گنجائش تھی، چنانچہ پیچھے ہٹ کر میں نے اس وار کو خالی دیا اور کہا۔

"چوہدری صاحب سنبھلو...... میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر شبو بھی اس معاملے میں شریک تھا تو میں شریک نہیں تھا...... تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو...... میں شراب تک نہیں پیتا، مجھے دنیا کی دوسری برائیوں سے بھی دلچسپی نہیں ہے، لیکن اگر تم نے۔"

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا، کمینے۔" چوہدری نے مجھ پر دوسرا اور تیسرا وار کیا، اب اس کے بعد یہ ضروری تھا کہ میں اپنا بچاؤ کروں...... اس بار میں نے چوہدری کی کلائی پکڑی اور اسے زور سے جھٹکا دیا تو وہ اوندھے منہ نیچے آ رہا...... چھری والا ہاتھ اس کے پیٹ کے نیچے دبا اور تیز دھار چھری اس کے دل کے آر پار ہو گئی...... اس نے زمین پر پاؤں پٹخنے شروع کر دیئے اور میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا...... یہ سب کچھ میں نے نہیں کیا تھا...... بہر حال اس نے مجھ پر احسانات بھی کئے تھے...... میں نے اسے اس خیال سے ٹھیک کیا کہ اگر اس کے ہلکا پھلکا کوئی زخم ہو تو اس کی مرہم پٹی کروں، لیکن چھری پوری طرح اس کے دل میں پیوست تھی، اس کا ہاتھ اب چھری کا دستہ چھوڑ چکا تھا...... میں نے چھری اس کے سینے سے نکالی تو عین اسی وقت دروازہ کھلا اور چوہدری الیاس چار، چھ آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا...... کمرے میں تیز روشنی تھی اور اس روشنی میں دم توڑتے ہوئے اعجاز کو دیکھا جا سکتا تھا...... خون آلود چھری میرے ہاتھ میں تھی...... چوہدری الیاس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔

"مار دیا میرے بچے کو مار دیا...... ارے پکڑو اس حرامی کو، پکڑو مار دیا میرے بچے کو۔"

چاروں طرف سے لوگ مجھ پر دوڑ پڑے اور میں وحشت زدہ انداز میں کھڑا ہو گیا، جو لوگ مجھے پکڑنے کے لئے دوڑے تھے وہ میرے ہاتھ میں خون آلود چھری کو دیکھ کر اپنی جگہ ساکت ہو گئے، جس جگہ میں کھڑا ہوا تھا وہاں عقب میں ایک بڑی کھڑکی موجود تھی، جس میں

سلاخیں نہیں تھیں...... میں سمجھ گیا کہ اب صورت حال اتنی سنگین ہے کہ اگر کوشش بھی کروں گا تو نہیں بچ سکوں گا، چنانچہ میں نے اس کھڑکی میں الٹی چھلانگ لگا دی...... اس سے پہلے اس کھڑکی کے بارے میں اندازہ نہیں تھا کہ کتنی بلندی پر ہے، لیکن دوسری طرف خاصی گہرائی تھی اور چونکہ میں بغیر کسی پلاننگ کے نیچے کودا تھا اس لئے اپنے توازن کو برقرار نہ رکھ سکا اور بری طرح گرا...... چھری میں نے پہلے ہی پھینک دی تھی اور اس وقت بالکل خالی ہاتھ تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ تقدیر مجھ پر ہنس رہی ہے...... بہرحال جیسے ہی میں گرا کچھ لوگ مجھ پر جھپٹے...... میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون تھے...... وہاں کیا کر رہے تھے؟ میری تاک میں تھے یا پھر میں پکے ہوئے پھل کی مانند خود ان کی آغوش میں جا گرا تھا، لیکن بہرحال انہوں نے مجھے دبوچ لیا...... کھڑکی میں سے چوہدری الیاس کی آواز سنائی دی۔

"مارو...... ختم کر دو حرامی کو، ہڈیاں کوٹ کے رکھ دو اس کی، زندہ نہ رہنے پائے...... آہ، یہ میرے بیٹے کا قاتل ہے اور ہڈیاں کوٹنے والوں نے میری ہڈیاں کوٹ کر رکھ دیں...... اب یہ نہیں معلوم کہ وہ کتنی دیر تک مجھے کوٹتے رہے...... میں تو شاید کچھ ہی لمحات کے بعد بے ہوش ہو گیا تھا...... جب ہوش آیا تو خود کو ہسپتال میں پایا، اس ہسپتال کو میں پہچانتا تھا...... بستی مراد کا سرکاری ہسپتال تھا، لیکن اپنے پاس پولیس کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ میں گرفتار ہو گیا ہوں...... گزرے ہوئے واقعات بھی یاد آ گئے، بدن پر جگہ جگہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں...... چوہدری الیاس کے آدمیوں نے طریقے سے پٹائی کی تھی اور اب اس کے بعد سزا پانے کے لئے ایک لمبا مستقبل تھا...... خیالات ذہن میں آ رہے تھے...... تعلیم حاصل کی تھی بے وقوف نہیں تھا...... پولیس کے معاملات سے بھی واقفیت رکھتا تھا...... مقابلے پر چوہدری الیاس جیسا آدمی تھا...... جس نے میرے ہاتھ میں خون آلود چھری اور اپنے بیٹے کی لاش کو دیکھا تھا، اس کے بعد بھلا کیا گنجائش رہ جاتی تھی کہ وہ مجھے معاف کر دے، چنانچہ ایک بھیانک مستقبل کا تصور میرے دل و دماغ کو لرزانے لگا اور میں نے سوچا کہ لو بیٹے! اب مصیبتوں کا دور شروع ہوا ہے، تیار ہو جاؤ، جو کچھ سوچا تھا وہ غلط تو نہیں تھا، اب اتنا بے وقوف بھی نہیں

تھا کہ حقیقت حال کا اندازہ نہ لگا سکتا، چنانچہ تین دن ہسپتال میں زیر علاج رہا...... پولیس والے میری مکمل نگرانی کرتے رہے...... بارہا دل میں خیال آیا کہ کوئی چال چلوں...... ان لوگوں کے چکر سے نکل جاؤں، لیکن نہیں نکل سکا اور آخرکار مجھے بستی مراد کے تھانے کے لاک اپ میں پہنچا دیا گیا...... ابھی ذرا کچھ معلومات حاصل کرنی تھی، مجھ سے جب میں ہسپتال سے تھانے منتقل ہوا تو مجھے پولیس انچارج کے آفس میں پیش کیا گیا...... چوہدری الیاس یہاں موجود تھا...... اس کے چہرے پر غم واندوہ کی پرچھائیاں رقص کر رہی تھیں...... مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اس نے کہا۔

"کتے کے بچے تو نے میرے گھر کا چراغ بجھا دیا ہے...... کس کی قسم کھاؤں، کیا قسم کھاؤں، کاش تیرا بھی پورا خاندان ہوتا...... تیرے سامنے، تیرے خاندان کے ایک ایک فرد کو پتھروں سے کچلتا...... میں چاہوں تو تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریا میں بہا دوں، مگر اس سے میرا انتقام پورا نہیں ہو گا...... بول کیا کہا تھا میرے بیٹے نے...... کیوں ہلاک کر دیا تو نے اسے۔"

"چوہدری صاحب! تقدیر نے میرے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے...... یہ میں نہیں جانتا، لیکن آپ کو بار بار یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اعجاز کو میں نے قتل نہیں کیا...... جو کچھ ہوا اس کی تفصیل آخرکار آپ کو معلوم ہو ہی جائے گی...... اگر آپ چاہیں تو اس کی بھرپور تحقیقات کرائیں...... میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے بیٹے کا قاتل میں نہیں ہوں۔"

"ہوں...... کیوں آفیسر یہ میرے بیٹے کا قاتل ہے یا نہیں۔"

"بس...... چوبیس گھنٹے دے دیجئے...... چوہدری صاحب! جتنے قتل آپ چاہیں گے یہ اپنے سر لے لے گا...... میرا وعدہ ہے آپ سے۔"

"جان سے مت مارنا، زندہ رکھنا ہے اسے...... زندگی سے اتنا بیزار کر دینا ہے کہ یہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر موت کی خواہش کرے گا...... تمہیں مجھ سے تعاون کرنا ہے پولیس آفیسر۔"

"چوہدری صاحب! حکم کے بندے ہیں آپ کے جیسا کہو گے بالکل ویسا ہی ہوگا...... آپ فکر کیوں کرتے ہو۔" چوہدری صاحب تو چلے گئے اور اس کے بعد مجھ پر جہنم کے دروازے کھول دیئے گئے...... مجھے حیرت ہوتی ہے کہ انسان اتنا درندہ بھی ہو سکتا ہے...... تھانہ انچارج نے مجھ پر جو ستم ڈھائے...... آپ یہ سمجھ لیجئے کہ انسان کی قوت برداشت جس قدر اس کا ساتھ دے سکتی ہے...... اتنے مظالم مجھ پر کیئے گئے...... وہ لوگ ساری تفصیلات معلوم کر رہے تھے...... میں نے بنک میں ڈاکہ شبو کا قتل اور اس سلسلے میں اعجاز کے ملوث ہونے کی پوری کہانی پولیس آفیسر کو بتادی، لیکن اس نے ساری کہانی جھوٹ قرار دے دی اور مجھے مارتا رہا، پھر اس دن میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب دو ہی صورتیں ہیں زندگی یا موت...... زندگی ملے تو اپنی پسند کی اور موت ملے تو وہ بھی اپنی پسند کی ہو...... یہاں لاک اپ میں مر جانا...... مردانگی نہیں ہے اور اس کے لئے مجھے چالاکی سے کام لینا پڑا...... بارش ہو رہی تھی...... تھانے کے بارے میں مجھے اندازہ تھا کہ یہاں بڑے زبردست انتظامات ہوتے ہیں...... پولیس والوں نے جاسوس کتے بھی پال رکھے تھے، اس کے علاوہ پوری پوری نفری تھی...... بڑے جاندار اور مستعد سپاہی تھے...... اسلحہ تھا، تھانے کے جائے وقوعہ کے بارے میں مجھے پوری معلومات حاصل تھی، کیونکہ میری بستی...... میرا شہر تھا...... مجھے نہ معلوم ہوتا اس کے بارے میں تو کسے معلوم ہوتا...... بہرحال میں تیار ہو گیا...... یہ موقع اور یہ موسم مجھے مناسب معلوم ہوا تھا...... بستی مراد میں بارش بڑی دلکش ہوا کرتی تھی اور اس وقت بھی موسم کی شراب نے ہر جسم کو نڈھال کر رکھا تھا...... ایسے موقع پر پولیس والے بھی ذرا مستی میں ہوں گے...... اچانک ہی میں نے زمین پر لیٹ کر زور زور سے کراہنا شروع کر دیا...... تھوڑی سی آوازیں بھی نکالیں اور لاک اپ کے سامنے بنچ پر بیٹھا ہوا سنتری چونک پڑا، وہ میرے پاس آیا اور کرخت لہجے میں پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ کیوں کراہا ہے؟"

"سنتری میرے سینے میں درد...... میرے سینے میں درد۔" میں نے تڑپتے ہوئے کہا

اور سنتری کے چہرے پر کسی قدر رحم کے آثار اُبھر آئے، لیکن بیکار تھا بالکل کسی کے رحم کو محسوس کر کے اپنے آپ کو برباد کر دینا حماقت کے سوا کچھ نہیں تھا...... یہ سنتری انہی پولیس والوں میں سے تھا جنہوں نے مجھ پر اذیتوں کے پہاڑ توڑے تھے...... بہرحال سنتری وہاں سے چلا گیا، تھوڑی دیر کے بعد ایک اور شخص اس سنتری کے ساتھ آیا، دونوں نے لاک اپ کا دروازہ کھولا اور ہمدردی سے میرے پاس پہنچ گئے...... میں بدستور سینے پر ہاتھ رکھے کراہ رہا تھا...... سنتری نے جھک کر مجھے دیکھا اور بولا۔

"کہاں درد ہو رہا ہے۔" وہ میرے اوپر اتنا جھک گیا تھا کہ اب میرے اور اس کے درمیان زیادہ سے زیادہ ایک فٹ کا فاصلہ تھا۔

"یہاں۔" میں نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا اور پوری قوت سے میں نے اپنا سر اس کے سر پر دے مارا...... بہرحال رمضان چچا نے مجھ پر بہت محنت کی تھی...... بدن کی مضبوطی کے ساتھ ساتھ سر بھی اتنا مضبوط تھا کہ دیوار میں بھی دے مارتا تو اینٹیں ہلا دیتا، اس سنتری کا جو حشر ہوا اسے دیکھنا اب میرے لئے ممکن نہیں تھا، کیونکہ برابر میں دوسرا سنتری موجود تھا...... میں نے اس کی گردن پکڑ لی اور وہ میرے ہاتھ کے چوڑے شکنجے سے بچنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن اس وقت مجھ پر وہی کیفیت تھی، پسند کی زندگی اور پسند کی موت...... سنتری کی گردن پر میرا دباؤ انتہائی شدید تھا...... دوسرے ہاتھ سے میں نے دوسرے سنتری کی گردن پکڑلی تھی...... پھر کچھ ہی لمحوں میں وہ بے جان ہو گئے...... میں نے یہ محسوس کیا اور اس کے بعد پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ کر گیٹ کے جانب بڑھ گیا...... گیٹ سے باہر نکلا لاک اپ کی راہداری میں ہوتا ہوا سیڑھیوں سے نیچے اترا تو باہر بہت سے سنتری موجود تھے...... کم بخت ضرورت سے زیادہ ہی ہوشیار تھے، چنانچہ فوراً ہی انہوں نے چیخنا شروع کر دیا۔"

"ارے...... ارے دیکھو کچھ ہو گیا...... پکڑو اسے پکڑو۔" پھر کسی بدبخت نے زور سے سیٹی بجائی اور میں چھلانگیں لگاتا ہوا بیرونی احاطے کی طرف بھاگا...... پیچ در پیچ راہداریوں سے گزرنا پڑا تھا اور سپاہی میرے پیچھے چلے آ رہے تھے...... مجھے انچارج کی آواز سنائی دی۔

"اوئے...... تمہارا بیڑا غرق...... چوہدری الیاس کا مجرم ہے، مصیبت میں پھنس جائیں گے ہم لوگ، پکڑو اسے...... پکڑو اس حرام کے جنے کو۔" لیکن میں نے احاطے کے گیٹ کی طرف جانے کے بجائے احاطے کی اس چھوٹی دیوار کی طرف رخ کیا جو بائیں سمت تھی اور اس کے بعد میری ایک لمبی چھلانگ نے مجھے دیوار کے اوپری سرے پر پہنچا دیا...... یہاں شیشے لگے ہوئے تھے جو بری طرح میرے بدن میں چبھے، لیکن اب کسی چیز کی پرواہ نہیں کی جا سکتی تھی...... میں دوسری طرف کود گیا اور اس کے بعد میں نے کسی چیتے کی طرح چھلانگیں بھرنا شروع کر دیں، جبکہ پولیس والے اس دیوار کو پار نہیں کر پائے تھے...... احاطے میں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور ان کتوں کے بارے میں مجھے اندازہ تھا کہ لمبے قدو قامت اور پتلی کمر والے یہ شکاری کتے اپنے شکار کو کھینچ لانے میں بے مثال حس رکھتے تھے...... ان خونخوار کتوں سے بچنے کے لئے ضروری تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے زیادہ سے زیادہ دور نکل جایا جائے...... پولیس والوں کو اگر ان کتوں کا خیال آ گیا تو وہ انہیں میرے پیچھے چھوڑ دیں گے...... میں دوڑتا رہا جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ بستی مراد کے چپے چپے سے واقفیت رکھتا تھا...... تھانے کا جائے وقوع بھی ذہن میں تھا...... یہاں سے اگر مغربی سمت کو چلا جائے تو گھنے جنگل میں داخل ہوا جا سکتا تھا، جہاں پہنچنا اب اس وقت میرے لئے مشکل نہیں تھا...... اپنے پیچھے میں خطرے کا الارم بجنے کی آوازیں سن رہا تھا...... میلوں پھیلے ہوئے اس جنگل میں پہلے بھی بہت سی بار آ چکا تھا...... ایک دو بار شکار کھیلنے بھی آیا تھا...... اس کا اختتام ہندوستان کی سرحدوں پر ہوتا تھا اور یہاں کبھی کبھی سرحدی خلاف ورزیاں بھی ہو جایا کرتی تھیں...... سمگلنگ بھی ہوا کرتی تھی، ان راستوں پر یہ ساری باتیں سنی سنائی ہی تھیں...... مجھے کبھی شبہ نہیں تھا کہ ایک دن ایسا آئے گا جب مجھے خود اس جنگل میں داخل ہونا پڑے گا...... ویسے جنگل میں درندے وغیرہ نہیں تھے، لیکن دوسری صورت میں یہاں خاصے خطرات موجود تھے...... مثلاً میں نے سنا تھا کہ یہاں دلدلیں بھی پھیلی ہوئی ہیں اور کانٹا دار جھاڑیوں کے انبار بھی ہیں، اس علاقے کو اسی لئے محفوظ سمجھا جاتا تھا...... بہرحال مدہم

اندھیروں میں جنگل میں دوڑ لگانی میرے لئے زیادہ مشکل نہیں ہو رہا تھا...... میں نے یہ الفاظ سن لئے تھے کہ میں چوہدری الیاس کا مجرم ہوں اور پولیس والے ہر قیمت پر مجھے گرفتار کریں، ورنہ انہیں چوہدری الیاس کے اعتاب کا شکار ہونا پڑے گا...... بہرحال میں بھاگ رہا تھا...... اپنی پسند کی زندگی یا اپنی پسند کی موت حاصل کرنے کے لئے اور میرے سامنے تاریک جنگل پھیلا ہوا تھا...... سورج بادلوں میں چھپا ہوا تھا...... میں لگاتار دوڑ رہا، کئی مقامات پر پاؤں دلدل میں دھنستے دھنستے بچے اب ہر طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا...... میرا اندازہ تھا کہ میں بستی مراد سے کوئی تین چار میل دور نکل آیا ہوں...... بے تحاشہ دوڑنے کے باعث میرا بدن پسینے سے تر ہو رہا تھا...... پیروں کی کیفیت کا بھی بس الفاظ میں بیان مشکل ہے...... نجانے کتنے کانٹے...... پیروں میں چبھے تھے...... نجانے کتنے پتھر چبھے تھے...... تکلیف بے شک ہو رہی تھی، لیکن میں اپنی پسند کی زندگی کے لئے دوڑ رہا تھا اور اپنی پسند کی کوئی چیز حاصل کرنے کے لئے بہت سی تکلیفوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔

زندگی میں یوں تو بہت سے تجربات ہوئے تھے، لیکن زندگی کے حصول کے لئے اس قدر شدید جدوجہد کرنے کا یہ پہلا تجربہ تھا اور اس وقت میں زندگی کے نئے نئے رنگ سے دوچار ہو رہا تھا...... پھر جب بارش شروع ہوئی تو میں نے زندگی پر غور کیا...... اندھیرے میں اس طرح بھاگنا اور وہ بھی نامعلوم منزل کی جانب بڑا مشکل کام تھا، کہیں رکنا چاہئے...... کسی بھی جگہ رکنا چاہئے، چنانچہ میں ایک درخت کی آڑ میں رک گیا...... میرا سینہ دھونکنی بنا ہوا تھا، پتہ نہیں اس طرح کتنی دُور تک دوڑ سکتا تھا...... یہ بھی ہو سکتا تھا کہ دوڑتے دوڑتے ہی دم نکل جاتا، رکنے کے بعد یہ احساس ہوا تھا کہ میں انسان کے بجائے مشین بنا ہوا ہوں...... بس یہی مسئلہ ہے زندگی کا...... دوڑتے رہو تو ہر احساس سے بے نیاز ہو جاتے ہو...... رک جاؤ تو احساسات زندگی سے بے نیاز کر دیتے ہیں...... پاؤں کی تکلیف، بدن کی تھکن، سینے میں ہونے والی تکلیف ان ساری تکلیفوں نے ایک دم گھیر لیا اور میں درخت کی جڑ میں بیٹھ گیا...... بہت دیر تک آنکھیں بند کئے اپنے سانس کو قابو میں لانے کی کوشش کرتا رہا اور پھر اچانک ہی دور سے کتوں کی بھیانک آوازیں سنائی دیں...... ادھر مجھے یوں لگا جیسے، خون میری رگوں میں جمنے لگا ہو، میں کان لگا کر یہ آواز سنتا رہا لیکن میرے اندر خوف کے بجائے دہشت اُبھر آئی...... میں نے دیوانگی کے عالم میں سوچا کہ کچھ بھی ہو جائے میں دوبارہ ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگوں گا...... کسی قیمت پر نہیں لگوں گا...... یہ سمجھتے کیا ہیں خود کو، میں جانتا تھا کہ وہ مجھ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کریں گے، چنانچہ کتنی ہی تھکن ہو گئی ہو مجھے ان کی دسترس سے

نکلنا چاہئے...... چنانچہ میں نے اُٹھ کر بھاگنا شروع کر دیا، حالانکہ جس طرح پیروں نے ساتھ چھوڑا تھا، جس طرح سانس نے ساتھ چھوڑا تھا، اس کے بعد دوڑنا ممکن نہیں تھا، لیکن بس کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھیں اور میرے پیروں میں پنکھے لگے ہوئے تھے، میں افسردہ تھا کہ وہاں سے بھاگتے ہوئے میں نے اس سنتری کی رائفل نہیں اٹھائی جو لاک اپ میں میرا شکار ہوا تھا...... اگر میرے پاس رائفل یا پستول ہوتا تو میں ان پیچھا کرنے والوں کو بھون کر رکھ دیتا...... بہر حال میں دوڑ رہا تھا، آنکھیں بند کئے دوڑ رہا تھا اور میری رفتار بہت تیز تھی، پھر میں اس حصے میں پہنچ گیا جہاں نہایت خطرناک دلدلی زمین بکھری ہوئی تھی...... اس زمین کے اُوپر گھانس پھونس اُگی ہوئی تھی...... اگر احتیاط نہ کی جاتی تو یہ دلدلی حصے انسان کو آسانی سے نگل سکتے تھے، لیکن اس کے باوجود میں نے یہ خطرہ مول لے لیا...... اگر میں اس دلدلی زمین کو زندہ عبور کر جاؤں تو ممکن ہے وہ اس دلدل میں داخل ہونے سے گریز کریں...... بہر حال بدن پھوڑے کی طرح دُکھ رہا تھا اور مجھے آگے بڑھنے سے روک رہا تھا، لیکن کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ہوا کے دوش پر کبھی کبھی سنائی دے جاتی تھیں...... اس کا مطلب تھا کہ وہ جان توڑ کر میری تلاش میں مصروف ہیں اور یقینی طور پر ایک لمبا گھیرا ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں، کیونکہ میں چوہدری الیاس کا مجرم تھا اور ان کی تعداد بہت زیادہ تھی...... ویسے اب میں جس جگہ کھڑا ہوا تھا، وہاں اُونچی پہاڑیاں اور گنجان درخت تھے...... اگر یہ کتے محافظوں کے ساتھ نہ ہوتے تو جگہ چھپنے کے لئے اتنی اچھی تھی کہ وہ مجھے کبھی تلاش نہیں کر سکتے تھے...... میں دیر تک سوچتا رہا کہ اب کیا تدبیر اختیار کروں...... دفعتاً مجھے بائیں جانب آہٹ سی سنائی دی اور میں فوراً پیٹ کے بل لیٹ گیا اور غور سے اس طرف دیکھنے لگا، شاید کوئی جنگلی جانور تھا جو مجھ سے پہلے وہاں چھپا ہوا تھا اور اب ڈر کر بھاگ رہا تھا، لیکن چند ہی منٹ کے بعد میں نے ایک مسلح سپاہی کو دیکھا جو اپنی بندوق سنبھالے جھاڑیوں کی طرف بڑھ رہا تھا...... اس کی پشت میری جانب تھی، میں نے اپنا سانس روک لیا، پھر میں نے دیکھا کہ ایک اور محافظ نمودار ہو، ان کے ساتھ کوئی کتا نہیں تھا......

کتے شاید کسی اور طرف لے جائے گئے ہوں گے...... یہ دونوں مجھ سے کوئی بیس فٹ کے
فاصلے پر جا رہے تھے...... میرے دل میں پھر اس دُکھ کا احساس ہوا کہ کاش میرے پاس کوئی
ہتھیار ہوتا تو میں ان دونوں کا کام تمام کر دیتا...... یکایک ایک محافظ نے سیٹی بجائی اور جو
کے جواب میں کہیں دور سے سیٹی کی آواز سنائی دی اور پھر کتوں کے دوڑنے اور بھونکنے کی
آوازیں قریب آنے لگیں...... میرے ذہن میں فوراً یہ خیال پیدا ہوا کہ یقیناً انہیں میری
یہاں موجودگی کا شبہ ہو گیا ہے...... پھر اچانک ہی کچھ فائر ہوئے اور جنگل فائرنگ کی آواز سے
گونج اُٹھا...... میرے پورے بدن میں دہشت سے تھرتھری پیدا ہو گئی اور میں سوچنے لگا کہ
واقعی میں دیکھ لیا گیا ہوں، لیکن اس کے بعد فائرنگ بند ہو گئی...... پھر میں نے بہت سے
آدمیوں کے قدموں کی چاپ سنی، جو شاید ایک جگہ جمع ہو رہے تھے...... لیکن کتے خاموش
تھے، میں تقریباً ایک گھنٹے تک ان جھاڑیوں میں لیٹا رہا، اب مجھ میں اتنی جرات بھی نہیں تھی
کہ وہاں سے نکل کر کسی اور جانب جانے کی کوشش کرتا، ان کے باتیں کرنے کی آوازیں
صاف سنائی دیتی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اچھی خاصی تعداد میں ہیں...... بہرحال
اب میرے لئے فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ میں کیا کروں...... فیصلہ وقت ہی کو کرنا تھا...... سناٹے
میں ان لوگوں کی آوازیں اُبھر رہی تھیں...... میرے کانوں میں کسی کی آواز اُبھری۔

"پتہ نہیں کتے کا بچہ کہاں مر گیا...... ساری جگہ تو دیکھ لیں، مگر پتہ ہی نہیں چلتا۔"

"ہو سکتا ہے کتے کا بچہ کسی دلدل میں غرق ہو کر مر گیا ہو۔"

"یار مگر انچارج صاحب کو کیا جواب دیں گے...... وہ ہماری اس بات کو تو تسلیم نہیں
کریں گے کہ وہ دلدل میں دھنس کر مر گیا ہے۔"

"تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے بتاؤ۔"

"اب جہنم میں جائے سب کچھ انچارج صاحب سے کہہ دیں گے کہ وہ دلدل میں ڈوب
کر مر گیا...... چوہدری الیاس خود جا کر اسے تلاش کر لیں یا دلدل سے اس کی لاش نکلوا لیں۔"
بڑی بھیانک باتیں کر رہے تھے وہ اور میں یہ سب کچھ خاموشی سے سن رہا تھا...... میرے ذ

میں طرح طرح کے خوفزدہ کرنے والے خیالات اُبھر رہے تھے...... آہ...... کیا ہو گا اگر ان
موزیوں نے مجھے ڈھونڈ لیا تو میرے ساتھ کتنا وحشیانہ سلوک کریں گے یہ...... تھانہ انچارج
جنگلی درندہ ہے وہ پہلے سے کہیں زیادہ اذیتیں دے گا مجھے...... میں ایک پتھر کی مانند اپنی جگہ
بے حس و حرکت پڑا رہا...... میں جانتا تھا کہ میری ذرا سی بے احتیاطی ان محافظوں اور ان کتوں
کو خبردار کر سکتی تھی...... میں صدق دل سے دعائیں مانگنے لگا کہ اے اللہ میں تیرا نہایت
گنہگار اور نافرمان بندہ ہوں...... اس مصیبت میں صرف تو ہی میرا نگہبان اور مددگار ہے، تو
خوب جانتا ہے کہ میں نے کسی کو ہلاک نہیں کیا...... مجھے اس مصیبت سے نجات دلا اور ان
شیطانوں کے چنگل سے بچا جو انسانیت کے نام پر دھبہ ہیں...... یہ دعا مانگتے ہوئے نجانے
کیوں دل بھر آیا اور میرا چہرہ آنسوؤں سے بھر گیا...... رفتہ رفتہ خود فراموشی اور بے خودی کی
کیفیت مجھ پر چھا گئی، جس نے مجھے گردوپیش سے قطعی غافل کر دیا...... پھر آنکھ کھلی تو شام
کے سرد سائے تیزی سے گہرے ہو رہے تھے اور درختوں پر بسیرا کرنے والے پرندے
مغرب کی جانب سے سینکڑوں کی تعداد میں آشیانوں کی طرف لوٹ رہے تھے...... مجھے ان
محافظوں اور کتوں کا خیال آیا...... آہ...... ساری رات اور سارا دن گزر چکا تھا...... جسم کی
کیفیت بتا رہی تھی کہ واقعی اتنے طویل وقت میں نیم غشی یا بے ہوشی کا شکار رہا ہوں......
بھوک شدت سے لگ رہی تھی...... کتوں اور ان محافظوں کی آوازیں اب سنائی نہیں دیتی
تھیں، جس کا مطلب تھا کہ وہ مایوس ہو کر جا چکے ہیں...... اب فی الحال ایسا کوئی خطرہ موجود
نہیں ہے، کیونکہ ان لوگوں کو یہ اندازہ ہو چکا ہے کہ میں اس علاقے میں نہیں ہوں...... دن
بھر کی کوشش کے باوجود وہ مجھ تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے، اس کا مطلب ہے کہ
عارضی طور پر یہ محفوظ جگہ ہے اور یہاں تھوڑا سا وقت گزارہ جائے گا...... نتیجہ خدا کے ہاتھ
میں ہے، یہ سوچ کر میں نے اپنے دل میں کچھ سکون سا محسوس کیا، اب مجھے ایک ایسی جگہ
تلاش کرنی تھی جہاں میں آسانی سے چھپ سکوں، چنانچہ میں جھاڑیوں سے اس خوفزدہ گیدڑ
کی طرح دوڑتا ہوا نکلا، جس کا تعاقب کتے کر رہے ہوں...... کھڑے ہوتے ہی بھوک کا شدید

احساس ہوا تھا، لیکن کھانے پینے کے لئے بھلا کیا حاصل کیا جاسکتا تھا...... بھوک برداشت سے باہر ہوتی چلی جارہی تھی...... میں دیوانوں کی طرح جنگل میں اِدھر اُدھر مارا مارا پھرنے لگا کہ کہیں جنگلی پھل ہی مل جائیں، لیکن یہاں سوائے دلدل اور جھاڑیوں کے اور کچھ نہیں تھا، البتہ ان جھاڑیوں یں موٹے موٹے چوہے اور ننھے ننھے کیڑے بے شمار تھے، جو مجھے دیکھتے ہی دلدل میں یا جھاڑیوں میں غائب ہو جاتے...... بہر حال میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا کوئی وقت بھی مجھ پر پڑے گا...... ایک بار پھر میری آنکھیں بھیگ گئیں...... یکایک میں نے بھورے رنگ کے دو خرگوشوں کو دیکھا، جو میرے خوف سے ایک جھاڑی کے اندر دبکے بیٹھے تھے...... ایک لمحے کے لئے دل میں احساس اُبھرا کہ اگر انہیں شکار کرلوں تو ان کا گوشت کام آسکتا ہے...... لیکن معصوم خرگوشوں کی صورتیں دیکھ کر مجھے ان پر ترس آگیا اور میں نے دل ہی دل میں کہا کہ ڈرو مت، میرے دوستو! چاہے بھوک کے ہاتھوں زندگی کیوں نہ ختم ہو جائے، لیکن میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا...... میرے دیکھتے ہی دیکھتے دونوں خرگوش جھاڑی سے نکلے اور ایک جانب دوڑنے لگے...... سورج غروب ہو رہا تھا اور جنگل میں اندھیرا تیزی سے پھیلنے لگا تھا...... پھر ایک مقام پر میں نے جھاڑیوں کے اُوپر جگنو چمکتے دیکھے...... جب میں ان کے قریب پہنچا تو ان جھاڑیوں کے اندر بیر کی مانند پھل لگے ہوئے تھے...... یہ پھل کس حیثیت کے حامل تھے، میں نے اس پر غور نہیں کیا اور بھوکوں کی طرح جلدی جلدی انہیں توڑ کر کھانے لگا، ان کا ذائقہ اگر بہت اچھا نہیں تھا، لیکن بہر حال اس قابل تھا کہ انہیں کھایا جاسکے...... میں نے خوب پیٹ بھر کر یہ بیر جیسے پھل کھائے اور پھر بہت پھل توڑ کر لباس میں محفوظ کر لئے...... اب میرے سامنے رات کے بسیرے کا مسئلہ تھا...... سارا دن کی بھاگ دوڑ اور فاقے نے مجھے تھکا دیا تھا، ایک اونچا اور گھنا درخت نظر آیا اور میں اس درخت پر چڑھ گیا...... چوڑی چوڑی تین موٹی شاخوں کے اندر میں نے اپنے آپ کو اس طرح محفوظ کرلیا کہ اگر نیند بھی آجائے تو نیچے نہ گروں...... وقت گزرتا رہا...... دن رات، جنگل میں چھپے رہنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا...... اگر یہاں کوئی انسان زندگی گزارنا

چاہتا تو مہینوں دنیا کی نظروں سے چھپ کر زندگی گزار سکتا تھا، لیکن یہاں زندگی گزارنے کا کیا تصور ہو سکتا، میں سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے...... واپس اگر بستی مراد جانے کی کوشش کروں تو مصیبت ہی بن جائے گی...... ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے...... پہلے تو صرف یہ محاورہ سنا ہی تھا، لیکن اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ کبھی کبھی بعض محاورے بھی اس قدر حقیقی ہوتے ہیں کہ انسان کو جب پڑتی ہے تب ہی احساس ہوتا ہے...... مجھے بہت سی چیزیں درکار تھیں، جن میں ایسے ہتھیار بھی شامل تھے، جو بوقت ضرورت میری مدد کر سکیں، لیکن ہتھیاروں کا تصور بھی نہیں کر سکتا...... کہاں سے فراہم کرتا، البتہ ایک جگہ درخت کی ایک ایسی لکڑی نظر آگئی، جسے اگر صاف کر لیا جاتا تو بڑے کام کی ثابت ہوتی...... میں نے لکڑی کے اس موٹے ڈنڈے کو ہتھیار کے طور پر ساتھ لے لیا...... یہ ایک بھرپور ڈنڈا تھا اور صرف اس معمولی سے لکڑی کے ٹکڑے کو اپنا ساتھی بنا کر مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ زندگی میں کسی ساتھی کی حیثیت کس قدر اہمیت کی حامل ہوتی ہے...... یہ بے جان ڈنڈا مجھے ایک جاندار محسوس ہوا اور میں اسے ساتھ لے کر چل پڑا...... بہر حال چلتا رہا، زندگی سفر ہی کا نام باقی رہ گیا تھا، بہت سے احساس میرے دل میں کروٹیں بدلتے تھے...... ماضی ایک کہانی کی مانند محسوس ہوتا تھا اور بیشتر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ کیا میں دوبارہ بھی کبھی زندگی کی جانب لوٹ سکوں گا...... میرا ماضی تو جو کچھ تھا، میرا مستقبل کیا ہوگا...... کیا جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی یا پھر جنگلوں میں کہیں موت، کیا ہوگا آخر...... میرا کیا ہوگا؟ اور پھر خود ہی مجھے اپنے ان سوالات کا جواب بھی حاصل ہو جاتا تھا...... وقت اپنے فیصلے خود کرتا ہے...... ہو سکتا ہے وقت میرے سلسلے میں بھی کوئی فیصلہ کر چکا ہوگا...... بہر حال میں چلتا رہا اور پھر مجھے ایک دریا نظر آیا...... پتہ نہیں کہاں سے نکلا تھا اور کہاں جارہا تھا...... خاصا چوڑا پاٹ تھا، اس کا اور اس کے کنارے گھنے درختوں کے انبار لگے ہوئے تھے...... ایسی جگہیں کبھی کبھی فلموں میں تو نظر آجاتی ہیں...... عام زندگی میں انسان تن تنہا ایسے علاقوں میں نہیں پہنچ پاتا...... میں دریا کے کنارے کنارے سفر کرتا رہا اور یہ سفر خاصا مشکل ثابت ہوا کیونکہ راستے

میں بے پناہ رکاوٹیں تھیں...... کئی جگہ مجھے سانپ رینگتے ہوئے دکھائی دیئے، لیکن اتنے
ان جنگلوں میں گزارنے کے بعد میں کافی نڈر ہو گیا تھا۔ سانپوں نے بھی مجھے نظر انداز ک
لیکن ایک جگہ سیاہ رنگ کے ایک سانپ نے مجھے ڈسنے کی کوشش کی، اس وقت میرا ڈ
میرے کام آیا اور میں نے اپنے ڈنڈے سے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا...... پھر
سے آگے بڑھ گیا...... اس وقت بھی ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات تھے...... مشر
طرف سے آہستہ آہستہ چاند آسمان پر بلند ہو رہا تھا اور اس کی زرد روشنی نے جنگل کا اند
دُور کر دیا تھا...... ہوا کے خوشگوار جھونکے جسم میں تازگی پیدا کر رہے تھے...... میں نے آ
سفر طے کیا اور بہت دُور تک نکلا چلا گیا...... دریا کا پاٹ آگے اتنا وسیع ہو گیا تھا کہ اس
دونوں کناروں پر پھیلا ہوا جنگل اور اس کے اُونچے اُونچے درخت جھاڑیوں کی مانند د
دے رہے تھے...... میں ایسی کسی جگہ کی تلاش میں مصروف ہو گیا، جہاں میں
کر سکوں...... جنگلوں کی دنیا تو میرے لئے مخصوص ہو گئی تھی...... آخر کار ایک
ستھری سی جگہ نظر آئی اور میں وہاں آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا...... بس لیٹا تو نیند آ
میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں، بس سو گیا تھا اور دنیا سے بے خبر ہو گیا تھا، لیکن پھ
جاگا تو لطف ہی آ گیا...... میرے ارد گرد بہت سے افراد موجود تھے...... سورج چمک رہا تھ
نے ان لوگوں کو دیکھا اور یہ دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ یہ ہندوستانی
تھے...... آہ...... شاید میں سرحد پار کر کے ہندوستان کی سرحد میں داخل ہو گیا تھا...... ا
مصیبت نیا اندازہ وہ لوگ میرے چاروں طرف کھڑے میرا جائزہ لے رہے تھے اور میر
ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا...... پھر انہوں نے گریبان سے پکڑ کر مجھے اٹھایا اور ا
بعد میرے ہاتھ پشت پر کر کے باندھ دیئے گئے...... مجھے ایک فوجی کیمپ میں لے جایا
یہاں انہوں نے مجھے بالکل بے لباس کر دیا، میرے جسم پر ایک بھی کپڑا نہیں چھوڑا گیا
مجھے ایک کوٹھڑی میں بے لباس بند کر دیا تھا۔

❁❁❁

یہ بالکل سچ ہے کہ تجربہ خود اپنے آپ ہی پر ہوتا ہے...... لاکھوں کہانیاں لاکھوں
انے سن لئے جائیں...... کوئی کتنا ہی کچھ کہے...... وہ احساسات دل میں پیدا نہیں ہو جاتے،
ایک چھوٹا سا واقعہ خود پر گزرنے سے پیدا ہو جاتے ہیں...... یہ بھی ایک انوکھا تجربہ تھا،
ں بے شک ایک کوٹھڑی میں بند تھا، لیکن اس میں سلاخیں تھیں...... سامنے ایک راہداری
ئی وہاں سے فوجی سپاہی گزرتے تھے تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے...... جیسے ان کی نگاہوں کی
رچھیاں میرے پورے بدن کو داغدار کر رہی ہوں...... میں اپنے جسم کو چھپائے بیٹھا رہتا تھا،
ئی گھنٹے اس طرح گزر گئے، مجھ پر دیوانگی سوار ہونے لگی...... یہ مصیبت جو گلے پڑی تھی بالکل
ئی تھی، لیکن بہر حال کسی پر الزام نہیں رکھ سکتا، کیونکہ خود ہی دنیا سے بے خبر ہو کر یہاں
تک آیا تھا...... آخر کیوں، کوئی وجہ تو ہونی چاہئے تھی...... کوئی بات تو ہوتی ان لوگوں نے
بھی جو کچھ کیا تھا وہ اس کے لئے مجبور تھے، کیونکہ بہر حال پڑوسی ملک سے میرے ملک کے
تعلقات تو برے نہیں تھے...... لیکن دونوں کے درمیان شکوک و شبہات چل رہے تھے......
اب اگر میں لاکھ انہیں بتاتا کہ میں ایک سویلین ہوں...... ایک مصیبت کا مارا ہوں...... کون
یقین کرتا اس بات پر جب نگاہوں کی یہ برچھیاں میرے پورے بدن کو زخمی کر چکی تو میں
نے بڑی منت سماجت سے سامنے سے گزرتے ہوئے سپاہی کو پکارا اور کہا۔
”بھائی صاحب! میری بات سنیں گے۔“ وہ رک گیا اور رک کر مجھے دیکھنے لگا، میں

نے کہا۔

”میں نہیں جانتا میرے کپڑوں سے وہ لوگ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں، لیکن کیا ایک انسان کے ساتھ یہ سلوک مناسب ہے...... کیا آپ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ ٹھیک ہے۔“

”ہم نہیں جانتے...... کرنل صاحب نے یہ سب کچھ کیا ہے، ہم تو سپاہی ہیں، کیا کر سکتے ہیں تمہارے لئے۔“ میں ایک ٹھنڈی آہ بھر کر خاموش ہو گیا، کوئی بارہ گھنٹے کے بعد مجھے اسی طرح میری کوٹھڑی سے نکالا گیا...... میرے بدن سے سنگینیں لگا دی گئیں اور وہ لوگ مجھے لے کر چل پڑے...... مجھے ایک بیرک میں پہنچایا گیا اور اس کے بعد ایک ایسے روشن کمرے میں جہاں انتہائی تیز روشنی ہو رہی تھی...... ایک میز کے گرد کچھ افراد فوجی وردی میں بیٹھے ہوئے تھے...... انہی میں ایک نوجوان عورت بھی تھی، جس کے جسم پر میجر کے پھول لگے ہوئے تھے...... وہ بھی وردی میں تھی، خوبصورت چہرہ تھا، لیکن سخت دلی کا مظہر مردوں کے سامنے تو اب تک بے لباس رہا ہی تھا...... ایک عورت کے سامنے اس طرح بے لباس ہو کر جانا بڑی ہی شرمندگی اور اذیت کا باعث تھا...... میرا دل کٹنے لگا...... میں نے اپنے بدن کو چرانے کی کوشش کی، لیکن کیا کرتا بھیڑیوں کے قبضے میں تھا...... سنگین کا دباؤ مجھے ان کے سامنے لے گیا...... مجھے سر سے پاؤں تک دیکھنے والوں میں وہ عورت بھی شامل تھی...... میری نگاہیں ان لوگوں کی نگاہوں سے ملیں اور پھر میں نے عورت کے چہرے کو دیکھا...... مجھے اس کی آنکھوں میں ایک تیز چمک نظر آئی، اس کے پتلے پتلے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے...... بہر حال انہوں نے مجھے سامنے کھڑا کر دیا تو میں نے عاجزی سے کہا۔

”جناب عالی! آپ میرے ساتھ جو بھی سلوک کرنا چاہیں، ضرور کیجئے اگر میں آپ کا مجرم ثابت ہوں تو بے شک آپ میری کھال اتار لیجئے، لیکن انسانی رویئے کی بنا پر کم از کم مجھے لباس تو دے دیجئے...... آخر میرا لباس قبضے میں لینے سے آپ کو کیا حاصل ہو سکتا ہے۔“

جو شخص سامنے بیٹھا ہوا تھا وہ کرنل کے عہدے کا تھا، اس نے ایک طرف رُخ کر کے کہا۔

”اسے اس کے کپڑے دے دو۔“ میرا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا...... انسان سے کوئی بڑی

چیز چھن جائے اور چھوٹی چیز مل جائے تو نفسیاتی طور پر اسے اچھا ہی لگتا ہے...... دو سپاہی مجھے ایک طرف لے گئے اور پھر پہننے کے لئے میرا لباس دے دیا گیا...... خوش قسمتی سے وہ یہیں کہیں آس پاس ہی موجود تھا...... لباس پہننے کے بعد مجھے یوں لگا جیسے میں جانور سے انسان بن گیا ہوں...... واپس آ کر میں نے کرنل کا بڑے خلوص سے شکریہ ادا کیا تھا۔

”فضول باتیں مت کرو...... یہ بتاؤ پاکستانی ہو۔“

”جی سر۔“

”کس عہدے پر ہو۔“

”سو فیصدی...... بدنصیبی کے عہدے پر فائز ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”چرب زبانی سے کام لو گے تو بدن کی بوٹی بوٹی کر دی جائے گی...... صرف سچ بولو۔“

”جی سر کوئی عہدہ نہیں ہے میرے پاس...... ایک دیہاتی ہوں، بستی مراد نامی جگہ میں رہتا تھا...... وہاں کے چوہدری نے میرے اوپر الزام لگایا...... مجھے بند کرا دیا لاک اپ سے بھاگا ہوا قیدی ہوں اور بس۔“

”جھوٹ بولتے ہو...... بکواس کرتے ہو...... تم پاکستانی جاسوس ہو...... شرافت سے اپنے بارے میں ساری تفصیلات بتا دو اور یہ بھی بتا دو کہ کب سے ہماری سرحدوں میں گھوم پھر رہے ہو...... کیا کیا معلومات حاصل کر کے تم نے اپنے ساتھیوں کو دی ہیں...... تمہارے دوسرے ساتھی کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں...... دیکھو! تم پر اذیتوں کے پہاڑ توڑ دیئے جائیں گے، ورنہ اپنے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا دو...... اگر تم نے سچ بتا دیا تو ہم تمہیں یہاں سے روانہ کر دیں گے...... بے شک تمہیں جیل میں رہنا ہوگا، لیکن کوئی اذیت نہیں دی جائے گی تمہیں۔“

”آہ...... کاش آپ اس سچ کو سچ سمجھ لیں۔“ اسی وقت بیرک کے دروازے سے ایک شخص اندر داخل ہوا اور اس نے سلیوٹ کر کے کہا۔

”کرنل سنگھ آپ کے لئے ضروری کال آئی ہے...... براہ کرم۔“

”ہوں۔“ کرنل اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا، پھر اس نے پاس بیٹھے ہوئے دوسرے

ماتحتوں سے کہا۔

"ابھی اسے بند کر دو...... یہ کال اگر وہی ہے جس کا میں انتظار کر رہا تھا تو ہو سکتا ہے کہ مجھے جانا پڑے...... واپس آنے کے بعد اس کی تفتیش کروں گا، اس دوران اس کے ساتھیوں کو تلاش کرتے رہو اور اگر اسے عقل آ جائے اور یہ کچھ بتانے کی کوشش کرے تو اس کی معلومات سے فائدہ اٹھاؤ...... یہ کہہ کر کرنل بیرک سے باہر نکل گیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ مجھے وہاں سے نکال لائے...... ایک بار پھر مجھے اسی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا تھا، اب میں اپنے احساسات کا تذکرہ جن الفاظ میں بیان کرنا چاہتا ہوں ان کی تلاش میرے لئے ناممکن ہے...... میں نے موت سے جنگ شروع کی ہوئی تھی اور اسے شکست دینا چاہتا تھا، لیکن اس کی جتنی بڑی قیمت مجھے ادا کرنی پڑ رہی تھی...... شاید بہت کم لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک ہوا ہو...... وہ رات گزر گئی...... دوسرا دن اور دوسرے دن کی رات کچھ اور نئے احساسات کی حامل تھی...... رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے کا وقت ہوگا، بیرک کے باہر مکمل خاموشی طاری تھی...... میں نے اس سے پہلے کسی ایسی جنگی چوکی کا جائزہ نہیں لیا تھا اس کے بارے میں میری معلومات نہیں تھیں...... جو میں اب دیکھ رہا تھا...... یہاں کے قوانین، یہاں میرے ساتھ ہونے والا سلوک آنے والے وقت کے خوفناک تاثرات اور احساسات یہ ساری چیزیں ذہن پر شدت سے حملہ آور تھیں اور میرا ذہن مفلوج سا ہو رہا تھا...... ساڑھے گیارہ بجے کے وقت دو سپاہی میرے پاس آئے...... میرے قید خانے کا دروازہ کھولا گیا اور دونوں نے اپنی گنیں سیدھی کر لیں، پھر ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں کہا۔

"چلو...... تمہیں میجر کامتی نے بلایا ہے۔" یہ میجر کامتی کون تھا...... میں نہیں جانتا تھا، لیکن بہرحال یہ جانتا تھا کہ اس لمحے ان لوگوں سے انحراف کیا تو شاید بدن کے سوراخ گنے بھی نہ جا سکیں، اتنا تو اندازہ مجھے ہو گیا تھا کہ مجھے دشمن کا جاسوس سمجھا گیا ہے اور میرے ساتھ ہونے والا سلوک ایک پاکستانی جاسوس کی حیثیت سے ہے اور سلوک کرنے والی ہندوستانی فوج ہے، جس کے بارے میں بہت سی داستانیں پہلے بھی سن چکا تھا...... مقبوضہ

کشمیر میں غیر فوجیوں کے ساتھ یہ لوگ جس قدر وحشیانہ سلوک کر رہے تھے، اس کی خبریں بیشتر پڑھی تھیں اور ان کے لئے ذہن میں نفرت کا ایک جذبہ مستقل جاگزیں تھا، لیکن میں نے زندگی میں ابھی تک کوئی ایسا سنگین کام نہیں کیا تھا جس سے دل مضبوط ہوتا اور میں ان حالات کو ایک عادی مجرم کی طرح برداشت کر جاتا، چنانچہ سہما ہوا ان کے ساتھ چل پڑا، کوئی چھ بیرکوں کا فاصلہ طے کر کے وہ ایک بیرک کے سامنے رُکے...... لکڑی کی بیرک بنی ہوئی تھی اور اس کے رخنوں سے روشنی چھن رہی تھی...... میں بیرک میں داخل ہوا تو سامنے کے حصے میں ایک آفس جیسی جگہ بنی ہوئی نظر آئی...... آفس کے میز کے پیچھے کچھ کاغذات سامنے رکھے ہوئے وہی عورت بیٹھی ہوئی تھی، جو دوران تفتیش میرے سامنے آئی تھی اور میں نے اس کی چھوٹی چھوٹی لیکن تیز آنکھوں کو اپنے بدن میں چبھتے ہوئے محسوس کیا تھا...... مجھے ایک دم احساس ہوا کہ میجر کامتی کوئی مرد نہیں بلکہ عورت ہے...... مجھے یہاں تک لانے والوں نے سلیوٹ کیا...... عورت نے گردن اٹھا کر مجھے دیکھا، پھر ان دونوں کی طرف دیکھا اور پھر بولی۔

"ٹھیک ہے جاؤ...... میں تمہیں کال کر لوں گی۔" دونوں دوبارہ سلیوٹ کر کے باہر نکل گئے تھے...... میجر کامتی اس وقت فوجی لباس میں تھی، تھوڑی دیر تک وہ اپنی جگہ پر بیٹھی رہی، پھر اپنی جگہ سے اُٹھی...... بیرک کے دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے دروازہ بند کر دیا...... میں خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، وہ گھورتی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"کھانا پینا تو ٹھیک سے ملا ہے تمہیں۔"

"جی میڈم۔"

"ٹھیک...... تم نے اپنے بارے میں کچھ بتایا نہیں۔"

"جو کچھ بتا چکا ہوں میڈم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"

"جانتے ہو تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔"

"یہ تو نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے، لیکن بدنصیبی نے جس

طرح میرا گھیراؤ کیا ہے اس کے تحت یہ جانتا ہوں کہ وہ کوئی اچھا سلوک نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک...... بیٹھو ادھر...... مجھے تم سے کچھ ذاتی سوالات بھی کرنے ہیں...... میں ابھی آئی، بھاگنے کی کوشش مت کرنا ورنہ بیرک میں تمہیں کہیں بھی آسانی سے گولی ماری جاسکتی ہے...... سمجھ رہے ہونا۔"

"جی میڈم! کہاں جاؤں گا۔"

"ہاں...... یہی بتانا چاہتی ہوں تمہیں کہ بھاگنے کی کوشش مت کرنا...... وہ ایک دروازے سے اندر چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد واپس آئی تو اس کے بدن پر ایک باریک نائٹی تھی، جس سے اس کا بدن سونے کے بدن کی طرح جھک رہا تھا...... نائٹی کے نیچے اس نے اور کچھ نہیں پہنا ہوا تھا...... میری آنکھیں جھک گئیں...... وہ میرے سامنے آکر کرسی پر بیٹھ گئی...... اس کی جانب اٹھنے والی ہر نگاہ بدن میں لرزشیں پیدا کررہی تھی...... تھوڑی دیر تک اسی طرح بیٹھی رہی، پھر اس نے کہا۔

"پاکستان کی کسی سیکرٹ ایجنسی سے کوئی تعلق ہے۔"

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میڈم! کہ میرا تعلق کسی بھی ایجنسی وغیرہ سے نہیں ہے...... میں تو مصیبت کا مارا ہوں، ایک قتل کے الزام میں پھنسادیا گیا تھا...... لاک اپ سے جان بچا کر بھاگا ہوں۔"

"یہ کہانی تم ان لوگوں کو بھی سناچکے ہو...... میرے لئے کوئی نئی کہانی ہے تمہارے پاس تو سناؤ...... دیکھو مجھ سے تعاون کرو، میں تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کروں گی...... تمہاری مدد کروں گی میں۔"

"میڈم میں ہر تعاون کے لئے تیار ہوں۔" میں نے کہا وہ بے چینی سے اپنی جگہ کھڑی ہوگئی اور پھر بیرک کے تختے پر چڑھنے لگی...... بار بار وہ رک کر مجھے دیکھنے لگتی تھی، لیکن میری نگاہیں جھکی ہوئی تھیں...... پھر اچانک ہی اس نے قریب رکھی ہوئی چمڑے کی بیلٹ اٹھائی اور شڑاپ شڑاپ کی آوازوں کے ساتھ کئی بلٹیں اس نے میرے جسم پر ماریں اور اس

کے بعد غصے سے دہاڑی۔

"کون ہے اندر آؤ۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھی اور اس نے دروازہ کھول
...... وہی دونوں سپاہی اندر آگئے تھے...... اس کتے کو لے جاؤ اور کوٹھڑی میں ڈال دو...... کچھ
جھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ برہمی کس لئے ہے، وہ دونوں مجھے بڑی سخت گیری کے ساتھ لے
ئے اور نے کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا جو بلٹیں میرے جسم پر ماری گئی تھیں...... انہوں نے
یرے جسم پر خون کی لکیریں بنادی تھیں اور ان لکیروں میں شدید سوزش ہورہی تھی......
ں اس عجیب وغریب رویئے پر غور کرنے لگا...... خداوند! اس نے مجھے مارا کیوں...... کوئی
اص سوال بھی تو نہیں کیا تھا اس نے پھر...... پھر...... پھر؟ اور اس پھر کے آگے ایک سوالیہ
ثان کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

❁ ❁ ❁

پھر وہ شاید مجھے بھول ہی گئے...... میں عام قیدیوں کی طرح یہاں وقت گزارنے لگ
ایک دو بار میں نے سنتریوں سے کہا بھی...... بھائی میرا تو کوئی فیصلہ کرادو، تو وہ ہنسنے لگے، پھ
ان میں سے ایک نے کہا۔

"زندگی بھاری پڑی رہی ہے کیا جو فیصلے پر تلے ہوئے ہو...... خاموشی سے پڑے رہ
اور وقت گزارو، تقدیر خود تمہارا فیصلہ کرے گی۔" بہرحال پھر مزید وقت گزرتا رہا، اب بہ
سے قیدیوں سے میری جان پہچان ہو گئی تھی...... ان میں کیرن سنگھ بھی ایک قیدی تھا
مقامی آدمی تھا، اس پر بھی پاکستان کے لئے جاسوسی کرنے کا الزام تھا...... سکھ ہونے کی و
سے ہندو سپاہی اسے پاکستان دوست سمجھتے تھے، جبکہ کیرن سنگھ نے مجھ سے کہا تھا۔

"یار تین بھائی تھے ہم...... دو بھائی ان فوجیوں کے ہاتھ سے مر گئے...... دونوں ک
بیویاں، میری بھابیاں اور پانچ بچے میری ذمہ داری بن چکے تھے...... محنت مزدوری کرتے
زندگی گزارتا تھا تو خود سوچ میں کیا جاسوسی کرتا اور یہ لوگ اصل میں ان کے ذہن پر کشمیر
سوار ہے...... کشمیریوں نے جان کی بازی لگا کر پاگل کر دیا ہے انہیں اور اب یہ باؤلے کتے ک
طرح ہر شخص کے پیچھے دوڑ رہے ہیں...... چاہے وہ مسلمان ہو یا سکھ، یہ سمجھتے ہیں کہ سکھ
خالصتان اور مسلمان کشمیر لئے بغیر نہیں رہیں گے...... اس وقت تک ان کا جو دل چاہے گا
کرتے رہیں گے...... بہرحال ساری صورت حال میری نگاہوں کے سامنے واضح تھی......

پھر یہ لوگ شاید یہاں سے کہیں منتقل کرنے کی تیاریاں کرنے لگے...... کئی ٹرک آ کر رکے
تھے اور قیدیوں کو ان میں بھیڑ بکریوں کی طرح بھرا جا رہا تھا...... ایک ہندو محافظ قیدیوں کو
ماں، بہن کی گالیاں دے دے کر ٹرک میں سوار ہونے کا حکم دے رہا تھا اور بری طرح مار رہا
تھا...... پلیٹ فارم کی دوسری جانب ایک اور ٹرک آ کر کھڑا ہوا جس کا فرش اور دیواریں
مویشیوں کے گوبر سے بھری ہوئی تھیں...... قیدیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح اس ٹرک میں
بھی بھرا جا رہا تھا...... ٹرک میں پھیلی بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا، لیکن محافظوں کی سنگینیں اور
رائفل، قیدیوں کو آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی تھیں...... ٹرک میں اتنی جگہ تک نہیں تھی کہ
آسانی سے کھڑا ہوا جا سکے، لیکن قیدیوں کو زبردستی اندر ٹھونسا جا رہا تھا...... آخر کار ٹرک اتنا
بھر گیا کہ اس میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی...... تب اس کے تختے چڑھا دیئے گئے اور ٹرک کا
اندرونی حصہ قبر کی طرح تاریک ہو گیا...... انجن سٹارٹ ہونے کی آواز کے ساتھ ہی پٹرول
کی بو پھیل گئی اور پھر ٹرک حرکت میں آ گیا اور اس کی جگہ دوسرے ٹرک نے لے لی......
کیرن سنگھ سب سے آگے والے ٹرک کے ایک حصے میں دیوار سے پشت لگائے بیٹھا تھا اور
دوسرے قیدیوں کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا، وہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے پیچھے دھکیل رہا تھا،
لیکن اتنی گنجائش ہی نہیں تھی کہ کوئی قیدی اپنی جگہ سے ہٹتا...... کیرن سنگھ پتا نہیں کیسی
کیفیت محسوس کر رہا تھا، لیکن میں نے اس کے چہرے پر انتہائی خوف کے آثار دیکھے تھے......
اس ٹرک میں ہمارے علاوہ اور بھی بہت سے قیدی بھرے ہوئے تھے، ان میں سے کچھ
جاسوس تھے اور کچھ پتہ نہیں کون تھے، لیکن اتنی بات ہم جانتے تھے کہ موت ان کا مقدر بن
چکی ہے...... کیرن سنگھ کو شاید مارا پیٹا بھی گیا تھا، کیونکہ اس کے خشک ہونٹوں پر خون کی
پپڑیاں جمی ہوئی تھیں...... بہرحال وہ کسی خاص علاقے کی جانب لے جائے جا رہے تھے......
یہ علاقہ مقبوضہ کشمیر کا ایک ایسا علاقہ تھا، جسے خاص طور سے ایک جنگی کیمپ میں تبدیل کیا گیا
تھا اور اس جنگی کیمپ میں ان لوگوں کی اصطلاح کے مطابق خطرناک قسم کے قیدی ہی رکھے
جاتے تھے...... مجھے اس کیمپ کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں پتا تھا، لیکن اتنا ہمیں

بتادیا گیا تھا اور میں اور کیرن سنگھ دونوں اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم ایک ایسی جگہ لے
جارہے ہیں جہاں سے زندہ بھاگنا مشکل تھا...... سست رفتاری سے چلنے والے ٹرک آخر
ایک جگہ رُک گئے...... تمام قیدی کچھ لمحوں کے لئے تو اس طرح خاموش ہوگئے جیسے ان
قوت گویائی ختم ہوگئی ہو...... پھر آہستہ آہستہ ان کی سرگوشیاں اُبھرنے لگیں، جو بتدر
ہوتی گئیں...... تاریکی میں خوف کی چادر کچھ اور ہی دبیز ہوگئی تھی...... ٹرک کے تختے زو
دھماکوں کے ساتھ گرنے اور اس کے ساتھ ہی ان میں بھرے ہوئے قیدی روشنیوں
نہاگئے...... یہ روشنیاں سرچ لائٹوں سے ان پر ڈالی گئی تھیں...... اس طرح قیدیوں
آنکھیں چندھیا گئیں اور جب وہ روشنی میں دیکھنے کے قابل ہوئے تو اپنے سامنے خونخوا
چہروں والے بے شمار فوجیوں کو دیکھ کر ان کے حواس گم ہوگئے...... سب سے آگے وا
محافظ کے ہاتھ میں چمڑے کا کوڑا تھا...... وہ کچھ لمحے قیدیوں کا اس طرح جائزہ لیتا رہا، جی
قصائی بکروں کو دیکھتا ہے...... پھر کوڑا لہراتے ہوئے غرایا۔

"حرام کے پلو تم لوگ ایک ایک کر کے باہر آؤ گے اور گھٹنوں کے بل جھک کر اپنی
شناخت بتاؤ گے...... قیدی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور بری طرح خوفز
ہوگئے...... آخر کار ایک قیدی نیچے اترا اور ان کے سامنے سینہ تان کے کھڑا ہوگیا۔

"میرا نام انعام عبداللہ ہے۔"

"گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بات کرو...... سور کے بچے۔" نگران محافظ کوڑا لہراتا ہوا غ
اور چوڑے چکلے قیدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا نام انعام عبداللہ ہے اور ہندو کتے میں تیرے سامنے کبھی نہیں جھکوں گا......
بات تو اپنے ذہن میں رکھ لینا۔" سامنے کھڑے ہوئے محافظ نے خونی نگاہوں سے اسے دی
اور پھر اس نے اپنے کوڑے کو حرکت دی...... انعام عبداللہ نے دونوں ہاتھوں سے وار رو
چاہا، لیکن کوڑا شڑاپ کی آواز کے ساتھ اس کی کمر پر لپٹ گیا، البتہ وہ اپنی جگہ پر کھڑا
تھا...... کوڑا پھر حرکت میں آیا اور اس مرتبہ انعام عبداللہ کے چہرے کی کھال اُدھڑ گئی۔

تیسری مرتبہ کوڑا اس کی گردن سے لپٹا تو اس کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی۔

"گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنی شناخت بتا...... کتے کی اولاد۔"

"تم سب خود کتے کی اولادیں ہو...... مجھے کبھی نہیں بیٹھا سکو گے تم۔" انعام عبداللہ
نے کہا اور محافظ کا کوڑا مشینی انداز میں حرکت میں آگیا...... انعام عبداللہ نے ہونٹ بھینچ
لئے تھے...... کوڑا اس کی کھال ادھیڑتا رہا، یہاں تک کہ اس کے بدن کے مختلف حصوں سے
خون رسنے لگا...... تمام قیدی پتھرائے ہوئے کھڑے تھے...... انعام عبداللہ آہستہ آہستہ نیچے
بیٹھتا چلا گیا، لیکن اس نے گھٹنے اب بھی زمین کے بل نہیں لگنے دیئے تھے...... پھر وہ کروٹ
کے بل گر کر بے ہوش ہوگیا...... محافظ نے ساتھ کھڑے ہوئے سپاہیوں کی جانب دیکھا، ان
میں سے ایک نے انعام عبداللہ کی ٹانگ پکڑی اور کسی مردہ جانور کی طرح گھسیٹتا ہوا وہاں سے
دُور لے گیا...... پھر وہ تاریکی میں گم ہوگیا...... انعام عبداللہ کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکل
رہی تھی...... اس کے بعد تمام قیدی ایک ایک کر کے ٹرک سے اترنے لگے...... ہر قیدی کو
جھک کر اپنا نام وغیرہ بتانا پڑتا کیونکہ یہ سب ان لوگوں نے اپنا قانون بنایا ہوا تھا...... یہ بات
مجھے بعد میں معلوم ہوئی کہ انعام عبداللہ ایک کشمیری مجاہد تھا اور کشمیریوں سے یہ لوگ خاص
طور سے بڑی نفرت کرتے تھے، بلکہ یہ کیمپ یا قید خانہ کشمیر ہی کے علاقے میں تھا...... میں
ٹرک کے کونوں میں جھک کر یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا...... آخر کار جب میری باری آئی اور میں
نیچے اترا تو میں نے بھی دل میں یہ طے کر لیا تھا کہ انعام عبداللہ کی طرح گردن اُونچی کر کے
رہوں گا اور گھٹنوں کے بل نہیں جھکوں گا، حالانکہ میں اس طرح کا انسان نہیں تھا، لیکن اب
اتنے عرصے قید میں گزارنے کے بعد میرے دل میں بھی بہت سی کیفیتیں پیدا ہوگئی تھیں،
چنانچہ جب میں ان کے سامنے پہنچا تو میں نے کہا۔

"سر میرا نام خرم شہزاد ہے۔"

"شہزاد ہے کیا شہزادہ...... کون سی مملکت ہے تمہاری۔"

"جناب! اس وقت تو آپ کا قیدی ہوں۔"

"جھک کر بات کرو...... گھٹنوں کے بل جھک کر بات کرو۔"

"آپ دیکھ چکے ہیں جناب! کہ انعام عبداللہ گھٹنوں کے بل نہیں جھکا۔"

محافظ نے چونک کر میری صورت دیکھی اور بولا۔

"ہوں...... تو تم بھی کشمیری دہشت گرد ہو۔"

"جی نہیں...... مجھے سرحد سے گرفتار کیا گیا ہے اور یہ لوگ مجھے پاکستانی جاسوس سمجھتے ہیں، جبکہ ایسی بات نہیں ہے۔" محافظ کے ساتھ کھڑے ہوئے دوسرے لوگ بھی چونک پڑے تھے...... پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"اوہ...... پاکستانی جاسوس۔" محافظ بات ختم کر کے کوڑے والے ہاتھ کو حرکت دینے لگا۔

"تم مجھ پر یہ کوڑا استعمال نہیں کر سکتے...... میں تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔" میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"تو پھر میرے لئے تمہیں شوٹ کرنا بہت آسان ہوگا۔" محافظ دھاڑا۔

"تم دیر کر رہے ہو اتنی دیر ہو گئی اور تم ابھی تک چند نام اور پتے درج کر سکے ہو۔" پیچھے سے آواز آئی اور پھر کسی نے بازو پکڑ کر مجھے پیچھے کر دیا۔

"اسے میرے آفس میں بھجوا دو۔" رات کی تاریکی کی وجہ سے میں اس شخص کی صورت نہیں دیکھ سکا تھا، جس نے فوری طور پر مجھے مشکلات سے بچا لیا تھا...... پتہ نہیں کون تھا، لیکن آواز بڑی گرجدار اور شاندار تھی...... فوراً ہی دو محافظ میرے اردگرد پھیل گئے اور ان میں سے ایک نے میرے بازو پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

"بالکل شرافت سے چلتے رہو...... تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔" میں خاموشی سے ان کے ساتھ چل پڑا...... تاریکی میں راستہ تک مشکل سے نظر آ رہا تھا...... ہم ایک عمارت کے پاس پہنچے اور اس میں داخل ہو گئے اور ایک راہداری میں ہوتے ہوئے ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچ گئے، جس میں صرف ایک میز اور ایک کرسی تھی...... میں ایک طرف دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا گیا...... محافظ میری دونوں سمت اب بھی اس طرح کھڑے

ہوئے تھے...... جیسے انتظار کر رہے ہوں، تقریباً چار پانچ منٹ تک انتظار کرنا پڑا...... پھر جیسے ہی ایک گھنٹی بجی محافظ نے مجھے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا...... کمرے میں دوسرے دروازے کو میں دیکھ چکا تھا...... میں جس کمرے میں داخل ہوا وہ دفتر کی طرح آراستہ تھا...... میز کے پیچھے ادھیڑ عمر کا ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، جس کے جسم پر کرنل کی وردی تھی...... چوڑے چکلے بدن کا مالک یہ شخص بڑی بڑی مونچھوں والا تھا...... وہ چند لمحے گہری نظروں سے میرا جائزہ لیتا رہا، پھر محافظ کو مخاطب کر کے بولا۔

"جاؤ...... باہر کھڑے ہو کر انتظار کرو۔" محافظ خاموشی سے باہر نکل گیا اور کرنل میرا جائزہ لینے لگا۔

"ہوں...... تو تم پاکستانی جاسوس ہو۔"

"نہیں جناب! آپ یقین کیجئے میں صرف ایک مصیبت زدہ شخص ہوں...... بس یوں سمجھ لیجئے کہ تقدیر نے میرے لئے مشکلوں کے دروازے کھول دیئے ہیں اور میں انہی مشکلوں سے گزرتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا ہوں۔" جواب میں سخت چہرے والا کرنل ہنسنے لگا، پھر اس نے کہا۔

"سنو! خاص طور سے مجھے تمہاری ضرورت ہے...... تمہیں ہلاک کرنا ہمارے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہوگا...... خاص طور سے ایسے لوگوں کو جن پر ذرا بھی پاکستانی جاسوس ہونے کا شبہ ہوتا ہے ہم کبھی نہیں چھوڑتے...... بات اصل میں یہ ہے کہ ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان مسلسل دہشت گردوں کو سرحد پار کرا رہا ہے اور اگر تم اس سلسلے میں ہماری معاونت کرو تو تمہیں ایک بہترین زندگی دی جا سکتی ہے۔"

"میں بھلا کیا معاونت کر سکتا ہوں جناب اور پھر میں خاص طور سے آپ کو ایک بات بتا دوں...... بالکل ہی سول آدمی ہوں میں...... میرا تعلق تو پولیس تک سے نہیں ہے، فوج تو بہت بڑی چیز ہے اور جہاں تک دہشت گردوں کو سرحد پار کرا کے آپ کے علاقے میں بھیجنے کا تعلق ہے تو آپ یقین کیجئے کہ مجھے اس بارے میں اتنی ہی معلومات حاصل ہیں جتنی آپ

کے اخبارات اور ریڈیو ظاہر کرتے رہتے ہیں...... اس کے علاوہ مجھے اس بارے میں اور
نہیں معلوم۔" کرنل نے خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولا۔

"میں نے سوچا تھا کہ شاید تم کوئی معقول آدمی ہو، لیکن وہی باتیں کر رہے ہو تم......
تمہارے جیسے دوسرے لوگ کرتے ہیں...... سنو تم محافظ کو اپنا سہی نام پتہ نہیں بتا رہے ہو
جو شخص معلومات حاصل کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا اس کے بارے میں میرے پاس پتہ
ایسی رپورٹیں ہیں جن میں یہ تفصیل موجود ہیں کہ اس نے انسان کی کھال پوری کی پوری ا
دی ہے اور کھال کے نیچے کا گوشت بر آمد کر کے انہیں گولی مار دی ہے...... تمہاری دلیری
بھی نتیجہ بر آمد ہونے والا تھا کہ میں وہاں پہنچ گیا...... میں اب بھی تمہیں دعوت دیتا ہوں
میری مدد کرو...... میرے اشاروں پر کام کرو، اگر تم یہ ثابت کر دیتے ہو یا میری خواہش
مطابق یہ گواہی دیتے ہو کہ تم ایک دہشت گرد ہو اور کسی مذہبی تنظیم سے تعلق رکھتے ہو
یہاں اپنے پورے گروہ کے ساتھ آئے تھے اور گروہ منتشر ہو گیا ہے اور تم اتفاقیہ طو
ہمارے ہاتھ لگ گئے ہو، تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ مختلف گواہوں سے گزارنے کے بعد
تمہیں آزاد کر دوں گا اور تمہیں تمہاری مرضی کے مطابق جہاں تم کہو گے وہاں بھیج دیا جا
گا...... بولو یہ سودا کرنے کے لئے تیار ہو۔"

"نہیں۔" میں نے کرخت لہجے میں جواب دیا۔

" گارڈ۔" اچانک کرنل نے زور سے آواز دی اور باہر کھڑے ہوئے دونوں گ
اندر آ گئے۔

"اسے واپس اس کے ٹھکانے پر پہنچا دو۔" کرنل کے ان الفاظ پر میں دنگ رہ گیا تھا،
لمحوں کے اندر اندر کرنل سے میری اس طرح رہائی ہو جائے گی...... میں نے سوچا بھی ن
تھا، لیکن بہر حال ایسا ہوا تھا...... گارڈ مجھے لے کر چل پڑے، میں کرنل کے بیرک سے
نکلا اور ایک راستے سے گزرنے لگا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا جو گیلے کپڑے سے ف
صاف کر رہا تھا...... اس کے قریب ہی ایک سپاہی کھڑا ہوا تھا...... میرے قدموں کی چا

فرش صاف کرنے والے نے صرف ایک لمحے کے لئے میری طرف دیکھا تو قریب کھڑے
ہوئے سپاہی نے اس کی پسلیوں پر ٹھوکر ماری اور وہ بلبلاتا ہوا فرش پر لوٹنے لگا...... میرے
قدم رک گئے، لیکن فوراً ہی میرے ساتھ آنے والے محافظ مجھے دھکے دیتے ہوئے آگے بڑھ
گئے...... میں نے ان دونوں کو خونی نگاہوں سے دیکھا اور خاموشی سے آگے بڑھ گیا...... میں
نے دل میں عہد کر لیا کہ اس کم بخت ظالم سپاہی کو اس کے اس عمل کی سزا ضرور دوں گا......
بہر حال مجھے میری کوٹھڑی میں پہنچا دیا گیا...... یہ کوٹھڑی جس میں مجھے بند کیا گیا تھا، مشکل
سے دس فٹ لمبی اور پانچ فٹ چوڑی تھی...... دروازے کے علاوہ ہوا کی آمد و رفت کے لئے
اور کوئی راستہ نہیں تھا، کمرے میں لکڑی کا ایک تختہ اور ایک پھٹا پرانا کمبل پڑا ہوا تھا......
کمرے کی دیواروں پر خون کے سیاہی مائل خشک دھبے، مجھ سے پہلے یہاں آنے والوں کی
داستان سنا رہے تھے...... میں اس کمرے میں قید ہو گیا اور دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا......
یہاں آنے کے بعد میں نے اپنے بارے میں سوچا...... آہ، زندگی کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی،
وہ خوشگوار یادیں جو زندگی کا سرمایہ تھیں، بس میرے ساتھ تھیں اور کچھ نہیں تھا...... کوئی
تصور کوئی خیال اب دل میں نہیں تھا...... بدنصیبی نے قیدی بنا دیا تھا...... مقبوضہ کشمیر کے ان
جانثاروں کے بارے میں سوچنے لگا، جو وطن کی مٹی کو اپنے خون سے سیراب کر رہے
تھے...... کیا گزر رہی ہے ان پر...... اتفاقیہ طور پر یہ ساری داستان میری نگاہوں کے سامنے
آ گئی تھی، بلکہ ایک طرح سے میں اس داستان کا ایک حصہ بن گیا تھا...... جب کہ میرا تعلق
اس سرزمین سے نہیں تھا...... اب کیا کرنا چاہئے...... میں نے اپنے بارے میں سوچا تو خود پر
ہنسی آنے لگی...... کرنے کا کیا سوال تھا، میں تو اپنے کسی عمل کے لئے آزاد بھی نہیں تھا......
صرف اور صرف وقت کا انتظار کرنا تھا، وقت میرے بارے میں کیا فیصلہ کرتا ہے...... کرنل
کی اس پوچھ گچھ کے بعد کئی دن تک کوئی ایسا عمل نہیں ہوا...... میں یا تو اپنے اس کمرے میں
کیڑے مکوڑے مارتا رہتا یا اُٹھ کر ٹہلنے لگتا...... محافظ دن میں صرف ایک بار کھانا دینے کے
لئے دروازہ کھولتا اور بس بالکل تنہائی کی یہ زندگی اعصاب کو تباہ کئے دے رہی تھی...... کئی

دن کے بعد مجھے اس کوٹھڑی سے نکالا گیا، دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور میں نے پہلی مرتبہ اس کیمپ کا تفصیلی جائزہ لیا تھا...... یہ کیمپ انتہائی وسیع رقبے پر مشتمل تھا، جس کے عین درمیان میں ایک دوسرے سے ملی ہوئی چار منزلہ عمارتیں تھیں...... کیمپوں کی اینٹوں کی دیوار کافی چوڑی تھی...... دو عمارتیں چھوٹی چھوٹی کوٹھیوں پر مشتمل تھیں اور باقی دو عمارتوں میں بڑے بڑے ہال تھے...... اطراف میں لکڑی کی بڑی بڑی بیرکیں بنی ہوئی تھیں...... عمارتوں کے اندر ہال نما کمروں میں وہ قیدی بھرے ہوئے تھے، جن کے لئے موت طے کر دی گئی تھی...... یہ زیادہ تر کشمیری جوان تھے...... حسین و جمیل چہروں والے، لیکن مصائب کی زندگی نے ان کا حسن ماند کر دیا تھا...... عمارت کے چاروں طرف کشادہ میدان اور پھر اینٹوں کی بلند دیواریں تھیں، جس میں جگہ جگہ واچ ٹاور بنے ہوئے تھے...... دیوار سے کچھ فٹ کے اندر کانٹوں دار تاروں کا اونچا جنگلا تھا، جس میں ہر وقت برقی رو دوڑتی رہتی تھی...... جنگلے اور دیوار کے درمیان خالی جگہ پر چوبیس گھنٹے مسلح محافظ گشت کرتے رہتے...... مجھے اچھی طرح یہ اندازہ ہو گیا کہ اس قید خانے سے زندہ نکلنا ناممکنات میں سے ہے...... بہرحال پھر مجھے ایک کمرے میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا گیا، اس کمرے میں پہلے ہی پانچ چھ آدمی موجود تھے...... ان میں سے چار کشمیری تھے، ایک ہندو اور ایک سکھ، بالنگ سنگھ نامی اس سکھ نے آگے بڑھ کر مجھ سے کہا۔

"تم سے مل کر خوشی ہوئی بھائی جی! لگ رہا ہے تم کشمیری نہیں ہو۔"

"میں بے شک کشمیری نہیں پاکستان سے آیا ہوں اور اب یہ سمجھتا ہوں کہ کشمیریوں کا اصل موقف میرے سامنے آیا ہے...... یہ ہندو قوم کسی بھی طرح قابل اعتبار نہیں اور اس کی کسی بات پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا...... بہرحال تم لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی، مگر بالنگ سنگھ تم یہاں کیسے موجود ہو۔"

"بھائی جی! جہاں بھی اپنے حق کے لئے آواز اٹھائی جاتی ہے، یہ لوگ آواز اُٹھانے والے کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں...... یہی ان کی حکومت کرنے کا راز ہے، اگر ایمانداری اور سچائی

سے حکومت کریں تو ہندوستان کے اتنے ٹکڑے ہوں کہ گنے بھی نہ جا سکیں۔" میں بھی انہی مظلوموں میں سے ایک ہوں۔" بالنگ سنگھ کے الفاظ بڑے سنسنی خیز تھے...... بہرحال یہاں خاصی اچھی کیفیت ہو گئی، کم از کم کوئی بات کرنے والا تو تھا، پھر کئی دن اسی طرح گزر گئے اور چند روز کے بعد ایک شخص آگے آیا اور اس نے کہا۔

"تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے۔" میں نے حیرانی سے اسے دیکھا، اس سوال کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"کیسی ضرورت۔" اس وقت ایک دوسرا آدمی اندر آیا اور پھر پہلے والے آدمی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بے وقوف اس کمرے میں نہیں تمہیں برابر والے کمرے میں جانا ہے آؤ۔" اور دونوں وہاں سے باہر نکل گئے...... تب چاروں کشمیریوں میں سے ایک نے جن میں سے ایک کا نام سلام علی تھا...... میرے پاس آکر کہا۔

"سنو! یہ جو کچھ ہوا ہے اس کا کوئی مقصد ہے...... تم یہ مت سمجھنا کہ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں وہی ہوتا ہے، اصل میں یہ لوگ بڑی چالاکی سے اپنے کام کرتے ہیں، خیر اب دیکھیں گے کہ قصہ کیا ہے۔"

"یہاں تو میری سمجھ میں بات ہی نہیں آ سکی۔"

"تم سے ایک بات کہوں...... اکثر یہاں موجود قیدی یہاں سے باہر نکلنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں...... یہ لوگ ہم ہی میں سے کسی کو اپنا ساتھی بناتے ہیں تاکہ باقی لوگوں سے ہوشیار رہیں...... اتفاق کی بات کہ اس کمرے میں ایک بھی شخص ایسا نہیں ہے جس پر کوئی شبہ کیا جا سکے، حالانکہ ہم چاروں اکثر یہاں سے فرار کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔"

"یہاں سے نکلنے کے کیا امکانات ہیں۔" میں نے کچھ لمحوں کے بعد پوچھا۔

"کچھ نہیں...... تم نے دن کی روشنی میں اس کیمپ کو دیکھا ہوگا...... یہاں جدید ترین انتظامات کئے گئے ہیں...... ہندوستان کی فوجوں نے یہاں اپنی ذہانت کو آخری حد تک پہنچا دیا

ہے..... خاردار تاروں کے جنگلے میں برقی رو دوڑتی رہتی ہے..... ایسے آلات بھی یہاں لگائے گئے ہیں کہ سوئی گرنے کی آواز بھی دوسری جگہ سنی جاسکتی ہے..... اس لئے سرنگ کھودنے کا خیال بھی ذہن میں نہیں لایا جاسکتا..... میں تقریباً ایک ماہ سے اس کمرے میں ہوں، لیکن انتہائی کوشش کے باوجود ان حفاظتی انتظامات میں ایسی کوئی خامی تلاش نہیں کرسکا جس سے کوئی فائدہ اٹھایا جاسکے۔"

"کیا کسی نے یہاں سے فرار کی کوشش کی ہے۔"

"ہاں ایک آدمی نے لانڈری ٹرک میں چھپ کر فرار ہونے کی کوشش کی تھی، لیکن پکڑا گیا..... جانتے ہو اسے کیا سزا دی گئی۔"

"کیا۔"

"اس کا سر ایک شکنجے میں کس کر اس طرح دبایا گیا کہ نیچے برتن میں اس کے بھیجے کا تیل نکل آیا..... تمام قیدیوں کو یہ منظر دیکھنے پر مجبور کیا گیا تھا..... ہندو سپاہی ایسی سزا دینے میں ماہر سمجھے جاتے ہیں۔"

"اس جیل کا انچارج کون ہے۔"

"پتہ نہیں بدلتے رہتے ہیں..... ویسے ایک شخص یہاں بہت خطرناک ہے، اس کا عہدہ کرنل کا ہے، لیکن کسی کو اس سے اختلاف کی جرات نہیں ہوسکتی..... میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ اگر کوئی محافظ غائب ہو جائے تو بے شمار قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔"

"بہت افسوس ناک بات ہے۔"

"تم کیا سمجھتے ہو ہم لوگ کسی معمولی دشمن سے پنجہ کشی کر رہے ہیں۔" میں اور سلام علی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ باہر سے فائرنگ کی آواز سنائی دی اور سلام علی خاموش ہو کر یہ آواز سننے لگا..... میں نے اس سے سوال کیا۔

"یہ فائرنگ۔" جواب میں سلام علی کے ہونٹوں پر ایک غم آلود مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"ہاں..... کسی بے گناہ کو موت کے گھاٹ اتارا گیا ہوگا..... ذرا میرے ساتھ آؤ۔" اس نے مجھے اشارہ کیا اور کمرے کے آخری سرے پر پہنچ گیا..... پھر اس نے لکڑی کی پٹی پر کھڑے ہو کر روشن دان پر چڑھی ہوئی آہنی پلیٹ ایک طرف سرکائی، اندر ہاتھ ڈالا اور چند لمحے تک انگلیوں کو حرکت دیتا رہا، پھر نیچے اتر کر اس نے مجھے اشارہ کیا اور میں پٹی پر چڑھ کر اس سوراخ سے باہر جھانکنے لگا، اس طرف کیمپ کا عقبی میدان تھا..... دوسرے لمحے میری آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں..... میدان میں ایک لمبے گڑھے کے کنارے تقریباً تیس آدمی کھڑے تھے..... ان میں سے کچھ نے سینے تان رکھے تھے اور کچھ موت کے خوف سے ادھ مرے ہو رہے تھے..... ان کے پیچھے ہندو سپاہی کھڑے ہوئے تھے..... میں نے ان لوگوں کو غور سے دیکھا اور پھر سلام علی کی طرف دیکھا تو سلام علی نے غم آلود لہجے میں کہا۔

"یہ مادر وطن کشمیر کے وہ جاں فروش ہیں جنہوں نے ہندو طاقتوں کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا ہے اور موت کو زندگی پر ترجیح دی ہے..... یہ اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہتے..... ہم آزادی کشمیر کے حامی ہیں اور تم بھی سن لو، دنیا کو تو سنا دیا، ہے کہ آخر کار ہندو کو پیچھے ہٹنا پڑے گا..... کشمیر ہمارا ہے..... کشمیر، کشمیریوں کا ہے..... ہندوؤں کا نہیں۔" سلام علی جوش کے عالم میں کہہ رہا تھا، باقی لوگ بھی کھڑے ہو گئے تھے میں باہر جھانک رہا تھا، اچانک ہی ہندو سپاہیوں نے اپنے افسر کا اشارہ پا کر رائفلیں تان لیں اور اس وقت تک فائرنگ کرنے لگے جب تک کہ آخری قیدی بھی خون میں نہاتا ہوا گڑھے میں نہ گر گیا..... میں اپنے بدن کی کپکپاہٹوں کو نہیں روک سکا تھا، چند ہی سیکنڈ کے بعد کچھ اور قیدی وہاں پہنچ گئے..... میں تو یہ سمجھا تھا کہ ان کے بعد ان کی باری ہے، لیکن ان کے ہاتھوں میں بیلچے اور پھاوڑے نظر آرہے تھے..... انہیں یہ گڑھا بند کرنے کے لئے بلایا گیا تھا..... اس سے پہلے سب کو آفیسر کے سامنے جھکنے کا حکم دیا گیا، تقریباً تمام ہی قیدی جھک گئے تھے..... صرف ایک قیدی نے حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کر دیا تو آفیسر نے اسے ٹھوکریں مار مار کر لہولہان کر دیا اور

اس کے بعد اسے گڑھے میں دھکیل دیا...... پھر میں نے یہ دلدوز منظر دیکھا کہ لاشوں کے
ساتھ اس زندہ انسان کو بھی زمین میں دفن کر دیا گیا...... میرے عقب میں سلام علی کھڑا ہو
تھا......اس نے روندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ لوگ خوش نصیب ہیں جو وطن کی آزادی کے لئے جان دے رہے ہیں، ہندواں
سے خوفزدہ ہے، وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ان کے کروفر کیا ہیں، چنانچہ وہ انہیں اپنے سامنے
جھکاتے ہیں...... میں نے اس شخص کو پہچان لیا جس نے مجھ سے بھی جھکنے کے لئے کہا تھا......
یہی وہ آفیسر تھا جس کے سامنے میں نے جھکنے سے انکار کر دیا تھا۔"

"یہ کون ہے؟"

"یہ میجر کامتی کا خاص آدمی بھیم سنگھ ہے، اسے بے شمار اختیارات دیئے گئے
ہیں......اصل میں کشمیریوں پر مظالم کے لئے تو ایک سپاہی کو بھی جنرل بنا دیا گیا ہے۔" میر
نے دل میں عہد کیا کہ اگر مجھے موقع ملا تو میں ان سے بھی زیادہ درندگی کروں گا......
زندگی کا مقصد بدلتا جا رہا تھا کہ میرے ساتھ تو کچھ بھی نہیں ہوا...... ایک معمولی سا آدمی
ہوں، جو حالات کا شکار ہو کر یہاں تک آ گیا ہوں لیکن شاید قدرت مجھ سے کوئی کام لی
چاہتی ہے...... نجانے کیوں مجھے یقین ہو گیا تھا کہ آخر کار میں اس قید سے رہائی پا جاؤں گا
لیکن رہائی پانے کے بعد مجھے زندگی کا ایک مقصد مل گیا تھا، یعنی یہ کہ کشمیریوں کی اس
جدوجہد میں ان ظالم درندوں کے خلاف میں بھی بساط بھر کام کروں گا...... بہر حال وقت
گزر گیا، جو منظر میں نے دیکھا تھا اس نے نیند اُڑا دی تھی...... ویسے بھی ان آہوں بھر
کوٹھڑیوں میں گہری نیند بھلا کہاں سے آ سکتی تھی......دوسرے دن ہم سب کو طلب کیا گیا
اور مسلح سپاہی ہمیں دروازوں سے باہر نکالتے گئے...... ایک ایک کر کے ہم لوگ باہر نکل
رہے تھے...... مختلف ہال اور کمروں سے نکلتے ہوئے آخر کار ہم میدان میں پہنچ گئے، جہاں
پہلے سے انڈین سپاہی کھڑے ہوئے تھے...... حاضری کے بعد کرنل نے ایک لمبی چوڑی
تقریر جھاڑی، اس نے کہا۔

"یہ تو صدیوں کی بات ہے کشمیر ہمارا اٹوٹ انگ ہے...... ہم لوگ مل کر ساتھ ساتھ
ہتے ہیں، لیکن آج پاکستان نے کشمیر کا کھیل کھڑا کر کے اور کشمیریوں کو جنگ کے لئے بھڑکا
ر ان پر زندگی تنگ کر دی ہے...... تم لوگ دیکھ رہے ہو کہ پاکستان کی ان کوششوں کا کیا نتیجہ
کل رہا ہے...... نقصان تمہیں ہو رہا ہے، اپنے خیالات کو بدلو، وہ نجانے کیا کیا کب کب کہتا رہا
یکن میری نگاہیں میجر کامتی کو تلاش کر رہی ہیں، وہ عورت جس نے نجانے اس رات کو
یوں مجھے اپنے کمرے میں بلایا تھا اور اپنے بدن کا مظاہرہ کیا تھا، پھر میں نے میجر کامتی کو دیکھا،
وہ اس طرف آ رہی تھی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ قریب پہنچ گئی...... مختلف لوگوں کا جائزہ
لیتے ہوئے وہ میرے پاس سے گزری، اس کے ہاتھ میں ایک کوڑا دبا ہوا تھا، مجھے دیکھ کر اس
کی آنکھیں جلنے لگیں اور پھر اچانک ہی اس نے کوڑا پوری قوت سے میرے بدن پر مارا......
میرے لئے یہ عمل غیر متوقع تھا...... میرے منہ سے سی کی آواز نکل گئی...... بہر حال میں
خاموش ہو گیا، لیکن ایک چکر لگانے کے بعد میجر کامتی میرے پاس پھر پہنچ گئی۔

"تم آگے آؤ۔" اس نے اشارہ کیا اور سلام علی اور دوسرے لوگ رحم آلود نگاہوں
سے مجھے دیکھنے لگے...... میجر کامتی مجھے تھوڑے فاصلے پر لے گئی اور سیدھی کھڑی ہو گئی......
میرے بدن پر جہاں کوڑا لگا تھا وہاں خون رسنے لگا تھا...... میجر کامتی کو دیکھ کر میری آنکھوں
میں بھی خون اترتا آ رہا تھا۔

"کیا سمجھتا ہے تو اپنے آپ کو۔"

"آپ کے سامنے میں کیا حیثیت رکھتا ہوں میجر۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں...... معصوم بنتا ہے، ایک عورت کے جذبات کو نہیں سمجھ سکتا...... میں نے
تیری خوش بختی کو آواز دی تھی...... اس رات میں نے تجھے اپنی بیرک میں بلایا تھا...... اگر تو
آ جاتا میرا مطلب ہے کہ جو کچھ میں چاہتی تھی، وہ تیرے ذریعے عمل میں آتا تو جانتا ہے میں
کیا کرتی...... میں تجھے اپنے پاس خدمت گار کے طور پر رکھ لیتی اور تو عیش کرتا...... پھر یہ بھی
ہو سکتا تھا کہ کسی مناسب موقع پر میں تجھے رہا بھی کر دیتی...... بہت سے طریقے ہو سکتے تھے

تیری رہائی کے...... یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہم تجھے کسی ایسے کیمپ پر لے جاتے، جہاں کوئی کام ہو رہا ہوتا...... وہاں سے میں تجھے اپنی جیپ میں لے جاتی، پاکستانی سرحد کے پاس چھوڑ دیتی...... یہ سب کچھ ہو سکتا تھا لیکن تو نے اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھا...... کتے! بڑے بڑے میرے پیروں کے تلوے چاٹتے ہیں...... جھک جا میرے سامنے، سمجھ رہا ہے نا...... تیرے غرور کو میرے سامنے جھکنا ہی چاہئے۔“ اس نے کوڑا کھول لیا، لیکن جو کچھ وہ کہہ رہی تھی اس کا تھوڑا بہت مفہوم میری سمجھ میں آ چکا تھا...... اس نے غرائی ہوئی آواز میں کوڑا میری کمر پر مارتے ہوئے کہا۔

”میں کہتی ہوں جھک جا میرے سامنے۔“

”کتیا! ایک عورت ہو کر تو مجھے اپنے سامنے جھکا رہی ہے۔“ میں نے خونخوار لہجے میں کہا! میجر کامتی کچھ دیر کے لئے حیرت زدہ رہ گئی...... اس کے چہرے کی رنگت ایک دم بدل گئی...... کسی قیدی سے اسے اس جواب کی توقع ہرگز نہیں تھی...... اس نے ہاتھ گھما کر کوڑے کو حرکت دی تو میں پھرتی سے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا...... وار روکنے کے لئے میں نے ہاتھ آگے کر دیا اور کوڑا میرے بازو سے لپٹ گیا...... اس کے بعد میں نے فوراً کوڑے کو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا تو میجر کامتی لڑکھڑا کر منہ کے بل میرے سامنے گری...... میں نے جھٹکے سے کوڑا اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور خونخوار لہجے میں بولا۔

”اب تو بھی ذرا اس کا مزہ چکھ لے کتیا!“ میں نے اچانک ہی اس پر کوڑوں کی بارش شروع کر دی اور دوسرے لمحے چاروں طرف سے محافظ میری جانب دوڑ پڑے...... میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں، لیکن میں جانتا تھا کہ فرار کا تصور حماقت ہے...... یہ لوگ مجھ پر گولیوں کی بارش کر دیں گے اور میرا پورا بدن چھلنی ہو جائے گا...... ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ چاروں طرف سے محافظ مجھ پر جھپٹ پڑے...... ان میں سب سے آگے بھیم سنگھ تھا، ان محافظوں نے مجھے زمین پر گرایا اور بھیم سنگھ نے مجھ پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش شروع کر دی...... دوسرے محافظ بھی اس کا ساتھ دے رہے تھے...... انہوں نے مجھے مار مار

ادھ مرا کر دیا...... پھر دو محافظوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کر دیا...... بھیم سنگھ نے رائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تم نے میجر کامتی پر حملہ کیا تھا کتے۔“ اس کے ساتھ ہی اس نے میرے منہ پر زور ار گھونسا رسید کر دیا...... میرا ہونٹ پھٹ گیا اور خون کی دھار بہہ نکلی...... میں نے شدت دش میں خود کو چھڑانے کی کوشش کی، لیکن دونوں محافظوں نے مجھے شکنجے کی طرح پکڑا ہوا غا...... بھیم سنگھ کا دوسرا گھونسا میرے پیٹ پر لگا اور میں درد سے بلبلاتا ہوا دوہرا ہو گیا...... وہ ہنونی انداز میں مجھ پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کرتا رہا تھا اور میری آنکھوں کے سامنے تاریکی کی چادر پھیلنے لگی تھی...... مجھ میں اب کھڑے رہنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔

”ٹھیک ہے بھیم سنگھ! اب اسے سپیشل روم میں لے جاؤ۔“ میجر کامتی کی آواز اُبھری۔

”یس میجر۔“ بھیم سنگھ نے ہاتھ روک دیا...... میرا خوابیدہ ذہن چونک پڑا اور میں ڈوبتے ہوئے ذہن سے سوچنے لگا کہ میرے اس عمل کا انجام یہی ہونا تھا، بہر حال اس کے بعد وہ لوگ مجھے کھینچتے ہوئے کمرے میں لے گئے، جس میں فرنیچر نام کی صرف ایک میز اور ایک کرسی پڑی ہوئی تھی...... کمرے میں میرے علاوہ چار آدمی اور تھے، دو محافظ ایک بھیم سنگھ، ایک آدمی سویلین لباس میں تھا۔

”بہت پر جوش ہو نوجوان! تمہارے بارے میں رپورٹ حاصل کی جا رہی ہے...... اس کے بعد تم سے ذرا دو دو ہاتھ ہوں گے...... میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایک پاکستانی جاسوس ہونے کی حیثیت سے تمہیں دوسروں سے الگ حیثیت حاصل ہے، ہمارے پاس تمہارے بارے میں تفصیلات نہیں ہیں لیکن صرف یہ بتایا گیا ہے ہمیں کہ تم پاکستانی جاسوس ہو اور تمہارا تعلق براہ راست کشمیر سے نہیں ہے...... ایسے لوگ ہمارے لئے بہت کارآمد ہوتے ہیں...... ہم چاہتے ہیں کہ کسی مناسب موقع پر تمہارا تبادلہ کر دیا جائے، یعنی تمہارے ذریعے ہمارے کچھ قیدی رہا ہو سکیں...... تم نے اپنی حیثیت تو بتائی نہیں لیکن ہم تمہارے

بارے میں معلومات حاصل کر رہے ہیں، جو بہر طور ہمیں حاصل ہو جائے گی، فی الحال میں صرف تمہیں اتنا بتانا چاہتا ہوں جو تم نے آرمی کی آفیسر پر حملہ کیا ہے، جس کی کم سے کم سزا موت ہے، لیکن تم کیونکہ یہاں نئے ہو اس لئے تمہیں سزا دینے کے بجائے تمہیں ایک ایسا سبق دیا جائے گا کہ آئندہ کے لئے یاد رکھو...... سویلین نے یہ الفاظ کہے اور اپنی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالنے لگا...... پھر اس نے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا اور اسی وقت میجر کامتی اندر داخل ہو گئی...... اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھا...... تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔

''اور تم جو کچھ بھی ہو اس کا پتہ چلنے کے بعد تمہیں ایسی سزا دی جائے گی کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گے...... اگر تمہیں اپنے حسن، جوانی پر ناز ہے تو ہم سب سے پہلے تمہیں تمہاری مردانگی سے بے نیاز کر دیں گے، کیا سمجھے۔'' پھر اس نے بھیم سنگھ کی طرف رُخ کر کے کہا۔

''بھیم سنگھ اسے تمہاری تحویل میں دیا جاتا ہے...... سیکشن ڈی اس کے لئے بہت مناسب ہو گا...... ابتدائی سبق کے بعد اسے ایک ہفتے کے اندر اندر میرے سامنے دوبارہ پیش کیا جائے۔''

''یس میجر۔'' بھیم سنگھ نے گردن ہلا دی اور کامتی واپسی کے لئے مڑ گئی...... دروازے کے پاس رُک کر اس نے کہا۔

''اور سنو! اسے مرنا نہیں چاہئے، اس بات کا خاص خیال رکھنا۔''

''یس میجر۔'' بھیم سنگھ نے جواب دیا اور پھر میجر کامتی باہر نکل گئی...... دوسرے چند افراد اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے...... بھیم سنگھ ایک لمحے کے لئے باہر گیا، واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سائیکل کی ایک چین دبی ہوئی تھی، جسے وہ خاص طریقے سے لٹکائے ہوئے تھا...... سائیکل کی چین دیکھ کر میرے چہرے پر تکلیف کے آثار اُبھر آئے...... مجھے یہ سمجھ میں دیر نہ لگی کہ اب بھیم سنگھ میرے لئے کوئی عمل کرنے کو تیار ہے...... اچانک ہی اس

کا ہاتھ حرکت میں آیا اور سائیکل کی چین ہوا میں محراب سی بناتی ہوئی میرے کندھے پر لگی، میں تکلیف سے دوہرا ہو گیا...... دوسری مرتبہ چین میری پسلیوں پر لگی اور گوشت کے اندر اتر گئی...... ایک دم ہی خون کی چادر میرے پورے بدن پر رینگنے لگی تھی...... میں نے چیخ روکنے کے لئے دانت بھینچ لئے، ابھی میں سنبھل بھی نہیں سکا تھا کہ چین کا تیسرا وار میری ران پر پڑا اور اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں رہا کہ...... آہ...... یہ چین کی ضربیں بدن کے کون کون سے حصے پر پڑی تھیں...... میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔

اس کے بعد مجھے ڈی سیکشن میں ہی ہوش آیا تھا...... ڈی سیکشن میں تمام قیدی کشمیر
مسلمان تھے...... انہیں اتنا تکلیفوں میں رکھا گیا تھا کہ خود ان کی کیفیت بھی غیر انسانی ہو
تھی...... انہیں دن میں صرف ایک مرتبہ خوراک کے نام پر بدبودار دال دی جاتی تھی،
دال میں کبھی کبھی سوکھی ہوئی روٹی کا کوئی ٹکڑا بھی آجاتا تو اسے خوش قسمتی سمجھا جاتا
دال کے اس پانی کے علاوہ دن میں دو مرتبہ پانی بھی دیا جاتا تھا...... سب سے زیادہ تکلیف
بات یہ تھی کہ یہاں اس سیکشن میں کشمیری عورتیں بچے اور بوڑھے بھی تھے...... عورتیں
وقت آنسو بہاتی رہتی تھیں...... نوجوان عورتیں اپنے بدن کو چھپانے کے لئے بس آنکھو
پردہ ہی رکھتی تھیں...... ان میں سے ہر ایک چیخ چیخ کر اپنی موت کی دعا ہی مانگتا تھا کہ اسے
ظلم سے نجات تو ملے...... درحقیقت یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں انسان کو اپنے ذہن پر
پانے کے لئے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا...... مجھے اس سیکشن میں آئے ہوئے دو
گزر چکے تھے اور ان دو دنوں میں میں نے ایسے ایسے عبرت ناک مناظر دیکھے تھے کہ م
روح تک لرز گئی تھی...... کشمیریوں پر ہندوستانی حکمرانوں کے مظالم کی داستانیں ص
اخبارات یا ٹی وی رپورٹ سے ہی پتہ چل سکی تھی، لیکن اب میں اپنی آنکھوں سے وہ
مناظر دیکھ رہا تھا، جو بڑی انوکھی حیثیت کے حامل تھے...... بہر حال یہ سب کچھ ہو رہا تھا، ق
آتے جاتے رہتے تھے...... ایک دن ایک بوڑھا کشمیری یہاں لایا گیا، لمبی سفید داڑھی، د

جیسا سفید رنگ، حلقوں میں دھنسی ہوئی آنکھیں...... اس نے اندر آنے کے بعد بڑی عجیب
سی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا تھا اور پھر اس کی نظریں مجھ پر آکر لگ گئی تھیں......
یہاں ہم پر پوری طرح نگاہ رکھی جاتی تھی، لیکن رات کے اس پہر جب تمام قیدی سونے کے
لئے لیٹ گئے تھے، وہ بزرگ قیدی میرے پاس آیا اور اس نے اپنے سینے کے پاس سے ایک
کاغذ کا ٹکڑا نکال کر میرے ہاتھ میں تھمادیا...... میں حیران رہ گیا تھا، کاغذ کے اس ٹکڑے کو
میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ روشنی میں رکھا اور پھر اسے پڑھنے لگا...... یہ پیغام سلام علی کی
طرف سے تھا...... تحریر بڑی ٹیڑھی میڑھی تھی...... جیسے بڑی مشکل سے اسے لکھا گیا ہو،
لیکن بہر طور میں نے اسے پڑھ لیا، لکھا تھا۔

"عزیز دوست! انہیں اپنے آپ پر تشدد کرنے کا موقع نہ دو...... انہیں یقین دلا دو کہ
تم ذہنی اور جسمانی طور پر مر چکے ہو...... میجر کامتی اگر دوبارہ تم سے رابطہ قائم کرے تو اسے
کسی بھی شکل میں مطمئن کرنے کی کوشش کرو...... ہم بہر طور کچھ کر رہے ہیں اور جو کچھ ہم
کریں گے اس میں تم شریک رہو گے، میں نے یہ تحریر کئی بار پڑھی...... واقعی ایک اچھا مشورہ
تھا...... سلام علی ویسے ہی ایک بہترین انسان نظر آیا تھا...... پھر اس کے بعد وہ کشمیری مسلمان
تھا، ایسی شکل میں، میں اگر اسے ایک عظیم محسن اور رہنما نہ سمجھتا تو یہ میری غلطی تھی......
اس کا یہ مشورہ بھی بالکل درست تھا کہ مجھے اپنے آپ کو تشدد سے بچانا چاہئے...... اب تک جو
میں جذباتی گفتگو کرتا رہا تھا، وہ ایک الگ حیثیت رکھتی تھی...... رات کو بہر حال وہ بزرگ
میرے پاس ہی زمین پر لیٹ گیا اور اس نے مجھ سے کہا۔

"چونکہ تم پاکستانی ہو اور تمہارا تعلق براہ راست کشمیر سے نہیں ہے...... میں تم سے
تمہارے بارے میں اور کچھ نہیں پوچھوں گا، لیکن بہر حال اتنا جانتا ہوں کہ تم یقیناً ہمارے
مقاصد سے ہمدردی کی بنا پر ان لوگوں کے درمیان آپھنسے ہو گے...... ہم پر فرض ہے کہ ہم
تمہاری مدد کریں...... تم یوں کرو کے اطمینان کے ساتھ یہاں اپنا وقت گزارو اور اپنے آپ
کو جسمانی طور پر درست رکھو...... یہی ایک صورت ہے کہ ہم تمہیں زندہ سلامت یہاں سے

نکال لے جاسکیں اور بے فکر رہو...... یہاں بہت کچھ ہو رہا ہے...... ادھر یہ لوگ ہم پر مظالم
کے پہاڑ توڑ رہے ہیں تو دوسری طرف ہم بھی کچھ نہ کچھ کر ہی رہے ہیں۔" میں نے خاموشی
اختیار کئے رکھی تھی...... سرگوشی کے جواب میں سرگوشی سے جواب دیا جاسکتا تھا، لیکن جیسا
کہ سلام علی نے مجھے بتایا تھا کہ یہاں سوئی گرنے کی آواز بھی سنی جاسکتی ہے، چنانچہ میں
خاموش ہو گیا...... پھر بزرگ نے آہستہ سے کہا۔

"اگر تم سلام علی کے بارے میں تفصیل جانتے ہو تو تمہیں یہ بات معلوم ہو گی کہ یہ
ہندوستانی کیمپ کی دیواریں سلام علی کا راستہ نہیں روک سکتی تھیں، لیکن یہ اس کی بد قسمتی
تھی کہ وہ کئی بار پکڑا گیا تھا...... بہرحال وہ ایک خوب صورت منصوبہ بنا رہا ہے...... یہاں
چونکہ حفاظتی انتظامات اتنے سخت ہیں کہ بلا سوچے سمجھے کوئی قدم اٹھانا موت کو دعوت دینے
کے مترادف ہے...... خاردار تاریں جن میں ہر وقت برقی رو دوڑتی رہتی ہے...... چوکس
محافظ اور ان کے خوفناک کتے، واچ ٹاور پر نصب مشین گنیں جن پر محافظ متعین ہیں اور ان
کی نگاہوں سے بچنا محال ہے...... دیواروں پر نصب فلش لائٹیں جن کی تیز روشنی رات
بھی دن میں بدل دیتی ہیں...... سمجھ رہے ہو ناں...... اس لئے خیال رکھنا بس اب میں خاموش
ہو جاتا ہوں۔" کشمیری بزرگ پتا نہیں کس طرح یہاں تک پہنچا تھا، اسی طرح وہ واپس بھی
چلا گیا، غالباً اس نے کوئی ایسا طریقہ کار اختیار کر لیا تھا جس کی مدد سے وہ یہاں سے نکل سکتا تھا
اور واپس آسکتا تھا...... پھر وقت گزرتا رہا اور صورت حال کسی ایسی شکل میں تبدیل نہ ہوئی جو
پریشان کن ہوتی، لیکن اب میرے ذہن میں فرار کے منصوبے تیزی سے آنے لگے...... میں
نے اخبارات وغیرہ میں پڑھا تھا کہ جہاں ہندوستانی فوجی کشمیریوں پر قابو پانے کے لئے اپنی
قوت اور اپنی ذہانت صرف کئے ہوئے ہیں، وہیں کشمیری مجاہدوں نے بھی ان لوگوں کو زندگی
کے عذاب میں گرفتار کر رکھا ہے اور ان کے درمیان سے نکل گئے ہیں...... پھر اس دن کسی
نے اچانک ہی مجھ سے پوچھا۔

"کیا تم پاکستانی ہو؟" میں یہ آواز سن کر چونک پڑا اور میں نے گھوم کر دیکھا سامنے ایک

ایسا آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کے بدن پر چیتھڑے جھول رہے تھے...... بدن اس قدر کمزور تھا کہ
اس کی ایک ایک ہڈی صاف نظر آرہی تھی...... میں نے اسے بغور دیکھا پھر کہا۔

"میرا تعلق پاکستان سے ہی ہے، لیکن تم کون ہو؟"

"فرانسس ہے میرا نام...... ویسے عیسائی ہوں...... دہلی میں میرا خاندان برسوں سے
رہتا چلا آیا تھا...... پھر میں الہ آباد یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے چلا گیا...... میرا خاندان
وہیں تھا اور میں الہ آباد میں رہتا تھا، بعد میں مجھے کچھ معلومات حاصل ہوئیں...... یہ معلومات
میرے اپنے اہل خاندان سے متعلق تھیں، ان معلومات کو سن کر میں واپس دہلی آیا تو مجھے پتہ
چلا کہ میرے گھر پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے اور مجھے اس کا پتہ بھی نہیں چل سکا۔" وہ نفرت
بھرے انداز میں بولا۔" پھر کہنے لگا۔

"میں واپس آیا تو مجھے یہاں آکر پتہ چلا کہ میری بہن کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا
گیا ہے، اس کا جرم صرف اتنا تھا کہ اس نے ایک کشمیری خاندان سے ہمدردی کی تھی...... جیسے
ہی میں یہاں پہنچا، مجھے گرفتار کر لیا گیا اور ساری تفصیل مجھے بتائی گئی، جس کشمیری خاندان
سے میری بہن کا اتفاقیہ طور پر تعلق ہو گیا تھا...... اس میں ایک لڑکا ڈاکٹر تھا اور اس ڈاکٹر سے
میری بہن کی کچھ دلچسپی پیدا ہو گئی تھی، بعد میں اس کشمیری خاندان کو گرفتار کر کے یا تو ہلاک
کر دیا گیا یا گم کر دیا گیا، لیکن وہیں سے میری بہن کے اور میرے خاندان کے بارے میں
معلومات ملیں تو ان لوگوں نے میری بہن کو بھی اغوا کر لیا یا گرفتار کر لیا، پھر اس خاندان کے
بارے میں معلومات حاصل کرتے ہوئے اسے اذیتیں دے کر ہلاک کر دیا گیا اور اس کے بعد
وہ لوگ مجھ پر تشدد کرنے لگے...... وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ اس خاندان سے تمہارا کیا تعلق
ہے، حالانکہ میرے تو فرشتوں کو بھی اس کے بارے میں معلومات نہیں تھیں، لیکن ہندو
ذہنیت کو تم جانتے ہو...... انہوں نے اس پر یقین نہیں کیا اور اس کے بعد سے اب تک میں
ان کی قید میں اذیتیں برداشت کر رہا ہوں...... مجھے مختلف جیلوں اور کیمپوں میں رکھا گیا اور
ایک بار میں ان کا تشدد برداشت نہیں کر سکا اور میں نے ان کے ایک کیپٹن کو ہلاک کر دیا......

"وہ اتنا کمینہ انسان تھا کہ اس کی جان لیتے ہوئے مجھے کوئی دُکھ نہیں ہوا۔"

"کیا انہیں اس بات کا علم تھا۔"

"کیسے۔"

"میرا مطلب ہے اس کیپٹن کے گروپ کو۔"

"نہیں...... انہیں صرف شبہ ہو گیا تھا، کیونکہ میں نے کسی کے سامنے یہ قدم اٹھایا تھا۔"

"پھر۔"

"مجھ پر اذیتیں کی گئیں اور میرا ایک ہاتھ کاٹ دیا گیا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا سیدھا ہاتھ سامنے کر دیا اور میں نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ پنجے سے کٹا ہوا ہے، وہ کہنے لگا۔

"اب مجھے سیکشن ڈی میں بھیج دیا گیا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ میری زندگی اب روز سے زیادہ نہیں ہے...... اس کے بعد میرا وجود ختم ہو جائے گا۔"

"لیکن۔" میں نے کہا تو وہ جلدی سے بولا۔

"نہیں...... مجھے اپنی موت کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔"

"کیا ڈی سیکشن کی حیثیت کال کوٹھڑی کی ہے۔" میں نے سوال کیا تو اس نے ہاں میں گردن ہلا دی...... پھر جلدی سے بولا۔

"لیکن میرا خیال ہے وہ تمہیں قتل نہیں کریں گے...... تم کیونکہ کشمیری نہیں ہو پاکستانی ہو، ہو سکتا ہے وہ تم سے کوئی دوسرے مفادات حاصل کرنا چاہیں...... پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر سرگوشی کے لہجے میں کہا۔"

"کیا تم نے یہاں سے فرار کے بارے میں کبھی سوچا ہے۔" میں ایک لمحے کے لئے چونک گیا، میں نے اس کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

"کیوں تمہارے ذہن میں یہ سوال کیوں آیا۔"

"میں جانتا ہوں کہ یہاں جتنے افراد موجود ہیں ان میں سے سب ہی نے کبھی نہ کبھی

کے بارے میں ضرور سوچا ہو گا...... یہ کشمیری نوجوان مجھ پر بھروسہ نہیں کر سکتے...... اگر میں ان سے کچھ کہوں تو وہ یہی سمجھیں گے کہ شاید ان کے ساتھ کوئی چال بازی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، لیکن نجانے کیوں مجھے یقین ہے کہ تم ایسی کوئی بات نہیں سوچو گے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" میں نے اس پر غور کرتے ہوئے کہا نجانے کیوں ایک لمحے کے لئے مجھے یہ شبہ ہوا تھا کہ یہ عیسائی مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے، وہ چند لمحات خاموش رہا، پھر بولا۔

"سنو! جب تم دوبارہ اپنے بیرک میں جاؤ تو ایک شخص کو تلاش کرنے کی کوشش کرنا، اس کا نام ایم سن ہے، کیا ہے اس کا نام۔" میں کچھ نہ بولا تو اس نے پھر کہا۔

"ایم سن وہ بھی عیسائی ہے اور اس عمارت میں داخلی دروازے کے دوسرے کمرے میں ہے۔"

"اسے تلاش کرنے کے بعد مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"ایم سن فرار میں تمہاری مدد کر سکتا ہے...... کیمپ سے باہر اس کے کچھ رابطے ہیں۔" اس نے کہا اور میں پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا...... بہر حال اتنے بڑے مسئلے میں، میں کسی پر بھروسہ کرنے پر تیار نہیں تھا...... فرانسس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"ایک بات اور بھی ہے...... میں تمہیں بڑی رازداری سے بتا رہا ہوں...... یہاں پر ایک سٹور شیڈ ہے، اگر تمہیں اتفاق سے وہاں جانے کا موقع مل جائے تو کونے والے دروازے کے سامنے ایک اینٹ اُبھری ہوئی ہے...... وہاں تمہیں ایک ایسی چیز مل جائے گی جو یقیناً تمہارے لئے مددگار ثابت ہو گی۔" نجانے یہ شخص کیا کہہ رہا تھا، میں گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا...... میں اندازہ لگا رہا تھا کہ فرانسس میرے لئے کوئی جال تو تیار نہیں کر رہا، لیکن مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ انتقام کی آگ میں جل رہا ہے اور اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے...... ابھی ہمارے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ کچھ محافظ پانی کی بالٹیاں لئے ہال میں داخل ہوئے اور قیدی اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کر ان کی جانب جھپٹ پڑے، اس سے فائدہ اٹھا کر فرانسس

میرے پاس سے کھسک گیا...... ہندوستانی فوجی بھوکے پیاسے قیدیوں پر کوڑے برسا رہے
تھے اور انسانیت کی یہ ترجیح میرے لئے عبرت کا باعث تھی، ایسے ایسے مناظر دیکھنے کو مل
رہے تھے جن کے بارے میں خواب میں بھی نہ سوچا جاسکے...... ہندوستانی فوجی ان بھوکے
لوگوں سے مذاق کر رہے تھے...... ایک فوجی نے خشک روٹی کا ٹکڑا جیب سے نکال کر دور
پھینک دیا تو قیدی بری طرح اس کی جانب بڑھے اور ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی
کوشش کرنے لگے...... ایک قیدی نے روٹی کا وہ ٹکڑا حاصل کرلیا اور ایک طرف دوڑ کر اسے
منہ میں ڈال کر چبانے لگا تو ایک ہندو فوجی نے اس کے قریب پہنچ کر اسے نیچے گرادیا اور اس
کے منہ پر جوتے سے ٹھوکریں مارنے لگا، لیکن قیدی کا چہرہ لہولہان ہوگیا تھا، مگر وہ روٹی کا ٹکڑا
چباتا رہا...... محافظ جیسے ہی وہاں سے ہٹا ایک اور قیدی نے زخمی کو چھاپ لیا اور وہ زخمی کے منہ
میں انگلیاں ڈال کر روٹی کا ٹکڑا نکالنے کی کوشش کرنے لگا...... ہندو فوجی یہ دیکھ کر قہقہے
لگانے لگے...... بہرحال اس ہنگامہ آرائی میں کئی قیدی زخمی ہوگئے تھے اور ایک آدھ کا بازو
بھی ٹوٹ گیا تھا...... میں نے فرانسس کے لئے نگاہیں دوڑائیں تو وہ کمرے کے ایک کونے
میں لیٹا ہوا تھا...... بہرحال زندگی کے یہ اذیت ناک لمحات میرے ذہن پر منجمد ہوگئے تھے اور
نجانے کیوں مجھے یہ یقین ہوگیا تھا کہ یہاں سے زندہ نکلنا شاید ممکن نہیں ہے، حالانکہ لاکھ
کوشش کرتا کہ اپنے ذہن کو ہر طرح کے تکلیف دہ خیالات سے آزاد رکھوں لیکن وہ جو کہہ
دیتے ہیں کہ فکرمت کرو یہ نہ کرو، وہ نہ کرو...... انسان بہت کوشش کرتا ہے کہ نصیحت
کرنے والوں کی ہدایت پر عمل کرے لیکن اندر کا انسان ان نصیحتوں کو نہیں مانتا...... میں خود
اپنے آپ کو تسلیاں دیتا تھا...... سمجھاتا تھا اور کہتا تھا کہ آخرکار ان مصائب کا کوئی نہ کوئی حل
ہوگا...... یہ مصیبت کی زندگی ختم ہوجائے گی، لیکن اپنے اس خیال پر خود ہنسی آتی تھی
کیسے ختم ہوجائے گی، آخر کیا ذریعہ ہوگا، میں تو بالکل ہی بے گناہ انسان تھا...... میرا تعلق
اس قسم کے کسی مسئلے سے نہیں تھا...... تقدیر نے اس طرح یہاں لا پھنسایا، مختلف قسم کے
قیدی موجود تھے...... یہ صرف کشمیریوں پر مظالم کا کیمپ نہیں تھا بلکہ اس قید خانے میں

طرح کے قیدی لاکر رکھے گئے تھے اور یہاں موجود محافظ صرف انسانیت سوز مظالم کرنا ہی
زندگی کا بہترین مشغلہ سمجھتے تھے...... تعجب ہوتا تھا ان لوگوں پر جو بالکل انسانی شکلیں رکھتے
تھے، لیکن ان کے عمل ایسے غیر انسانی ہوتے تھے کہ اگر کبھی صرف سنا جائے تو یقین نہ
آئے۔ کشمیریوں پر انہوں نے جو مظالم توڑ رکھے تھے وہ ناقابل تصور تھے، ایسے ایسے مناظر
دیکھنے کو ملتے کہ دل کانپ کانپ اُٹھتا تھا اور یہ دل چاہتا تھا کہ یہ مظالم دیکھنے کے لئے بینائی
ساتھ چھوڑدے، سماعت ساتھ چھوڑدے، نہ دیکھا جائے، نہ سنا جائے، ہر احساس مر جائے
تاکہ بار بار اس کی موت واقع نہ ہو، لیکن دل تو بہت کچھ چاہتا ہے...... کچھ ہو تب کی بات
ہے...... وقت گزرتا رہا، پھر ایک دن ایک کیپٹن کی سربراہی میں تقریباً ایک درجن فوجی اندر
داخل ہوئے...... کیپٹن کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا اور وہ اس کاغذ میں لکھے ہوئے نام پکار رہا
تھا...... ان میں زیادہ تر کشمیری جوان ہی تھے، لیکن آخری نام فرانسس کا بھی تھا...... ایک قیدی
نے اپنا نام پکارنے پر جواب نہیں دیا تو کیپٹن کے حکم پر محافظ قیدیوں پر گھونسے اور ٹھوکریں
برساتے ہوئے فوجی ایک ایک کے چہرے کا جائزہ لینے لگے اور آخرکار ایک قیدی کو ان سے
الگ کردیا جو بری طرح چیخ رہا تھا...... پھر ان تمام قیدیوں کو باہر لے جایا جانے لگا، ان سب کے
چہرے زرد تھے...... وہ سمجھ چکے تھے کہ یہ ان کی زندگی کے آخری لمحات ہیں...... قیدیوں کو
دوبارہ کبھی واپسی نصیب نہ ہوئی اور نہ ہی انہیں کہیں دیکھا...... فرانسس بھی انہی میں شامل
تھا...... پھر کئی دفعہ اس طرح کشمیری قیدیوں کو لے جایا گیا اور ان کی جگہ پر کرنے کے لئے
اس سیکشن میں کچھ اور آدمی پہنچا دیئے گئے...... میں صبر و سکون سے یہ سب کچھ دیکھ رہا
تھا...... واقعی درندگی کی ایسی اعلیٰ مثالیں کسے دیکھنے کو ملی ہوں گی جن میں ہم مظلوم زندگی بسر
کر رہے تھے...... اکثر میری آنکھیں بھیگ جاتی تھیں اور میں کہتا تھا کہ معبود کریم یہ سب
تیرے بندے ہیں، ان پر جو ستم ہو رہا ہے یہ تو بہتر سمجھتا ہے کہ تو نے انسانوں کو انسانوں کے
ساتھ یہ سلوک کرنے کا موقع کیسے دیا ہے...... اور کیوں دیا ہے، جہاں تک میری ذات کا
تعلق ہے، یقینی طور پر زندگی میں نجانے مجھ سے کیسے کیسے اور کتنے گناہ ہوئے ہوں گے، لیکن

ان گناہوں کا حساب تو نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیا ہے...... میں تو تیری رحمت کا منتظر ہوں...... بہر حال پھر ایک صبح میرا نمبر بھی آ گیا...... تین مسلح آدمی مجھے رائفلوں کی زد میں لے کر اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں میجر کامتی سے پہلی ملاقات ہوئی، اس وقت بھی وہ کم بخت عورت وہاں موجود تھی...... بھیم سنگھ کا کوئی پتہ نہیں تھا، اس عورت کی آنکھوں میں میرے لئے نفرت کے جو سائے نظر آتے تھے اب اتنے عرصے تک غور کرنے کے بعد اس کی وجہ میری سمجھ میں آ گئی تھی...... میری وجہ سے اس کی نسوانیت داغدار ہوئی تھی، اس پہلے دن جب اس نے مجھے اپنے کیبن میں بلایا تھا اور باریک لباس پہن کر میرے سامنے آئی تھی تو اس کے ارادوں میں کچھ اور ہی کیفیت تھی...... شاید اگر میں اسے قبول کر لیتا یا مصلحتاً اس کے لئے دیوانگی کا مظاہرہ کرتا تو میری تکلیفوں میں کچھ کمی آ جاتی، لیکن اب وہ جب بھی مجھے دیکھتی تھی اس کی آنکھوں میں اپنے پندارِ حسن کی توہین کا خیال نفرت بن کر چمکنے لگتا تھا...... اس وقت بھی اس نے اس انداز میں مجھے دیکھا...... محافظوں نے مجھے کامتی کے سامنے فرش پر گرا دیا...... بڑی مشکل سے میں لڑکھڑا کر اُٹھ کر کھڑا ہوا تھا، اس سلوک پر میرا خون کھول رہا تھا، لیکن فوراً ہی مجھے کچھ دوستوں کی نصیحتیں یاد آ گئیں اور میں نے اس کے سامنے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا...... میجر کامتی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔

بہت خوب...... اب تم کچھ راہ راست پر آ رہے ہو...... میرے دوست...... لیکن میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ تمہاری جسمانی کیفیت کچھ ختم ہوتی جا رہی ہے...... تم دونوں باہر جاؤ۔" اس نے محافظوں کو حکم دیا اور ایک محافظ وہیں کھڑا رہ گیا۔

"جاؤ...... دروازہ بند کر دو۔" اس نے محافظ سے کہا اور محافظ نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا تو میجر کامتی بولی۔

"اپنا پورا لباس اتار دو۔" میرے اندر ایک ہیجان برپا ہو گیا...... میں نے ہاتھ سیدھے کرتے ہوئے کہا۔

"میجر پلیز۔"

"ایک لفظ منہ سے نہ نکلے...... سمجھ رہے ہو نا تم، ایک لفظ منہ سے نہ نکلے۔"

"میجر پلیز۔" میں نے غمزدہ لہجے میں کہا، تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور میرے قریب آ گئی۔

"ہوں۔" اس نے اُوپر سے نیچے تک مجھے دیکھا...... پھر اچانک ہی ایک زوردار گھونسا میری گردن پر رسید کر دیا...... میں زمین پر گر پڑا تو وہ قہقہہ لگاتی ہوئی بولی۔

"گویا اب تمہارا جسم اس قدر طاقتور نہیں ہے...... جتنا پہلے دن تھا اور جس پر تم نے بہت گھمنڈ کیا تھا۔"

"نہیں...... میجر میں نے اس جسم پر گھمنڈ نہیں کیا تھا، بلکہ صرف آپ کا احترام کیا تھا۔"

"ہوں...... تم ایسا کرو اپنے جسم کو پھر اسی حیثیت میں واپس لاؤ اور اس کے بعد میں تمہیں طلب کروں گی...... سمجھ رہے ہو نا تم۔" میجر نے کھل کر اپنے دل کی بات کہہ دی...... اب میں اسے کیا کہتا، بہر حال اس وقت مجھے اس بے عزتی سے نجات مل گئی تھی جو میجر کرنے والی تھی...... میجر نے خاموش ہو کر محافظ کو اشارہ کیا اور اس نے دروازہ کھول کر بقیہ دو محافظوں کو بھی اندر بلا لیا...... پھر وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے باہر کی طرف لے چلے اور آخر کار مجھے اسی بیرک میں بھجوا دیا جس میں میں پہلے موجود تھا...... بہر حال یوں زندگی گزرتی رہی اور مختلف لوگوں سے قیدی ملاقاتیں ہوتی رہیں...... ان میں ایک شخص عرفان بھی تھا...... عرفان امین کی کہانی عجیب تھی، اس نے بیرون ملک ریڈیو انجینئرنگ کی بہترین تعلیم حاصل کی تھی اور اس کے بعد بہت سے نیک ارادے لے کر اپنے وطن آیا تھا، لیکن اس کے نیک ارادے مٹی میں مل گئے اور وہ مادرِ وطن کی آزادی کے لئے کشمیری جہاد میں شامل ہو گیا...... گرفتار کر کے اسے یہاں لے آیا گیا...... بہر حال وہ اپنے طور پر یہاں مصروف تھا...... اسے شدید اذیتیں دی گئی تھیں جس کے نتیجے میں اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی تھی اور دو انگلیاں بیکار ہو گئی تھیں...... اس کے علاوہ پورے جسم پر زخموں کے نشانات تھے...... بہر حال مجھ سے ملاقات ہونے پر اس نے کہا۔

"ویسے تو میں نہیں جانتا کہ ہمارا مستقبل کیا ہوگا، لیکن بہر حال مجھے ایسے کئی کشمیری

سیکشنوں کا علم ہے، جو باعمل ہیں اور ان میں سے ایک سیکشن ایسا بھی ہے جو صرف کشمیری قیدیوں کو رہائی دلانے کے لئے مصروف عمل رہتا ہے، ویسے میں تمہیں بتاؤں کہ سٹور شیڈ میں ایک پرانا اور ٹوٹا پھوٹا ریڈیو پڑا ہوا ہے، جس پر مکڑیوں نے جالا تان رکھا ہے...... اگر ہم وہ سیٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اسے یقیناً کارآمد بنا سکیں گے...... وہ الیکٹرک سیٹ ہے، ہم اپنے کمرے کے بلب کے ساکٹ سے تار ملا کر کام چلا سکتے ہیں۔"

"مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے ہمیں فائدہ کیا ہوگا؟"

"آہ...... ہم کشمیریوں کے اس سیکشن سے رابطہ قائم کر کے اپنی موجودہ پوزیشن کے بارے میں انہیں بتا سکتے ہیں اور یہاں کی ساری تفصیل ان کے حوالے کر سکتے ہیں...... وہ کیمپ پر حملہ کر کے ہمیں آزادی دلانے کی کوشش کریں گے۔" میں نے سنسنی خیز نگاہوں سے عرفان امین کو دیکھا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا دوست! زندگی کو لپک کر پکڑنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے، لیکن کوشش تو کی جاسکتی ہے اور کوششوں کے نتیجے بہتر ہی نکلتے ہیں۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ ریڈیو سیٹ حاصل کیسے کیا جائے۔"

ایک اور کشمیری نوجوان نے پر خیال انداز میں کہا۔

"اگر انہیں پتہ چل گیا تو وہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"اگر اسے کارآمد بنانے کی صلاحیت ہے تو سیٹ حاصل کرنے کا خطرہ میں مول لیتا ہوں۔" اس کشمیری جوان نے جواب دیا۔

"ٹھیک...... میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اسے کارآمد بنا لوں گا۔" کشمیری جوان جس نے اس سیٹ کو حاصل کرنے کا دعویٰ کیا تھا، اس کا نام رحمٰن تھا اور وہ بہت بہتر نظر آتا تھا...... پھر اس موضوع پر گفتگو ختم کر دی گئی، اسی وقت کہیں سے گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی اور ایک نئے دن کا آغاز ہو گیا...... بہر حال کچھ اور وقت گزرا، دوسرے دن ہلکی ہلکی گھٹن کا احساس ہو رہا تھا...... میں اٹھ کر دیوار کے قریب پہنچ گیا جہاں خفیہ سوراخ تھا، اس سوراخ سے میں

نے باہر جھانکا تو وہی ہولناک منظر سامنے آگیا...... گڑھے کے کنارے بہت سے کشمیری فوجی کھڑے ہوئے تھے اور کچھ ہی لمحوں کے بعد مشین گنوں کے دہانے کھل گئے اور ان سب کی اجتماعی قبریں بن گئیں...... بیلچہ بردار لاشوں کے پٹے ہوئے گڑھے کو مٹی سے بھرنے لگے...... میں سوراخ کے سامنے سے ہٹ گیا، آج کا دن خاصا طویل ہو رہا تھا...... وقت گزارے نہیں گزر رہا تھا...... دوسرے ہال اور اس کمرے کا درمیانی دروازہ مقفل تھا...... مجھے کہیں سے ایک کیل مل گئی اور میں وہ دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا...... مجھے فرانس کے الفاظ یاد آگئے...... فرانس مر چکا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا مجھے فرانس کی ہدایت کے مطابق وہ جگہ تلاش کرنی چاہئے جہاں مٹی کی وہ اینٹ اُبھری ہوئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہاں مجھے ایک کام کی چیز مل سکے گی...... شام کو جب اس کمرے کے دوسرے قیدی اپنے حصے کا راشن لے کر لڑکھڑاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے تو مجھے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ ان میں سلام علی اور رحمٰن وغیرہ نہیں ہیں...... میں نے دوسرے آدمی کی طرف دیکھا تو وہ بتانے لگا کہ ایک محافظ کے ساتھ بدتمیزی کرنے کے الزام میں سلام علی کو کسی اور جگہ رکھ دیا گیا ہے...... دو ایک روز میں وہ واپس آجائے گا...... میری نگاہیں رحمٰن کو تلاش کر رہی تھیں، وہ مجھے نظر آگیا اور کمرے کے ایک کونے میں پہنچ کر میں نے اسے قریب سے دیکھا...... رحمٰن نے واقعی کام دکھا دیا تھا...... وہ ایک ٹوٹا پھوٹا چھوٹا سا ریڈیو تھا، جو اس کے ہاتھوں میں نظر آرہا تھا۔

"میرے خدا! تم نے یہ کام کر دکھایا۔"

"ہاں...... مگر میرا خیال ہے کہ یہ چوری ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہے گی، ہو سکتا ہے محافظ کسی بھی وقت پہنچ جائیں...... جب تک لائٹ آف نہیں ہو جاتی اسے رہنے دو۔" رحمٰن نے جواب دیا...... اس دوران امین ریڈیو اس کے ہاتھ سے لے کر اس کے بیشتر نٹ بولٹ کھول چکا تھا...... اس نے ریڈیو کا ایک حصہ زمین میں چھپا دیا اور ہم نے چاروں طرف دیکھنے کے بعد اس پر اطمینان کا اظہار کیا...... بہر حال اس رات لائٹ آف ہونے کے بعد وہ

سیکشن مصروف ہو گیا، کہیں سے ماچس حاصل کر لی گئی تھی اور مدہم مدہم روشنی میں عرفان امین اپنا کام کرتا رہا، اسے یقین تھا کہ وہ اپنا کام مکمل کر لے گا..... بہر حال اب میرے ذہن میں ایک تصور تھا کہ فرانسس کی نشان کی ہوئی جگہ تک پہنچوں..... میرا خیال تھا کہ اگر وہ شہر کی طرف جائیں گے تو مجھے فرانسس کی ہدایت کے مطابق شیڈ کے دروازے کے سامنے اینٹ تلاش کرنے کا موقع مل جائے گا، لیکن آج کا دن ذرا مختلف رہا..... اس دن ہمیں ٹرکوں پر سے کوئلے اور آلوؤں کی بوریاں اتروانے کا کام سونپا گیا تھا..... یہ چیزیں مقامی ہندوؤں نے لئے آئی تھیں..... دوپہر کے وقت بھیم سنگھ بھی وہاں پہنچ گیا..... یہ بہت ہی خوفناک آدمی تھا، اس وقت بھی کوڑا اس کی گردن میں اٹکا ہوا تھا اور وہ میری جانب خاص طور سے گھور رہا تھا..... میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے گھورنے کی وجہ کیا ہے میں منتظر رہا کہ یہ کم بخت ضرور کوئی نہ کوئی عمل کرے گا، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس وقت وہ وہاں سے چلا گیا تھا..... شام کا اندھیرا پھیلنے لگا، کام ختم ہونے کی گھنٹی بجی اور پھر ہم لوگوں کو کھانا دیا گیا..... بیرک میں آتے ہی عرفان امین اپنے ریڈیو پر کام کرنا چاہتا تھا، لیکن کسی محافظ کی آمد کے خطرے کے پیش نظر میں نے اسے روک دیا، طے یہ پایا کہ لائٹ آف ہونے کے بعد اگر ریڈیو ٹھیک کرنے میں کامیاب ہو بھی گئے تو بجلی نہ ہونے کی وجہ سے اسے سن بھی نہیں سکیں گے..... بہر حال ہر قسم کے حالات کو ذہن میں رکھنا تھا، پھر رات ہو گئی اور بتیاں بند ہونے لگیں..... ہم لوگ اپنے کام میں مصروف ہو گئے، لیکن ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اچانک ہی ایک دھماکے کے ساتھ دروازہ کھلا اور بھیم سنگھ بے شمار محافظوں کے ساتھ اندر داخل ہوا..... اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی اور ایسا اندازہ ہوتا تھا جیسے اس کے علم میں ہماری تمام کارروائی آ گئی ہو..... اس وقت موت کے بھیانک چہرے ہماری آنکھوں کے سامنے آ گئے تھے۔

❁❁❁

بھیم سنگھ کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی..... یوں لگتا تھا جیسے اس نے کوئی بہت ہی اہم بات معلوم کر لی ہو..... مجھے وہ لمحات یاد آ گئے جب بھیم سنگھ میرا گہری نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا..... خداوند عالم! کیا میرے اُوپر کوئی اور مصیبت نازل ہونے والی ہے..... میں نے دل ہی دل میں سوچا اس وقت بھیم سنگھ کی آواز اُبھری۔

”تمام قیدی اپنی جگہ سے اُٹھو اور دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔“ قیدیوں نے اس کے حکم پر فوراً عمل کیا اور پھر چند ہی سیکنڈ کے بعد بھیم سنگھ نے وہ ریڈیو برآمد کر لیا، جسے ہم نے چھپانے کی کوشش کی تھی، اس کی نظریں تمام قیدیوں کی نظروں سے پھسلتی ہوئی آخر کار رحمٰن کے چہرے پر آ کر جم گئیں..... مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ بھیم سنگھ کو تمام صورت حال معلوم ہو گئی ہے..... اس نے اشارہ کیا اور دو محافظوں نے آگے بڑھ کر رحمٰن کو پکڑ لیا اور اسے دروازے کی طرف لے جانے لگے..... تمام قیدی دم سادھے خاموش کھڑے ہوئے تھے..... بھیم سنگھ نے ایک بار پھر گھومتی ہوئی نگاہوں سے سب کا جائزہ لیا اور باہر نکل گیا..... ہم پر اس وقت سکتہ طاری تھا..... پھر عرفان امین کی آواز نکلی۔

”آہ..... اس حرامی کو پتہ نہیں کیسے ساری باتوں کی خبر ہو گئی..... اسے اس بات کا علم ہو گیا کہ ریڈیو رحمان نے وہاں سے غائب کیا ہے۔“

”ہو سکتا ہے..... محافظوں نے اسے ریڈیو چراتے ہوئے دیکھا ہو۔“

''اگر ایسی بات تھی تو بھیم سنگھ تو پہلے بھی یہاں آیا تھا۔''

''ہو سکتا ہے وہ لوگ آگے ہونے والے عمل کا انتظار کر رہے ہوں۔''

''اب وہ لوگ رحمٰن کو کیا چھوڑیں گے...... آہ، بہت اچھا ساتھی تھا ہمارا...... بہت ا
انسان تھا۔'' تمام لوگ اس طرح نڈھال ہو گئے تھے جیسے ان کے جسموں کی جان نکل گئی ہ
میں بھی اپنی جگہ آکر لیٹ گیا تھا...... میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اور
سوچ رہا تھا کہ آخر رحمٰن کو سٹور سے ریڈیو چراتے ہوئے کسی نے دیکھا نہیں تھا، بلکہ یقیناً ا
کے بارے میں مخبری کی گئی تھی، لیکن وہ کون ہو سکتا ہے...... پتہ نہیں کون ہو سکتا ہے و
بہر حال سب لوگ اپنے اپنے طور پر یہ تمام باتیں سوچ رہے تھے...... اچانک ہی عرفان امی
کی آواز اُبھری۔

''میں یہ نہیں مان سکتا کہ انہوں نے صرف اندازے کی بنا پر یہاں چھاپہ مارا ہے......
ضرور کسی نے غداری کی ہے اور وہ غدار ہم میں ہی موجود ہے۔'' کسی نے اس کی بات کا جواب
نہیں دیا، لیکن ہر کوئی سوالیہ نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگا...... ہر شخص ایک ہی بات
سوچ رہا تھا کہ ان میں غدار کون ہے اور کوئی فیصلہ کن بات نہ ہو سکی...... عرفان امین کے حلق
سے سسکیاں سی نکل گئی تھیں...... اس نے کہا۔

''آہ...... کاش ہمارے ساتھ وہ غداری نہ ہوتی، لیکن آئندہ میں کسی پر اعتماد نہیں
کروں گا...... کبھی اعتماد نہیں کروں گا۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور سب ہی غمزدہ
ہو گئے...... بہر حال رات گزر گئی، لیکن مصیبت بھلا کہہ کر تو نہیں آتی...... صبح جب دروازہ
کھلا تو سب سے پہلے بھیم سنگھ کی صورت نظر آئی تھی...... اس نے ابھی تک شیو نہیں کیا تھا
اور اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے...... آنکھیں بتا رہی تھیں جیسے وہ رات بھر
جاگتا رہا ہو...... خلاف معمول آج اس کے پاس کوڑا بھی نظر نہیں آ رہا تھا...... وہ چند لمحے
ہمارے چہروں کو دیکھتا رہا...... پھر غراہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

''خرم شہزاد...... عرفان امین اور حسین شاہ تم تینوں میرے ساتھ آؤ۔'' ہم تینوں کے

سموں کی جو کیفیت تھی وہ ہم تینوں خود بھی اپنے الفاظ میں بیان نہ کر سکیں...... بہر حال ہم
بوں آگے بڑھ آئے اور دو محافظوں نے ہمیں رائفلوں کی زد پر لے لیا...... پھر ہمیں اس جگہ
یا گیا جہاں یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا...... ہمارے ہاتھوں میں بیلچے تھما دیئے
ئے اور رائفلوں کے بٹ مار مار کر ہمیں گڑھا کھودنے پر مجبور کیا جانے لگا...... چھ فٹ چوڑا، چھ
ٹ لمبا...... پانچ فٹ گہرا گڑھا کھدا گیا تھا...... گڑھے کی تیاری مکمل ہونے کے بعد ہمیں دفتر
الی عمارت کے تہہ خانے میں لے جایا گیا لیکن تہہ خانے میں داخل ہوتے ہی دل اُچھل کر
لق میں آگیا تھا...... اور کچھ لمحوں کے لئے سانس تک بند ہو گیا تھا، جو کچھ میں نے دیکھا تھا
س نے میرے پورے بدن میں چنگاریاں سی بھر دی تھیں...... تہہ خانے کی دیوار کے ساتھ
حمٰن کی لاش لٹکی ہوئی تھی...... اس کے پیر فرش سے تقریباً تین انچ اُوپر تھے، گلے میں رسی
ا پھندا تھا جو دیوار میں لگے ہوئے ایک ہک میں پھنسا ہوا تھا...... موت کے اس اذیت ناک
طریقہ کار سے اس کے چہرے کے نقش بگڑ گئے تھے...... جسم پر جگہ جگہ زخموں کے نشانات
تھے، جن پر خون جم چکا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ پھانسی دینے سے پہلے اس پر بے پناہ تشدد
کیا گیا ہے...... میرے وجود میں جوار بھاٹا اُٹھ رہا تھا، لیکن اس موقع پر امین نے میرے شانے
پر ہاتھ رکھ کر مجھے پرسکون رہنے کا اشارہ کیا اور صورت حال کا جائزہ لینے لگا، اسی وقت بھیم
سنگھ کی آواز اُبھری۔

''چلو...... اٹھاؤ اسے۔'' ہمارے ذریعے وہ اس لاش کو کھودے ہوئے گڑھے کے
پاس لے آئے اور لاش کو زمین پر رکھ دیا گیا...... امین اور حسن شاہ نے ہاتھ اٹھا کر اس کے
لئے دعا پڑھنا چاہی تو بھیم سنگھ نے ایک زوردار گھونسا حسین شاہ کے منہ پر رسید کرتے
ہوئے کہا۔

''یہ ایک چور تھا اور چور کے لئے دعا نہیں مانگی جاتی...... اسے گڑھے میں پھینک کر مٹی
ڈال دو...... محافظوں نے ہمیں مارنا شروع کر دیا اور ہمیں اس کے احکامات کی تعمیل کرنی
پڑی...... بہر حال اپنے ساتھی کو زمین میں دفن کرنے کے بعد جب ہم واپس آئے تو چند ہی

سیکنڈ میں ہر ایک کو ساتھی کی موت کا پتہ چل گیا...... اس رات کسی نے کھانا نہیں کھایا۔
سب کے دل اُداس تھے لیکن عرفان امین، حسین شاہ اور دوسرے لوگ آپس میں
سرگوشیاں کر رہے تھے...... اسی وقت ایک اور بزرگ قیدی نے کہا۔
''اگر تم لوگ کسی انتقامی کارروائی کے بارے میں سوچ رہے ہو تو اس کا کوئی نتیجہ نہیں
نکلے گا...... سوائے اس کے کہ ہمیں بھی اسی کی طرح اذیت ناک موت سے ہمکنار ہو
پڑے گا...... جاؤ اب سو جاؤ۔'' بہر حال یوں وقت گزرتا رہا، پھر اس ایک احساس نے میرے
ذہن کو شدید الجھن کا شکار کر دیا کہ آخر ہم میں سے غدار کون ہے، اس کا پتہ کیسے چ
جائے...... دوسری صبح آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا...... ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہڈیوں
گودے تک میں داخل ہو رہی تھی...... اس دن ہمیں صبح ہی بیرک سے نکال کر کھلے میدا
میں کھڑا کر دیا گیا اور تقریباً چار گھنٹے بعد کام کے بارے میں ہدایت دی گئیں...... اب ہم
آلوؤں کی بوریاں اٹھا کر سٹور شیڈ کے اندر رکھنا تھیں اور یہ سنتے ہی مجھے فرانسس کی بات
آ گئی...... آج تک شیڈ میں جانے کا موقع ہی نہیں ملا تھا اور آج اس موقع کو پا کر میں نے
میں سوچ لیا تھا کہ فرانسس کی کہی ہوئی بات کو تلاش کروں گا...... آخر کار مجھے موقع مل
اس وقت میرا محافظ باہر رُک کر سگریٹ کے کش لگا رہا تھا، اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہو
اینٹ تلاش کرنے لگا...... میں اپنی اس کوشش میں جلدی ہی کامیاب بھی ہو گیا اور
جھک کر اینٹ اکھاڑنے کی کوشش کرنے لگا...... میرے ذہن میں شدید سنسناہٹ تھی
میں بار بار دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا...... اینٹ کے نیچے ایک چھوٹا سا گڑھا تھا جس میں
مومی کپڑے کا ایک چھوٹا سا پیکٹ رکھا ہوا تھا...... عین اس وقت دروازے کے باہر سے
بھاری قدموں کی آواز سن کر میں چونک پڑا اور پیکٹ کو قمیض کے نیچے چھپا کر جلدی سے
اُٹھ کھڑا ہوا اور بوریاں اُٹھا اُٹھا کر سیدھی کرنے لگا...... محافظ کے چہرے پر نگاہ پڑی تو میں
نے اس کے چہرے کا انداز کچھ عجیب سا پایا...... بہر حال اچانک ہی محافظ نے مجھے شیڈ سے باہر
نکلنے کا اشارہ کیا اور میں وہاں سے باہر نکل آیا، اس وقت مجھے سلام علی نظر آیا اور اس نے بغو

مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔
''تم نے شیڈ میں کچھ ضرورت سے زیادہ دیر لگا دی تھی...... کچھ کامیابی ہوئی۔'' میری
سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی تھی، لیکن میں ایک دم ششدر رہ گیا تھا...... بہر حال میں نے
موقع پا کر وہ پیکٹ اپنے لباس سے نکال کر اپنی گدڑی نما جیکٹ میں ڈال دیا جو ایک طرف رکھی
ہوئی تھی، کام کے دوران میری نگاہیں مسلسل اس جیکٹ پر جمی رہیں اور جب شام کو کام ختم
ہونے کے بعد میں بیرک میں داخل ہونے لگا تو بھیم سنگھ نے تمام قیدیوں کو گیٹ پر روک
دیا...... پھر اس نے کہا کہ اندر داخل ہونے سے پہلے تم سب کی تلاشی لی جائے گی...... یہ سنتے
ہی میرا دل حلق میں آ گیا...... مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اگر میں پکڑا گیا تو میرا حشر بھی
رحمان سے الگ نہیں ہو گا، لیکن قسمت نے اس وقت میری بہترین مدد کی...... بھیم سنگھ ابھی
دو آدمیوں کی تلاشی لے پایا تھا کہ کہیں سے پھر کرنل نمودار ہوا اور اس نے بھیم سنگھ کو تلاشی
کا سلسلہ ختم کر کے کوئی اور ہدایت دے ڈالیں...... بھیم سنگھ ایک طرف کو چل دیا اور قیدیوں
کو بنا تلاشی کے اندر جانے کی ہدایت دے دی گئی...... بیرک میں اندر داخل ہوتے ہی ہم نے
اطمینان کا سانس لیا تھا اور سلام علی نے پتلون کی جیب سے ایک چھوٹا سا پیکٹ نکالا جس میں
چینی بھری ہوئی تھی، اس نے مدہم لہجے میں کہا۔
''آہ...... میں تو کتے کی موت ہی مارا گیا تھا...... اگر یہ چینی میرے پاس سے برآمد
ہو جاتی تو اس تھوڑی چینی کے عوض میری زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔'' بہر حال یہ ساری
باتیں اپنی جگہ...... میں انتظار میں تھا کہ جیسے ہی موقع ملے میں یہ پیکٹ دیکھوں...... پیکٹ کا
وزن یہ بتاتا تھا کہ اس میں کوئی ایسی خاص چیز ہے، لیکن میں نے عقل سے کام لیا تھا اور ابھی
تک کسی کو اپنا رازدار نہیں بنایا تھا...... پھر موقع ملتے ہی جب میں نے پیکٹ کھولا تو میری
آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... میں نے ایک بہت ہی شاندار پستول دیکھا جو بہترین
حالت میں تھا اور اس میں میگزین لگا ہوا تھا...... اس کے ساتھ ہی دو اور فالتو میگزین بھی تھے،
جن میں پوری گولیاں موجود تھیں...... نجانے کیوں اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں ایک

مضبوط آدمی ہوں اور یقینی طور پر اب مجھے بغیر کسی خاص جذبے کے یا کوئی بہت ہی زبردست عمل کئے بغیر فرار کی مناسب کوشش کرنی چاہئے...... ظاہر ہے زندگی کو اس طرح معطل کر کے نہیں بیٹھ سکتا تھا...... کشمیری مقصد کشمیریوں کا جذبہ آزادی ان پر ہونے والے مظالم سب کچھ اپنی جگہ تھے...... ساری دنیا یہ بات جانتی تھی ایک آدمی ان سارے مسئلوں کو حل نہیں کر سکتا تھا، جو لوگ اس سلسلے میں بھرپور کوششیں کر سکتے تھے...... وہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور ایک غیر قوم کا اپنی قوم پر ظلم دیکھ رہے تھے...... بہرحال اللہ انہیں جب بھی توفیق دے دے اور وہ سب کے سب اسی جذبے کو اپنے سینوں میں محسوس کریں، جو محمد بن قاسم کے دل میں جاگا تھا اور حجاز بن یوسف کے دل میں جاگا تھا تو مسئلہ حل ہونے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی...... میں ایک تنہا انسان زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں اور اب جب میں اس حیثیت کا مالک بن گیا ہوں تو مجھے پوری ہوشیاری اور ذہانت کے ساتھ یہاں سے نکلنے کی کوشش پر عمل کرنا چاہئے، حالانکہ میں جانتا تھا کہ محافظوں کی رائفلوں اور واچ ٹاور پر نصب مشین گنوں کے مقابلے میں اس ننھے سے پستول کی کوئی حیثیت نہیں تھی، لیکن بہرحال مجھے اس پستول سے کافی ڈھارس حاصل ہوئی تھی...... البتہ مجھے یہ خیال بھی تھا کہ جس طرح ہندوستانی سپاہی ایک ایک چیز کا جائزہ لیتے ہیں اور کوئی بھی چیز ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی، اس پستول کو چھپانے کے لئے کون سی جگہ استعمال کی جائے...... آخر کار دیوار کے ایک تختے پر نگاہ جمی جو اپنی جگہ سے ذرا سا اکھڑا ہوا تھا...... درمیان اگرچہ اتنی زیادہ جگہ نہیں تھی کہ کوئی چیز اتنی آسانی سے چھپائی جا سکتی، لیکن بہرحال میں نے پستول اور دونوں میگزین چمڑے کے تھیلے میں ڈال کر اس خلاء میں ٹھونس دیئے...... سب سے بڑی خوبی اس جگہ کی یہ تھی کہ یہ تاریکی میں تھی...... بہرحال بڑی عجیب سی کیفیت تھی، پھر دوسرے دن ہمیں معلوم ہوا کہ آج ہمیں کیمپ سے باہر پہاڑی کے دامن میں واقع آرا مشین پر کام کے لئے بھیجا جائے گا اور ساتھ ہی یہ خبر بھی سنائی گئی کہ کام کے درمیان کوئی بھی فرار ہونے کی کوشش نہیں کر سکے گا، کیونکہ چھ چھ کی ٹولیوں میں ایک دوسرے کو زنجیروں سے

باندھ کر ہمیں وہاں بھیجا جائے گا اور وہاں محافظوں کی تعداد بھی اتنی ہی ہو گی جتنی قیدیوں کی اور محافظوں کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ کسی بھی قیدی کی معمولی سی حرکت پر اسے گولی مار دی جائے...... بہرحال یہ ساری باتیں قیدیوں کو بتا دی گئیں اور اس کے بعد چھ چھ کی ٹولیاں بنا کر ہمارے پیروں میں زنجیریں ڈال دی گئیں...... ہر قیدی کے درمیان چھ فٹ کی زنجیر چھوڑی گئی تھی...... اس طرح ہر زنجیر میں چھ چھ قیدی تھے...... ہماری پارٹی آگے بڑھنے لگی اور ہماری پارٹی کا لیڈر ایک بہت ہی گرم مزاج کشمیری جس کا نام زمرد جان تھا اسے بتایا گیا تھا...... زمرد جان دو سال سے ان لوگوں کی قید میں تھا اور اپنی گرم مزاجی کی وجہ سے اکثر سختیاں جھیلتا رہتا تھا...... اب پتہ نہیں اسے زندہ رکھنے کی وجہ کیا تھی...... بہرحال وہ لوگ ہمیں لے کر چل پڑے...... میں نے اس دن خاص طور سے فرار کے منصوبوں کا جائزہ لیا...... میرے دل پر یہ دیکھ کر مایوسی سی چھا گئی کہ باہر کا نظام خاصا سخت تھا...... خاردار تاروں میں برقی رو دوڑتی رہتی تھی...... مسلح محافظ اور شکاری کتے بھی گشت کرتے رہتے تھے...... بہرحال مین گیٹ سے نکلنے کے بعد ہم اپنے آپ کو ایک تنگ سی سڑک پر گھسیٹتے رہے جو بتدریج بلند ہوتی ہوئی پہاڑی تک چلی گئیں...... زمرد جان واقعی بہت سخت آدمی تھا، کیونکہ وہ محافظوں کو زیادہ سے زیادہ گالیاں دیتا رہتا تھا...... پہاڑی کے دامن میں ایک جگہ لوہے کی چادر سے لپٹی ہوئی ایک جگہ تھی جن میں بڑی اور لاتعداد چھوٹی آرا مشینیں نصب تھیں...... ان مشینوں پر بہت سے قیدی کام کر رہے تھے...... پہاڑی کی چوٹی سے دامن تک ایک ڈھلان بنا ہوا تھا...... اوپر سے درختوں کے تنے لڑھکا دیئے جاتے جو دامن میں دُور دُور تک بکھرے ہوئے تھے...... ان بھاری تنوں کو اٹھا کر شیڈ کے اندر بھاری مشینوں تک پہنچانا تھا، چنانچہ ہم نے فوراً کام شروع کر دیا...... محافظوں نے ہمیں کام کے دوران ایک لمحے بھی آرام کا موقع نہیں دیا...... یہاں تک کہ سورج آسمان کے درمیان پہنچ گیا...... موسم سرد تھا، لیکن ہمارے جسم پسینے سے شرابور تھے اور بڑی شدت سے پیاس لگ رہی تھی...... درختوں کے تنے کافی وزنی تھے...... چھ آدمی بھی مل کر اس تنے کو نہیں اُٹھا سکتے تھے، لیکن جیسے تیسے کام کیا جا رہا تھا...... کام کے

دوران جو ذرا سی بھی سستی دکھاتا محافظ اس کی پشت اور کندھوں پر رائفلوں کے بٹ مارتے اور قیدی بلبلا کر رہ جاتا...... دوپہر کو کچھ دیر آرام کے لئے چھٹی ہوئی، ایک ایک پیالہ پانی بھی مہیا کیا گیا تھا...... اس مشقت سے بدن اس بری طرح دُکھ رہا تھا...... میں نے اس وقت سوچا کہ اگر میں فرار کی کوشش کروں تو تین قدم سے زیادہ نہیں چل سکوں گا...... مجھ سے تھوڑے فاصلے پر زمرد جان بیٹھا ہوا تھا اور اس کی بڑبڑاہٹیں نکل رہی تھیں...... وہ ان لوگوں کو گالیاں بک رہا تھا، لیکن خوش قسمتی سے اس وقت کوئی محافظ قریب موجود نہیں تھا...... کام پھر شروع کر دیا گیا اور شام تک ہم لوگ کام کرتے رہے...... پھر کام ختم کرنے کے بعد واپس جانے کے لئے ہمیں ایک لائن میں کھڑا کیا گیا تو زمرد جان نے چیخ کر کہا۔

"کتے کے بچو! کل سے میں اس کام پر نہیں آؤں گا...... یہ کام انسانوں کے بجائے مشینوں کے کرنے کا ہے۔" ایک محافظ سامنے ہی کھڑا ہوا تھا، اس نے غرا کر کہا۔

"تو نے کتے کا بچہ کسے کہا۔"

"کتے کے بچے تو بہت اچھے ہوتے ہیں، تو خنزیر کا بچہ ہے...... ذرا آئینے میں اپنی صورت دیکھ۔" زمرد جان نے محافظ کو گھورتے ہوئے کہا، تو محافظ کی قوت برداشت جواب دے گئی...... اس نے ریوالور نکال کر گولی چلائی جو زمرد جان کی پیشانی میں پیوست ہو گئی...... چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا...... زمرد جان کے دونوں ہاتھ ہوا میں پھیلے اور وہ آخری گالی بکتا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا...... قیدیوں کے ہونٹ سل گئے تھے...... محافظ نے چیخ کر کہا۔

"چلو سور کے بچو! آگے چلو۔"

"لیکن جناب! یہ لاش۔"

"اسے اسی طرح گھسیٹتے ہوئے لے چلو...... چلو۔" کوئی احتجاج یا اعتراض کرنا بیکار تھا، اس لئے ہم سب خاموشی سے آگے بڑھ گئے...... ہمارے چہرے جھکے ہوئے اور ہونٹ خاموش تھے، لیکن ہندو سپاہیوں کے قہقہے فضا میں گونج رہے تھے...... تمام قیدی دن بھر کی مشقت سے تھکے ہوئے تھے...... قدم اٹھانا ہی مشکل ہو رہا تھا کہ ہمیں ایک لاش بھی گھسیٹنی پڑ

رہی تھی...... کیمپ کے صحن میں پہنچ کر ہمیں آدھے گھنٹے تک کھڑا رکھا گیا...... پھر زنجیریں کھول دی گئیں اور زمرد جان کی لاش کو کتے کی لاش کی طرح کھینچ کر وہاں سے ہٹا دیا گیا...... بہرحال اس کے بعد ایک لیفٹیننٹ جو اس کیمپ کا نگران تھا کہنے لگا۔

"تم سب کان کھول کر سن لو...... تمہاری کوئی بھی حرکت معاف نہیں کی جائے گی۔"

ایسی باتیں تو سننے کو ملتی ہی رہتی تھیں...... بہرحال ہم لوگ اندر پہنچے، کھانا کھایا اور اس کے بعد لمبے لمبے لیٹ گئے، لیکن دوسری صبح پھر وہی سب کچھ تھا...... ہم محافظوں کی نگرانی میں پہاڑی پر چل پڑے...... آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ہوا میں شدید خنکی تھی...... امکان تھا کہ شاید بارش ہو جائے...... معلومات حاصل کرنے پر معلوم ہوا کہ یہاں تقریباً ایک ہفتے کا کام ہے...... بہر عال یہ دن بھی پہلے دن کی طرح شہتیر ادھر سے اُدھر کرتے گزر گیا اور شام کو ایک بار پھر وہی معمول کے مطابق ہم لیٹ گئے...... تیسرا دن شروع ہوا تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی...... سردی بھی شدید تھی، لیکن ہم لوگ کام کرتے رہے، اس دوران مسلسل کوئی نہ کوئی واقعہ ہوتا رہتا تھا...... ایک کارکن آراء مشین کے سامنے گر گیا اور مشین نے اس کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، لیکن بڑے اطمینان سے لاش اُٹھا کر ایک طرف ڈال دی گئی اور کام جاری رہا...... اسی طرح ایک اور کارکن بجلی کے ننگے تار سے چھو گیا اور اس کا بدن کوئلہ بن گیا...... انسانیت کی یہ تذلیل تصور بھی نہیں کی جاسکتی تھی...... حکومت پاکستان، اقوام متحدہ میں کتنی ہی بار ان انسانیت سوز مظالم کی تفصیل بتا چکی تھی...... مختلف طریقوں سے فلمیں بھی دکھائی گئی تھیں، لیکن چند لفظوں کے علاوہ آج تک اس بات پر کبھی غور نہیں کیا گیا کہ کشمیر میں انسانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے...... انسانی حقوق کی تمام تنظیمیں اس کے لئے کچھ کریں...... اسے ایک دردناک بے حسی کہا جاسکتا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ سنی سنائی باتیں یا چند مناظر ان حقیقتوں کو نمایاں نہیں کر سکتے، جو میں یہاں اس کیمپ میں دیکھ رہا تھا...... بہرحال ایسے دردناک مناظر جاری رہے...... بہت کچھ ہو رہا تھا، پھر اس دن ہم لوگوں نے دیکھا کہ عرفان امین جو رحمان کی موت کے بعد سے نیم مردہ سا ہو گیا تھا،

لوہے کے ایک ایسے بڑے ٹکڑے کو اٹھا کر اپنی قمیض میں چھپا رہا ہے، جو خاصا مضبوط تھا...... میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے، لیکن بہر حال مجھے اس بات کا شبہ تھا کہ کہیں یہ چیز اسے نقصان نہ پہنچا دے...... میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ سرنگ کھودنے کی کوشش پر غور کر رہا ہے تو اس کیمپ میں سرنگ کے بارے میں سوچنا بھی حماقت تھی...... پہلی بات تو یہ کہ بیرکوں کا فرش چار فٹ کی گہرائی تک پتھریلی چٹانوں کے درمیان بنا ہوا تھا...... پھر جنگلے کا فاصلہ بھی چار سو گز سے کسی طرح کم نہیں تھا...... اگر سرنگ کھودنے کا کام شروع کر بھی دیا جائے تو فرش سے اکھڑنے والی مٹی اور پتھر کہاں غائب کئے جائیں گے...... بہر حال یہ میرا خیال تھا کہ اس کیمپ میں سرنگ بنانا ناممکن ہے...... میرے پاس جو پستول تھا اس کے بارے میں، میں نے کئی بار سوچا تھا کہ پتہ نہیں فرانسس نے یہ پستول کہاں سے حاصل کیا ہوگا...... بہر حال اس رات میں جاگ رہا تھا اور تمام قیدی گہری نیند سو رہے تھے...... میں نے نجانے کس خیال کے تحت اپنا وہ ریوالور نکالا اور دبے قدموں دروازے کی جانب بڑھ گیا...... دوسری طرف کے ہال میں بھی تمام قیدی گہری نیند سو رہے تھے...... میں احتیاط سے چلتا ہوا بیرونی دروازے تک پہنچ گیا...... یہ دروازہ بھی کھلا ہوا تھا...... دروازے کے سامنے سیڑھیوں پر ایک محافظ آڑا ترچھا لیٹا ہوا تھا...... باہر مدہم چاندنی پھیلی ہوئی تھی...... میں نے اِدھر اُدھر دیکھا...... پتہ نہیں کیوں میری چھٹی حس کسی خطرے کا اظہار کر رہی تھی...... واچ ٹاور پر گھومتی ہوئی لائٹ کی روشنی جیسے ہی دوسری طرف ہوئی...... میں دروازے سے نکل کر دیوار کے ساتھ ساتھ اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے مین گیٹ اور اس کے پیچھے بلند پتھریلی دیوار نظر آ رہی تھی...... ٹھیک اس وقت واچ ٹاور کی روشنی گردش کرتی ہوئی دوبارہ واپس آنے لگی، اس روشنی میں، میں نے دیکھا کہ جنگلے کے تقریباً سو سو گز کے فاصلے پر ایک ایک محافظ کھڑا ہے، ویسے کیونکہ پچھلے دنوں سے مکمل خاموشی تھی اور ہندوستانی محافظوں کو اس بات کا علم تھا کہ کسی بھی قیدی میں فرار ہونے کی جرات نہیں ہے، لیکن نجانے کیا ہوا میری چھٹی حس کارگر ثابت ہو رہی تھی...... اچانک ہی گیٹ کی طرف سے برقی شعلے چمکتے ہوئے

دکھائی دیئے اور پورا کیمپ تاریکی میں ڈوب گیا...... اب سوائے مدہم چاندنی کے کوئی روشنی نہیں تھی...... ایک لمحے کے اندر میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ عرفان امین نے لوہے کی جو سلاخ غائب کی تھی اس سے اس نے بجلی کا نظام فیل کر دیا ہے، لیکن اچانک ہی ایک طرف سے ایک الارم چیخنے لگا اور مجھے دو آدمی دوڑتے ہوئے نظر آئے، وہ جنگلے کے قریب پہنچنے والے تھے کہ محافظوں نے قیدیوں کی بیرکوں کو گھیرے میں لے لیا اور چیختے چلاتے کمپاؤنٹ کی تلاشی لینے لگے...... میں نے رات کی تاریکی کے باوجود اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑے ہو کر ان دو افراد کو دیکھ لیا جن میں سے ایک یقینی طور پر عرفان امین تھا...... چاندنی رات میں وہ مجھے نظر آ رہے تھے...... پھر محافظوں کی نگاہیں بھی ان پر پڑ گئیں اور درجنوں محافظ جنگلے کی طرف دوڑے لوہے کے تاروں کو اس وقت ناکارہ کر دیا گیا تھا...... میں نے امین کو جنگلے کے بالکل اُوپر دیکھا، لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور افسوس ناک منظر نظر آیا...... کئی گولیاں امین کے جسم میں پیوست ہو گئیں اور وہ چھلنی ہو کر نیچے گر پڑا...... دوسرا شخص ابھی جنگلے کے نیچے ہی تھا، اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر اس نے فوراً ہی ہاتھ بلند کئے تھے، لیکن محافظوں کی گولیاں اسے بھی چاٹ گئیں...... اب میرے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ روشنی ہونے سے پہلے اپنے بیرک میں پہنچ جاؤں، چنانچہ میں نے اس اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر فوراً اس طرف چھلانگ لگا دی...... اندر پہنچنے کے بعد میں نے فوراً ہی اپنی ریوالور اور میگزین کو اس تختے کے نیچے چھپا دیا اور پھر اپنی جگہ لیٹ گیا...... بس قسمت ہی یاور تھی کہ سہی وقت پر واپس پہنچ گیا تھا...... میں لیٹا ہی تھا کہ دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور بے شمار سپاہی اندر گھس آئے...... ان میں سے ایک نے چیخ کر تمام قیدیوں کو کمرے کی پچھلی دیوار کے ساتھ کھڑے ہونے کو کہا اور بے چارے قیدی آنکھیں ملتے ہوئے دیوار کے ساتھ کھڑے ہونے لگے...... محافظوں کے ٹارچوں کی روشنیاں ان کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھیں...... پھر کچھ ہی دیر کے بعد لائٹ بھی آ گئی، سونے سے جاگنے والے قیدیوں کے چہرے پر وحشت برس رہی تھی...... وہ بیچارے ابھی تک معاملہ کی نوعیت کو نہیں سمجھ سکے تھے، اسی وقت اندر آنے

والے ایک لیفٹیننٹ نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا تمہارے تمام ساتھی موجود ہیں۔" وہ گنتی کرنے لگا...... دوسرے قیدیوں کو تو شاید اس بات کا علم نہیں تھا، لیکن میں جانتا تھا کہ عرفان امین اور ایک اور قیدی موجود نہیں ہے...... کچھ ہی لمحوں کے بعد انہوں نے ان دونوں کی غیر موجودگی کا اعلان کیا اور اس لیفٹیننٹ نے مدہم لہجے میں کہا۔

"تم میں سے کس کس کو ان کے فرار کا علم تھا...... جواب دو۔" سب خاموش رہے اور لیفٹیننٹ ایک ایک کی صورت دیکھتا رہا، یا تو یہ شخص رحم دل تھا یا پھر خود بھی نیند میں ڈوبا ہوا تھا، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس لوٹ گیا اور قیدی عرفان امین اور اپنے ساتھی کی غیر موجودگی پر تبصرہ کرنے لگے...... میں جانتا تھا کہ وہ دونوں مر چکے ہیں اور اس بات کا علم میرے علاوہ کسی اور کو نہیں تھا، لیکن میں نے عقل سے کام لیتے ہوئے خاموشی ہی اختیار کئے رکھی...... بہر حال ہم اس کے بعد پھر نیند کی آغوش میں پہنچ گئے...... دوسرے دن ہم لوگوں کی خاصی طور سے تلاشی لی گئی تھی، ابھی پوری طرح صبح بھی نہیں ہوئی تھی کہ قیدیوں کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا اور تلاشی ہوتی رہی...... کم بخت بھیم سنگھ بھی آ گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"اور میں یہ بات بالکل نہیں مان سکتا کہ فرار کے اس منصوبے میں صرف دو افراد ہی شریک تھے...... مجھے یقین ہے کہ تم لوگوں میں سے کچھ اور لوگ بھی ان کے پروگرام میں شامل ہوں گے، بہر حال پتہ چلنے کے بعد جو ان کا حشر ہوا ہے وہی تمہارا بھی ہوگا...... چلو ان تمام قیدیوں کو باہر نکالو...... تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم مین گیٹ کی طرف مارچ کر رہے تھے...... وہ دونوں لاشیں اب بھی وہیں پڑی ہوئی تھیں...... میں نے البتہ لاشوں کے پاس سے گزرتے ہوئے اس آہنی سلاخ کی تلاش کی لیکن وہ مجھے نظر نہیں آئی، تھوڑی دیر کے بعد ہم پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے اور ہم نے کام شروع کر دیا...... بہر حال اس دن کام کرتے ہوئے ایک اور خیال میرے ذہن میں آیا...... آراء مشین کے ایک کارکن نے مشین

کے انجن میں پٹرول ڈالا تھا اور جب اس نے وہ ڈبہ کٹی ہوئی لکڑیوں کے ڈھیر پر رکھا تو میرے ذہن میں یہ خیال اور بھی مضبوط ہو گیا...... ڈبے میں پٹرول موجود تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کسی طرح یہ پٹرول نیچے گرا دیا جائے تو پٹرول بکھر جائے گا...... ہندو سپاہی اکثر بیڑی یا سگریٹ پیتے ہوئے نظر آ جاتے تھے...... اگر یہ پٹرول ان لکڑیوں میں چلا جائے اور جلتی ہوئی تیلی نیچے گرے تو زبردست کام ہو جائے گا، البتہ میں نے محسوس کیا تھا کہ بھیم سنگھ ان دنوں خاص طور سے میرا جائزہ لیتا رہتا ہے...... بہر حال دوپہر کا وقت تھا اور بھیم سنگھ قیدیوں پر کوڑے برسا رہا تھا...... بار بار کوڑا لہرا رہا تھا اور قیدی شدت سے کام کر رہے تھے...... ایک قیدی بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑا اور بھیم سنگھ اس کی طرف چل پڑا...... ہماری نگرانی پر اب صرف دو محافظ تھے...... شیڈ میں اب صرف اتنی لکڑیاں رہ گئی تھیں کہ بس اب صرف تین پھیرے لگ سکتے تھے...... میں نے سوچا کہ بھیم سنگھ کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھانا چاہئے...... پہلے دو پھیروں کے درمیان تو موقع نہیں مل سکا، لیکن جب تیسرے اور آخری پھیرے کے لئے میں اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ لکڑی کے ڈھیر پر پٹرول کا ڈبہ رکھا ہوا ہے اور اس کے بعد میں نے کندھے پر لدی ہوئی لکڑی کو ذرا سا گھما دیا...... لکڑی کا سرا ڈھیر پر رکھے ہوئے ڈبے پر لگا ڈبہ نیچے گرا اور برادے اور لکڑی کے ڈھیر کو پٹرول سے تر کر دیا...... کسی نے میری یہ حرکت نہیں دیکھی تھی...... آخری پھیرے کے بعد ان لوگوں کو بھی دوسری پارٹیوں کے ساتھ کام پر لگا دیا گیا تھا، جو میرے ساتھی تھے...... میں کوشش کر رہا تھا کہ میری نگاہیں اس طرف نہ اُٹھیں اور میں روشنی میں نہ آ جاؤں...... بہر حال میری کوشش یہی تھی کہ جس قدر جلد یہ کام ہو جائے اچھا ورنہ پٹرول کی بو پھیلی تو ان لوگوں کو شبہ ہو جائے، پھر میری اس خواہش کی تکمیل ہو گئی...... میں نے برادے اور لکڑیوں کے ڈھیر سے اچانک ہی شعلے بلند ہوتے ہوئے دیکھے اور لمحوں کے اندر اندر پورا اسٹور شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا...... ہندو سپاہی اپنے ساتھیوں کی مدد کے لئے دوڑے لیکن آگ کے شعلے کٹی ہوئی لکڑیوں کے ڈھیر تک پہنچ گئے تھے...... تمام کارکن مشینیں بند کر کے اپنی اپنی جان بچانے کے لئے باہر دوڑے...... بھیم

سنگھ چیخ چیخ کر قیدیوں کو آگ بجھانے کا حکم دے رہا تھا اور گاڑھے دھوئیں کے بادل آسمان کی بلندیوں کو چھو رہے تھے...... بھیم سنگھ نے قیدیوں پر کوڑے برسانا شروع کر دیئے...... قیدی بے شک آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن اس وقت صورت حال بہت بری طرح بگڑ گئی جب شیڈ کے اندر پٹرول کا کوئی ڈرم پھٹا...... آگ قابو سے باہر ہو گئی...... بجلی کی تاریں ٹوٹ کر گرنے لگیں...... قیدی خوش تھے اور کیمپ کے سپاہی بری طرح بدحواس بھیم سنگھ پر جنونی کیفیت طاری تھی...... وہ قیدیوں کو کوڑے لگا رہا تھا، لیکن قیدی بزدلی سے آگ پر پانی پھینک رہے تھے...... شام سے پہلے آگ بجھ گئی تو قیدیوں کو کیمپ کی طرف مارچ کرنے کا حکم دیا گیا...... برادے کے ڈھیر سے اب بھی دھواں اُٹھ رہا تھا اور ہمیں یہ اندازہ تھا کہ برادے میں دبی ہوئی یہ چنگاریاں بھڑک بھی سکتی ہیں...... ویسے میں بہت خوش تھا کیونکہ نتیجہ میری توقع سے بڑھ کر نکلا تھا...... کیمپ میں پہنچ کر ہمارے پیروں کی زنجیریں فوراً ہی کھول دی گئیں، لیکن بیرکوں میں بھیجنے کے بجائے ہمیں وہیں کھڑے رہنے کا حکم دیا گیا تھا...... ہمارے ہاتھ منہ کالے ہو گئے تھے...... آگ بجھانے کی کوشش میں کئی قیدی جل بھی گئے تھے، لیکن بہرحال ایک بات کا ہمیں اندازہ ہو گیا تھا کہ آراء مشینوں کا علاقہ تباہ ہو چکا ہے اور اب ہمیں یہ تکلیف دہ مشقت نہیں کرنی پڑے گی...... بہرحال نجانے کیوں ہمیں وہیں کھڑا رکھا گیا...... سردی پڑ رہی تھی، سرچ لائٹیں روشن ہو چکی تھیں...... آخر کار بھیم سنگھ بہت سے محافظوں کے ساتھ نمودار ہوا اور اس نے ایک جگہ پہنچنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو منتشر کر دیا...... پھر ہم نے میجر کامتی کو دیکھا جو وہاں پر پہنچ گئی تھی...... اس نے بھیم سنگھ سے کہا۔

"کیا یہ صرف ایک حادثہ تھا۔"

"سر...... بظاہر تو حادثہ ہی تھا۔"

"نہیں بھیم سنگھ...... میں اسے حادثہ نہیں مانتی، ضرور کچھ ہوا ہے اور میں لازمی طور اس کے بارے میں معلومات حاصل کر لوں گی...... بے فکر رہو۔" میجر کامتی کی نگاہیں

زاویئے بدلنے لگے اور اس وقت میرے بدن میں ایک سنسنی کا سا احساس ہوا جب اس کی نگاہیں مجھ پر آ کر رک گئیں...... وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور پھر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور تم جس قدر خاموشی سے یہاں وقت گزار رہے ہو...... بات کچھ میری سمجھ میں نہیں آرہی...... تم اتنے خاموش نہیں رہ سکتے...... بھیم سنگھ اسے میری بیرک میں لے آؤ۔"

میرے تمام ساتھیوں کی نگاہوں میں میرے لئے رحم اور افسوس کے تاثر اُبھر آئے...... میں بھی اندر سے لرز رہا تھا، لیکن اب اتنے واقعات نگاہوں کے سامنے سے گزر چکے تھے کہ زندگی معمولی سی چیز معلوم ہوتی تھی...... میں نے سوچا کہ جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا، اب سب کچھ اللہ کے ہاتھ ہے...... میجر کامتی مجھے اپنے ساتھ اپنے بیرک میں لے گئی اور معمول کے مطابق اس نے تمام لوگوں کو باہر نکال دیا...... مجھے سرد نگاہوں سے دیکھتی رہی...... پھر اس کے بعد اس نے آہستہ سے کہا۔

"تم خود اپنی زندگی کے دشمن بن گئے ہو...... بات یہی آجاتی ہے کہ تم نے مجھے عورت کی اس خواہش سے محروم کیا ہے جو میں سمجھتی ہوں میرا حق تھی...... تم بہت عرصے زندہ رہ چکے ہو...... میرا خیال ہے اب تمہیں مر جانا چاہئے۔"

"میجر کامتی! میں آپ کو سچ بتاؤں...... بے شک میری رپورٹ سے آپ کو علم ہوا ہوگا کہ میں ایک بالکل معمولی سا اور عام سا آدمی ہوں...... اپنے کچھ دشمنوں سے جان بچا کر بھاگا اور غلطی سے ہندوستان کی سرحد میں گھس آیا...... مجھے پاکستانی جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا گیا، بس یہ کہانی ہے میری اس کے لئے مجھے جتنی سزائیں مل چکی ہیں...... میں سمجھتا ہوں بہت زیادہ ہیں...... آپ کی اس بات سے میں پورا پورا اتفاق کرتا ہوں کہ مجھے ہلاک کر دیا جائے یا تو میں کوئی جنگی قیدی ہوتا تو الگ بات تھی، اب تو میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے زیادتی ہی ہو رہی ہے۔"

"کس طرح مرنا چاہو گے۔" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"موت صرف موت کی شکل میں آتی ہے...... جیسی بھی ہو۔" میڈم کامتی کے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی، پھر اس نے بھیم سنگھ کو آواز دی...... بھیم سنگھ آیا تو وہ بولی۔

"بھیم سنگھ ایک گلاس دودھ لاؤ۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی وردی سے ایک چھوٹی سی بوٹی نکالی اور اسے میز پر رکھ دیا...... میں یہ تماشا دیکھ رہا تھا...... میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ کیا کرنا چاہتی ہے...... اس نے دلچسپی سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم مرنا چاہتے ہونا...... یہ بوٹی مجھے ایک سادھو نے دی تھی اور اس نے کہا تھا کہ یہ ایک عجیب و غریب زہر ہے، اسے دودھ یا پانی میں ڈال کر استعمال کیا جائے تو انسان بڑے سکون کی نیند سو جاتا ہے......اسے پتہ بھی نہیں چلتا کہ موت نے کب اس کے وجود میں اپنے لئے جگہ بنالی...... میں بہت عرصے سے یہ تجربہ کرنا چاہتی تھی...... آج تم پر یہ تجربہ کر رہی ہوں۔" بھیم سنگھ دودھ کا گلاس لے آیا......اب میرے لئے بڑے فکر کے لمحات تھے، میں نے دل ہی دل میں اللہ سے دعا مانگی اور کہا کہ میں خودکشی نہیں کر رہا بلکہ حالات اب مجھے اس حد تک لے آئے ہیں کہ زندگی میرے لئے ایک تکلیف دہ عمل ہو گئی ہے...... اگر واقعی موت اس طرح لکھی ہے تو مظلوم کشمیریوں کا جو حال ہو رہا ہے اسے دیکھنے کے بجائے میری زندگی ہی ختم ہو جائے تو بہتر ہے...... میں نے زندگی میں جو کچھ بھی گناہ کئے ہیں، یقیناً ان کی سزا بھی ضروری ہے، لیکن سزا کی ایک حد ہوتی ہے...... میں روز جس طرح مرتا ہوں اس کے بجائے ایک دن اس طرح مر جانا زیادہ بہتر ہے اور پھر میں نے دودھ کا وہ گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا جس میں میجر کامتی نے وہ سبز بوٹی ڈال دی تھی...... دودھ کے رنگ میں ہلکی سی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی...... مجھے اپنے اندر کوئی خاص بات محسوس نہ ہوئی، لیکن بس چکر آ گیا تھا...... دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد میرا ذہن تاریک ہو گیا...... مجھے نہیں معلوم تھا کہ کب اور کس نے اٹھا کر مجھے کیمپ کے ہسپتال میں پہنچایا تھا......ہاں جس وقت میں جاگا تو ہسپتال میں میرے آس پاس بہت سے بستر پڑے ہوئے تھے

ان پر لوگ لیٹے ہوئے تھے...... میں اپنی جگہ لیٹا ہوا اس ماحول کو دیکھتا رہا، اس میں زیادہ تر فوجی تھے، جو بہت سے معاملات میں ملوث ہو کر زخمی ہوئے تھے، بہت دیر تک میں وہاں رہا...... آہستہ آہستہ سورج چھپ گیا اور رات ہو گئی......اس دوران کوئی بھی میرے پاس ں آیا تھا، ہر طرف مکمل خاموشی اور سناٹا طاری تھا...... میرے برابر جو مریض لیٹا ہوا تھا ے بار بار کھانسی اُٹھ رہی تھی...... میں نے اپنا بھرپور جائزہ لیا...... بظاہر مجھے اپنے جسم میں ی تکلیف کا احساس نہیں ہوا تھا اور میں اپنے طور پر بڑا پر سکون محسوس کر رہا تھا اپنے آپ ...... بہت دیر تک میں اس طرح لیٹا رہا، چاروں طرف مکمل خاموشی اور سناٹے کا راج ...... میرے ساتھی کو کبھی کبھی کھانسی اُٹھتی تو بڑی ناگوار سی کیفیت کا احساس ہوتا...... ب وہاں کوئی بھی نہیں آیا تو میں تھوڑی دیر کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُٹھ کر وہاں سے گے بڑھ گیا، اس بڑی سی بیرک کے آخری سرے پر ایک بستر خالی پڑا ہوا تھا...... میں اس پر ا کر لیٹ گیا، کھانسی کی شدت سے تنگ آ کر میں وہاں سے ہٹا تھا...... کچھ دیر کے بعد بیرک ں روشنی بند ہو گئی...... وہاں صرف ایک مدہم نیلا بلب جل رہا تھا، جو کافی فاصلے پر تھا اور جس ی وجہ سے یہاں روشنی نہیں آ رہی تھی، بلکہ ایک طرح سے ماحول نیم تاریک سا تھا...... رات کے سناٹے گہرے ہوتے چلے گئے...... میں میجر کامتی کے بارے میں سوچنے لگا...... یہ کیا ہوا تھا؟ اور کیسے ہوا تھا؟ کیا میں مر گیا؟ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی...... ایسی احمقانہ سوچ بے مقصد تھی...... پتہ نہیں ہسپتال کیسے پہنچایا گیا...... یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی تھی...... کسی سے اس بارے میں پوچھ بھی نہیں سکتا تھا، اب دن کی روشنی ہوئی...... کوئی ڈاکٹر یا نرس وغیرہ ادھر نظر آئے تو میں اس سے معلومات حاصل کروں...... ویسے یہ بھی تعجب کی بات تھی، کم از کم قیدیوں کو یہاں پر اس طرح کی آسانیاں حاصل نہیں تھیں...... پھر یہ سب کچھ کیا ہوا ہے...... آدھی رات کا وقت ہو گا، میں جاگ رہا تھا...... نیند کا کوسوں دور پتہ نہیں تھا...... دفعتاً مجھے اپنے سرہانے قدموں کی چاپ سی سنائی دی اور اس کے بعد ایک مدہم سی سرگوشی۔

"دیپک اُٹھو...... اُٹھ جاؤ اپنی جگہ سے، کھڑکی کھول دی ہے...... میں نے نکل آؤ۔ خبر دار خاموشی کے ساتھ۔" میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو آواز پھر سنائی دی۔

"بے وقوف آدمی سو رہے ہو...... کیا یہ سونے کا وقت ہے۔" اس بار مجھے اس آواز ایک نسوانی سرگوشی کا سا احساس ہوا تھا...... میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی، لیکن میں اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔

"شاباش...... چلے آؤ۔" آواز نے پھر کہا اور میں نے کھڑکی کی طرف دیکھا، وہاں ا انسانی سایہ نظر آ رہا تھا...... نجانے کیوں میرے اندر ایک عجیب سی کیفیت بیدار ہو گئی۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور پھر کھڑکی سے باہر نکلنے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ ایک نسوانی جسم میرے سامنے تھا۔" اس نے کہا۔

"آؤ...... ہری اپ۔" اور پھر تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہوئے ایک ٹرک پر مجھے جایا گیا...... ٹرک میں سامان لدا ہوا تھا...... لڑکی نے مجھ سے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

"اب تم سامان کے نیچے چھپ جاؤ...... بس پندرہ یا بیس منٹ کے اندر اندر یہ ٹر یہاں سے نکل جائے گا...... یہ لوگ تمہیں صحیح جگہ پہنچا دیں گے، بے فکر رہنا...... میں انہیں سب کچھ سمجھا دیا ہے...... میرے ہوش و حواس رخصت ہوئے جا رہے تھے...... طو عرصے کی کوششوں سے مایوس ہو چکا تھا اور یہ احساس ہو گیا تھا کہ اب یہاں سے باہر نکلے کوئی ذریعہ نہیں ہے...... میری روح ہی یہاں سے باہر جا سکے گی، لیکن انسان کا سوچا الگ ہ ہے اور آسمانوں کی تحریر مختلف...... آسمانوں سے میرے لئے اس کیمپ سے نکلنے کا اش ہو چکا تھا، چنانچہ اب مجھے بھلا کون روک سکتا تھا...... لڑکی کا کہنا حرف بہ حرف در ثابت ہوا...... تھوڑی دیر کے بعد کچھ لوگوں کی آوازیں سنائی دیں...... ٹرک سٹارٹ ہوا اس کے بعد گردش میں آ گیا...... میرے ہوش و حواس واقعی رخصت ہوئے جا رہے تھے۔ پیچھے جن لوگوں کو چھوڑ آیا تھا ان کی کیفیت کا اندازہ لگا رہا تھا...... وہ ریوالور جس سے میں بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں...... وہیں اس تختے کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور پتہ نہیں اگر

یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور کبھی ہندوستانی سپاہیوں نے اس بیرک کی بھرپور تلاشی اور وہ ریوالور برآمد ہو گیا تو پتہ نہیں کس بیچارے کے سر الزام لگے...... میرے دل کی دھڑکنیں بند ہوئی جا رہی تھیں...... ٹرک کی رفتار ذرا سی سست ہوئی تو مجھے یقین ہو گیا کہ آ گئی شامت...... اب وہی اذیت ناک موت جو میں دوسرے لوگوں کے لئے دیکھ چکا ہوں...... میرے قریب آنے والی ہے مجھے قرب و جوار میں کچھ آوازیں سنائی دیں اور پھر ایک ٹارچ کی روشنی پیچھے سے اندر ڈال گئی۔

دہشت سے دھڑکتا ہوا دل حلق میں آ رہا تھا...... سامنے ہی بھیم سنگھ میجر کوئی اور آنے والا تھا، لیکن چند ہی لمحوں کے بعد مجھے ایک آواز سنائی دی۔

"نیچے آ جائیے مسٹر دیپک۔" میں ایک لمحے تک تو سناٹے میں رہا، غور کر رہا تھا کہ لوگ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں یا واقعی ایسا کوئی چکر چل گیا ہے...... بہر حال اپنے بدن کو تمام بہتر حالت میں لایا اور ٹرک سے نیچے اتر آیا...... تھوڑے فاصلے پر ایک مدھم سی روش آ رہی تھی...... دو افراد وہاں موجود تھے جن میں سے ایک کے ہاتھ میں یہ ٹارچ تھی۔

"تھوڑا سا مشکل راستہ ہے، ٹرک وہاں تک نہیں جا سکتا...... آپ کو یہ فاصلہ پیدل کرنا ہو گا...... براہِ کرم تشریف لائیے۔" ان کا انداز بڑا اچھا تھا...... یہ بات تو میں جانتا کوئی بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے...... وہ لوگ مجھے دیپک کے نام سے مخاطب کر رہے ہیں...... بات ہے، میں دیپک نہیں تھا، لیکن اگر ان کی غلط فہمی نے عارضی طور پر ہی سہی...... قید سے نجات دلا دی ہے تو اب اس نجات کو مستقل بنانے کی کوشش کروں گا اور اگر کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے تو پھر دیپک کا نام ہی استعمال کر لوں گا...... بہر حال میں ا ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد میں اس روشنی کے قریب پہنچ گیا، کوئی ٹوٹی پھ عمارت تھی...... وہ لوگ مجھے گیٹ سے گزار کر اندر لائے اور پھر انہوں نے مجھے ایک میں پہنچا دیا...... یہاں ایک مٹی کے تیل کا لیمپ روشن تھا، اس کی پیلی اور مدھم روش

میں نے ان دونوں افراد کا چہرہ دیکھا تو ان میں سے ایک نے کہا۔

"مس بسمہ بہت ہی جلدی یہاں پہنچ جائیں گی مسٹر دیپک...... آپ براہِ کرم ان کا انتظار کر لیجئے گا...... زیادہ دیر نہیں لگے گی انہیں، ہم انہیں ہی لینے جا رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے...... ویسے میں نے پہلے اس جگہ کو نہیں دیکھا، یہ کون سی جگہ ہے۔" میں نے ہمت کر کے کہہ ڈالا حالانکہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں میرے یہ الفاظ میرے لئے ہی نقصان دہ ثابت نہ ہوں، یعنی جس شخص کے دھوکے میں مجھے یہاں لائے ہیں...... وہ اس جگہ کے بارے میں جانتا ہو...... غرض یہ کہ وہ لوگ چلے گئے اور میں نے سکون کی گہری سانس لی اور پھر آہٹوں پر کان لگا دیئے...... کچھ ہی لمحوں کے بعد ٹرک سٹارٹ ہوا اور پھر اس کے انجن کی آوازیں دُور ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں...... ان لمحات کے بعد مکمل خاموشی طاری رہی اور ایک ہولناک سناٹے کا احساس ہوا...... میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے...... کیا مجھے اس خوفناک قید سے نجات مل گئی...... کیا میری دعائیں آسمانوں کو چھونے میں کامیاب ہو گئیں۔ واقعی میں تو ایک بے گناہ انسان تھا...... میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا بستی مراد کے ایک معمولی سے گھر میں زندگی گزارنے والا خرم شہزاد، بیچارے رمضان چچا کی محبتوں سے زندگی پانے والا، کس خوفناک مصیبت میں پھنس گیا تھا میں، لیکن یہ سوچتے ہوئے ہی دل لرزتا تھا...... ایک بار پھر اخبارات کی وہ خبریں یاد آئیں، جو کشمیری مسلمانوں سے وابستہ ہوتی تھیں...... یہاں یہ ہو گیا، وہاں وہ ہو گیا...... ہزاروں گھر جلا دیئے گئے...... ہزاروں انسانوں کو غائب کر دیا گیا...... سینکڑوں ہلاک کر دیئے گئے...... عورتوں اور بچوں کی بے حرمتی کی گئی، میں کہتا ہوں کہ یہ خبریں تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی تھیں، جو کچھ در ندگی میں اس کیمپ میں دیکھ کر آیا تھا کشمیری مسلمانوں کے ساتھ اس کے بارے میں تو ابھی باہر کی دنیا کو معلوم ہی نہیں تھا آہ...... انسان انسان پر کس قدر ظلم کر رہا تھا...... کیا ہو گیا تھا، ان لوگوں کو اپنی جان بھی بھول گئے تھے اور دوسروں پر زندگی اس طرح ختم کر دی تھی کہ زندگی کا تصور بھی شرمناک محسوس ہو...... میرے خدا! کیا چیز ہے، یہ انسان...... کیا اس سے بڑا درندہ روئے

زمین پر کوئی اور ہے...... لاکھ ایک مقصد تھا وہ لوگ جنگ آزادی لڑ رہے تھے اور غاصب ا
کی آزادی کو زم کئے ہوئے تھے...... وہ انہیں ان کا حق نہیں دینا چاہتے تھے، لیکن اس کے بعد
بے گناہوں پر وہ مظالم نازی کیمپوں کی یاد دلاتے تھے...... حقیقت یہ ہے کہ بات نازی کیمپوں
ہی کی نہیں تھی، یہ تو دوسری جنگ عظیم کے بعد جب ہٹلر تباہ ہو گیا...... جرمنی برباد ہو گیا
اتحادیوں کی بن آئی اور انہوں نے نازیوں کو جنگلی اور درندہ ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی
کا زور لگا دیا...... پھر اتحادی کیمپوں میں جرمنوں کے خلاف جو کچھ ہوا ہو گا...... اس کی
داستانیں بھی آکر منظر عام پر آئیں تو لوگوں کو پتہ چلتا کہ کون زیادہ درندہ تھا، البتہ معصوم
کشمیریوں پر جو کچھ مظالم ڈھائے جا رہے تھے، اب میں ان کا چشم دید گواہ تھا...... کاش دُنیا کی کسی
عدالت میں جا کر میں یہ گواہی پیش کر سکتا، کاش...... اہل اسلام وہی جذبہ ایمانی لے کر آتے
جو محمد بن قاسم کے سینے میں جاگا تھا اور سترہ سال کے لڑکے نے سترہ مسلمانوں کی بے حرمتی
کا وہ بدلہ لیا تھا کہ آج بھی یاد کیا جاتا ہے...... غرض یہ کہ یہاں اس ویرانے میں میری سوچیں
آزاد ہو گئی تھیں...... بہت دُور کہیں سے گیدڑوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور میں یہ
سوچ رہا تھا کہ اب کوئی یہاں ضرور آئے گا، بہت دیر تک انہی سوچوں میں گم رہا اور اس کے
بعد اچانک ہی ذہن میں کچھ سرسراہٹیں جاگیں...... آخر یہ دیپک کون ہے اور مجھے اس کے
دھوکے میں یہاں کیوں لایا گیا ہے...... ابھی کوئی مس سیمہ آنے والی تھی...... کیا یہ مس سیمہ
وہی تھی جس نے ہسپتال میں مجھے ٹرک میں بیٹھ جانے کی ہدایت کی تھی، لیکن اگر ایسا بھی تھا
تو اس سے کیا نتیجہ برآمد ہو گا...... جب انہیں معلوم ہو گا کہ میں دیپک نہیں ہوں...... اصل
دیپک کوئی اور ہے تو کہیں مجھے دوبارہ اس کیمپ کے حوالے نہ کر دیا جائے، جبکہ اب میں کسی
بھی قیمت پر وہاں نہیں جانا چاہتا تھا...... میں فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ گیا، حالات کو صرف بیٹھ کر
نہیں سوچنا چاہئے...... ہر چیز کے لئے عمل ضروری ہوتا ہے، چنانچہ سب سے پہلے اس جگہ کا
جائزہ لیا جائے کیا ہے؟ میں باہر نکل آیا...... مجھے یہ محسوس ہو چکا تھا کہ اس وقت اس کھنڈر نما
عمارت میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اور میرا یہ اندازہ بالکل درست نکلا...... باہر گہری

خاموشی اور سناٹے کا راج تھا...... یہ عمارت غالباً زمانہ قدیم کی کوئی عمارت تھی، کوئی گیسٹ
ہاؤس کوئی ڈاک بنگلہ بناوٹ ایسی ہی تھی...... کھلی جگہ پہنچ کر میں نے دور دور تک دیکھا
زعفران کی خوشبوئیں مچل رہی تھیں...... رات کی تاریکی میں بھی مناظر کا اندازہ ہو رہا تھا کہ
دن کی روشنی میں یہ جگہ حسن کے لحاظ سے بے مثال ہو گی...... وادی کشمیر ہی کا کوئی حصہ
تھا...... میں بہت سی داستانیں سن چکا تھا، اس سرزمین کے بارے میں لیکن کبھی اس طرح
یہاں پہنچ جاؤں گا سوچا بھی نہیں تھا...... میرا تو حقیقتاً کسی ایسے مسئلے سے کوئی تعلق تھا بھی
نہیں...... بہر حال میں یہ اندازہ لگانے لگا کہ اگر ان لوگوں کو غلط فہمی کا احساس ہو جائے تو
میرے خلاف زیادہ سے زیادہ کیا کیا جا سکتا ہے...... میں نے ایک ایسی جگہ منتخب کی جہاں بیٹھ کر
میں رات گزار سکتا تھا...... کمرے میں آرام کرنے کے بجائے چھت پر بیٹھ کر یہ تکلیف دہ
لمحات گزارنا زیادہ بہتر تھے...... بجائے اس کے کہ کسی گہرے جال میں پھنس جاؤں......
بہر حال موسم سرد تھا...... سرد ہوائیں بدن میں سوراخ کر رہی تھیں، لیکن قید خانے کی
پرصعوبت زندگی نے بہت سے احساسات سے بے نیاز کر دیا تھا...... یہ سرد ہوائیں قابل
قبول تھیں، بجائے اس کے کہ آرام کا تھوڑا سا وقت گزار کر اپنے آپ کو پھر اسی وحشت
کدے کے حوالے کر دوں...... یہاں سے دُور دُور تک کے مناظر صاف نظر آتے تھے......
تاحد نظر تاریکی کا راج تھا...... دُور دُور تک کوئی روشنی کی کرن نظر نہیں آتی تھی، لیکن
نہیں...... تھوڑی دیر کے بعد بہت فاصلے پر روشنی کی کرن نظر آئی، بلکہ یہ دو کرنیں جو تیز
رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھیں...... ایک لمحے کے اندر اندر یہ اندازہ ہو گیا کہ کوئی گاڑی
ہے جس کی ہیڈ لائٹیں روشن تھیں...... پھر وہ گاڑی اسی جگہ آکر رُک گئی جہاں مجھے اترنا پڑا
تھا، لیکن یہ کوئی بڑے سائز کی جیپ تھی...... میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے...... کہیں یہ
ہندوستانی سپاہیوں کی جیپ نہ ہو...... میں دم سادھے لیٹا رہا، البتہ میں نے یہ سوچ لیا تھا کہ اگر
جیپ سے اترنے والے فوجی ہوئے تو پھر مجھے کیا کرنا چاہئے...... وہ پورے مکان کی تلاشی لے
لیں گے، پھر یہی سوچیں گے کہ میں یہاں سے فرار ہو گیا...... ایسی صورت میں اس چھت پر

رہنا زیادہ مناسب ہوگا...... یا یہاں سے فرار ہونا، لیکن جیپ سے میں نے سفید لباس
ملبوس کسی عورت کو نیچے اترتے دیکھا...... جیپ کی روشنیاں جل رہی تھیں...... جس کی
سے میں نے عورت کے ہیولے کو بخوبی دیکھ لیا تھا...... ایک اور شخص ڈرائیونگ سیٹ
نیچے اترا تھا...... ایک لمحے تک وہ دونوں باتیں کرتے رہے، پھر سفید سایہ اس عمارت کی جا
چل پڑا...... ڈرائیونگ سیٹ سے اترنے والے نے جیپ سٹارٹ کی اور اسے ایک نشیب
لے گیا...... پھر اس نے روشنیاں بند کر دیں...... عورت کو میں اندر آتے ہوئے دیکھ رہا
لیکن میں فوراً ہی نیچے ہو گیا تھا، بلکہ دیر تک میں جائزہ لیتا رہا تھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ د
کی کوشش کرتا رہا تھا کہ جیپ کے آس پاس اور کوئی تو نہیں ہے...... کہیں دھوکہ
کھا جاؤں...... بہر حال جب میں نے یہ محسوس کر لیا کہ اور کوئی نیچے نہیں آیا ہے اور یہ
دیکھ لیا کہ عورت عمارت کے گیٹ سے اندر داخل ہو گئی ہے تو میں نے اپنی جگہ چھوڑی اور
راستے سے نیچے اتر آیا، جس سے اُوپر گیا تھا...... عورت اس کمرے میں داخل ہو گئی تھی ج
لیمپ جل رہا تھا...... کمرے میں پہنچ کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر مدھم لہجے میں بولی۔

”مسٹر دیپک...... مسٹر دیپک۔“ میں دروازے سے اندر داخل ہو گیا...... لیمپ
مدھم روشنی میں، میں نے اس کے دمکتے ہوئے چہرے کو دیکھا...... تقریباً تیس سال کی
خوب صورت عورت تھی...... میرے قدموں کی آہٹ پر اس کا رُخ میری جانب ہو گیا
اس کی بڑی بڑی چمکتی ہوئی آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں...... میں نے سرد لہجے میں کہا۔

”ہیلو......“ رہ جیسے میرے وجود میں اتر رہی ہو، بڑی تیزی تھی اس کی آنکھوں میں
ایک دم اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”آزادی کی مبارک باد پیش کرتی ہوں مسٹر دیپک۔“

”شکریہ۔“

”بیٹھئے...... مجھے آپ سے بہت اہم گفتگو کرنی ہے، دروازہ بند کر دوں۔“

”اگر آپ ضروری سمجھتی ہیں تو۔“ میں نے جواب دیا۔

”جی...... بند کر دینا زیادہ مناسب ہے، حالانکہ میرے ساتھ صرف ڈرائیور آیا ہے اور
وہ یہاں سے بہت فاصلے پر جیپ میں بیٹھا ہوا ہے۔“

”آپ سے ایک سوال کر سکتا ہوں میں سیمہ۔“ میں نے کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے
لگی...... ایک بار پھر اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش اُبھرے تھے، لیکن بہت جلد خود کو
سنبھالنا جانتی تھی، اس نے مسکرا کر کہا۔

”آپ میرا نام جانتے ہیں۔“

”ہاں...... مجھے یہاں لانے والوں نے مجھ سے کہا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد مس
سیمہ یہاں پہنچ جائیں گی۔“

”اس کے علاوہ آپ مجھے نہیں جانتے۔“ اس نے پلٹتے ہوئے کہا اور دروازہ بند کر دیا،
پھر واپس آکر ایک ٹوٹی پھوٹی کرسی پر بیٹھ گئی اور مجھے پلنگ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”یہ جانتی ہیں آپ کہ اس سے پہلے میری آپ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔“

”کیا آپ کی یادداشت پر کچھ اثر پڑا ہے مسٹر دیپک! آپ کو علم ہے کہ ہم لوگ طویل
عرصے تک ساتھ کام کرتے رہے ہیں...... میری اور آپ کی جوڑی تو بڑی مشہور تھی۔“

”مگر اس کے باوجود آپ کی اور دیپک کی جوڑی بہت مشہور تھی اور آپ گہرے ساتھی
اور دوست ہیں...... آپ مجھے دیپک سمجھ رہی ہیں تو یہ بڑے تعجب کی بات ہے، اگر میں
دیپک کا ہم شکل بھی ہوں تو کم از کم اتنے قریبی ساتھیوں کو کوئی نہ کوئی ایسی صورت حال
معلوم ہوتی ہے جس سے وہ اپنے قریبی ساتھی کو پہچان لیں...... آپ کی اس بات پر مجھے
حیرت ہوئی ہے۔“

”آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”یہی کہ میں دیپک نہیں ہوں۔“

”نہیں ہیں۔“

”ہاں۔“

"لیکن آپ کو تو کشمیری کیمپ سے لایا گیا ہے۔"

"ہاں۔"

"جس نے مجھے دیپک کے دھوکے میں یہ آزادی دلائی، اس کا میں دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر مسٹر دیپک کی رہائی کے لئے کچھ اور ہو سکتا ہے تو ضرور کریں، کیونکہ میں تو بس دھوکے میں ہی یہاں آیا ہوں، مجھے صرف ایک بستر تبدیل کرنا پڑا تھا اور بس۔" سیمہ کے چہرے پر اب کچھ مختلف آثار پیدا ہو گئے تھے...... اس کی آنکھیں جھک گئیں اور وہ سوچ میں ڈوب گئی، کچھ دیر اسی طرح سوچتی رہی پھر مدہم لہجے میں بولی۔

"آپ ایک اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں...... میں جانتی ہوں کہ آپ دیپک نہیں ہیں...... جو لوگ آپ کو دیپک کے دھوکے میں لائے تھے وہ غلط فہمی کا شکار ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ وہ اسی غلط فہمی کا شکار رہیں...... یہ ایک مختصر سی کہانی ہے، آپ بے شک دیپک کے ہم شکل بھی نہیں ہیں، لیکن جن لوگوں کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی، وہ دیپک کی صورت سے بھی آشنا نہیں تھے۔"

"جتنے اُلجھے ہوئے یہ الفاظ ہیں آپ خود بھی سمجھتی ہیں کہ ایک ایسا اجنبی جو اس کیمپ کا قیدی ہو اور اسے دُنیا کے کسی قسم کے رابطے کا سہارا نہ ہو، کیا جان سکتا ہے براہ کرم مجھے تمام تفصیل بتائیے یا پھر اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں دیپک نہیں ہوں تو فیصلہ کیجئے کہ میرے ساتھ آپ کا کیا رویہ ہوگا...... اصل میں مس سیمہ میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا ہوں۔"

"ایک بات بتانا پسند کریں گے آپ۔"

"جی فرمائیے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ کون ہیں، کشمیری تو نہیں معلوم ہوتے آپ۔"

"میں پاکستانی ہوں...... غلط فہمی کی بنیاد پر سرحدی علاقے سے مجھے پکڑ لیا گیا تھا...... مقامی فوجیوں نے مجھے پاکستانی جاسوس سمجھا اور میرے اُوپر مظالم کے پہاڑ توڑ دیئے گئے۔

زخمی ہو کر ہسپتال پہنچا تھا کہ آپ فرشتہ رحمت بن گئیں میرے لئے...... میں ایک مکمل طور پر بے قصور انسان ہوں...... میرا تعلق تو ایسے کسی شعبہ سے ہے بھی نہیں۔" وہ اپنی چمکدار نگاہیں اُٹھا کر مجھے دیکھتی رہی، پھر اس نے کہا۔

"کیا نام ہے آپ کا۔"

"خرم شہزاد۔" میں نے جواب دیا۔

"خرم صاحب...... دیپک کی کہانی یوں سمجھ لیجئے کہ وہ ہماری تنظیم کا ایک شاندار کارکن تھا...... ہماری تنظیم کی کیا حیثیت ہے، براہ کرم اس بارے میں مجھ سے سوال مت کیجئے...... بس یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارا تعلق کشمیر کے مشن سے نہیں ہے، ہم تو ایک ایسے گروپ سے متعلق ہیں جو بہت سے مشکل کام کرتا ہے...... بے چارہ دیپک ایسے ہی ایک مشن میں غلط فہمی کی بنیاد پر مارا گیا اور اس غلط فہمی کی مکمل ذمہ دار میں تھی، عورت کی آواز میں ایک ہلکی سی سرزنش پیدا ہو گئی اور وہ کسی قدر بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ہاں...... دیپک ایک شاندار کارکن تھا، وہ مر گیا اور یہ بات صرف مجھے معلوم تھی۔ میں ہی اس کی موت کا سبب بنی...... میں نے اسے خاموشی سے دفن کیا اور اس راز پر پردہ پڑا رہنے دیا، کیونکہ اگر یہ راز منظر عام پر آجاتا تو میں زندہ نہ رہتی...... میری تنظیم کے افراد مجھے ہلاک کر دیتے...... میں نے تنظیم کے افراد کو یہی بتایا کہ دیپک زخمی ہو گیا ہے، اس کا چہرہ بگڑ گیا ہے اور اس کا علاج ہو رہا ہے...... پھر میں نے نیا کھیل کھیلا...... میں نے ان لوگوں کو بتایا کہ دیپک کے چہرے پر سرجری کی جا چکی ہے اور اس کا چہرہ بدل گیا ہے، لیکن غلط فہمی کی بنیاد پر وہ اس وقت ایک کشمیری کیمپ میں قید ہے...... تنظیم چونکہ مجھ پر پورا پورا یقین رکھتی تھی اور میں خود بھی تنظیم کی ایک اچھے عہدیدار تھی، اس لئے انہوں نے میری بات پر شک نہیں کیا، بلکہ مجھ سے تعاون کرتے رہے...... میں نے جب ان لوگوں کو بتایا کہ آرمی نے دیپک کو گرفتار کر لیا ہے اور وہ سو فیصدی غلط فہمی ہے تو وہ لوگ اس بات پر تیار ہو گئے کہ اس کیمپ سے دیپک کو آزادی دلائیں...... پھر انہوں نے ایک منصوبہ بنایا، ہماری ایک کارکن کیمپ میں

داخل ہوگئی اور اس نے ساری منصوبہ بندی کی، وہاں بھی بس یوں سمجھ لو کہ بس تقدیر نے
میرا ساتھ دیا...... میرے ذہن میں یہ منصوبہ تھا کہ کسی کو دیپک کی حیثیت سے اغوا کرا دیا
جائے اور اس کے بعد اس کے بارے میں فوجی حکام کو اطلاع دے دی جائے...... نتیجہ یہ ہو کہ
فوجی احکام اغوا ہونے والے یا فرار ہونے والے شخص کو ہلاک کر دیں، تب اس طرح میں
تنظیم کے سامنے دیپک کی موت کا اظہار کر دوں...... میں نے ایسے ہی اس بستر کے بارے
میں ان لوگوں کو بتا دیا تھا، جس پر تم موجود تھے، یعنی ہسپتال میں وہاں سے تمہیں اٹھا لیا گیا اور
اس طرح تم یہاں تک پہنچ گئے...... خرم خوش قسمتی ہے تمہاری یا میری کہ تم بچ کر یہاں تک
آ گئے اور ایک بے گناہ میری وجہ سے نہ مارا گیا...... میں یہ سب بحالت مجبوری کر رہی
تھی...... سمجھ رہے ہو ناں اب جب مجھے اطلاع ملی کہ ان دونوں نے دیپک کو زندہ سلامت
ڈاک بنگلے تک پہنچا دیا ہے تو میں یہاں آ گئی، مجھے انتہائی افسوس ہے کہ تمہیں میری وجہ سے
پریشانی ہوئی، لیکن بہر حال صلے کے طور پر تمہیں آزادی کی خوش خبری دے رہی ہوں اور
مبارک باد بھی۔" وہ خاموش ہو گئی اور میں حیرت سے منہ پھاڑے اسے دیکھتا رہا...... بڑی
دلچسپ اور انوکھی داستان تھی، کیا ہی حیرت ناک اتفاق، لیکن یہ سب قدرت کے کھیل
تھے۔" قدرت کا اپنا عمل ناقابل فہم ہوتا ہے...... مجھے قیدیوں کے کیمپ سے نکال کر یہاں
تک پہنچا دیا اور اس کے بعد آزادی کی یہ پیشکش میں اسی سوچ میں گم تھا کہ سیمہ نے کہا۔

"مسٹر دیپک...... میرا مطلب ہے کہ مسٹر خرم! اب یہاں سے میرے لئے پھ
مشکلات کا آغاز ہوتا ہے، یعنی یہ کہ وہ لوگ مجھ سے سوال کریں گے کہ دیپک کہاں ہے؟
میرے پاس ان کو دینے کے لئے کوئی جواب نہیں ہے...... آپ تو اپنی راہ چلے جائیں گے
لیکن میں۔" اس نے پریشانی کی ایک سسکی لی، پھر بولی۔

"میرے لئے واقعی بہت ہی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں، اچھا اب آپ یہ بتائیے کہ اب
آپ یہاں سے کہاں جانا پسند کریں گے۔"

"میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے مس سیمہ...... آپ کو تفصیل بتا چکا ہوں، گھن چا

کر رکھ دیا ہے ان لوگوں نے میرے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں کیں، اگر مجھے
ستانی جاسوس قرار دیا گیا تھا تو اس کے بعد بھی کوئی ایسا عمل نہیں کیا گیا جو جاسوسی کے
زام میں کیا جاتا ہے، یعنی کوئی مقدمہ وغیرہ، کوئی رابطہ، تفتیش، معلومات، عجب بھیڑ چال
ظر آئی مجھے۔"

"اس کی وجہ میں سمجھتی ہوں...... آپ کو شروع ہی سے تو اس کیمپ میں نہیں رکھا گیا۔"

"بہت تھوڑے دن میں سرحد پر قید رہا ہوں، اس کے بعد انہوں نے مجھے اس کیمپ
بں منتقل کر دیا۔"

"یہی وجہ ہے اس کیمپ میں تقریباً ننانوے فیصد کشمیریوں کا مسئلہ طے کیا جاتا ہے، جو
پچھ ہوتا ہے وہاں وہ آپ نے دیکھ لیا ہوگا...... میرا مطلب یہ ہے کہ اس طرح آپ کا معاملہ
کھٹائی میں پڑ گیا...... خیر میں نہیں جانتی کہ آپ کا آئندہ کیا منصوبہ ہوگا، لیکن اتفاق کی بات
ہے کہ دیپک کی حیثیت سے آپ زندہ سلامت یہاں تک آ گئے ہیں...... اگر تھوڑی سی میری
مشکل دور کر دیں تو میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔"

"بتائیے مس سیمہ کیا کر سکتا ہوں میں آپ کے لئے۔" میں نے پوچھا تو وہ چند لمحات
کے لئے پھر خاموش ہو گئی...... اس کے بعد اس نے آہستہ سے کہا۔

"بہت تھوڑے سے عرصے کے لئے اگر آپ دیپک ہی بن جائیں تو آپ کو کوئی
اعتراض ہوگا۔" میں حیرانی سے اس کی صورت دیکھنے لگا تھا۔

بہت سے خیالات، میرے ذہن میں آرہے تھے...... اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اپنا وطن اپنا ہی وطن ہوتا ہے...... کوئی بدنصیب ہی ہوگا جسے اپنے وطن کے علاوہ کوئی اور جگہ بھائے...... میں تو اس دوران ہی یہ محسوس کرتا رہا تھا کہ مجھ سے میری زمین چھن گئی ہے اور یہ میرے لئے ایک المیہ ہے، لیکن کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا...... اہل وطن تو میری زندگی کے گاہک تھے، پولیس مجھے تلاش کر رہی تھی اور اپنے ہی وطن میں چھپتا پھر رہا تھا...... کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اگر پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو کیا حشر کیا جائے گا...... ایک قاتل کی حیثیت دے دی گئی تھی مجھے، حالانکہ میں تو بے گناہ انسان تھا، لیکن کون کسے سمجھاتا، اب اگر تقدیر نے جیل سے نکال کر یہ ایک نیا کھیل شروع کیا ہے تو تقدیر سے لڑنا بھلا کیا معنی رکھتا ہے...... یہ عورت جس طرح یہ اظہار کر چکی تھی کہ اس کا تعلق کسی تنظیم سے ہے، اگر وہ میرے خلاف ہوجائے تو مجھے واپس اس کیمپ میں پہنچایا جاسکتا ہے...... ابھی تو میں بالکل ہی بے دست و پا ہوں، کوئی ٹھکانہ نہیں ہے میرا، کم از کم اس کی وجہ سے زندگی کو ایک سہارا تو ملے گا...... میں نے اس سے کہا۔

"مس سیمہ ساری تفصیلات آپ کو بتا چکا ہوں...... بہت غور کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ سے مکمل طور پر تعاون کیا جائے...... براہ کرم مجھے مسٹر دیپک کے بارے میں وہ تمام تفصیلات بتا دیجئے، جس کی بنیاد پر میں دیپک بن کر اپنا کردار نبھا سکوں۔"

اس نے سیمہ کے چہرے پر بے پناہ خوشی کے آثار دیکھے تھے، اس نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ میں سب کچھ بتا دوں گی، ہمیں ابھی چلنا ہے اسی وقت...... راتوں رات ہمیں ایک طویل سفر طے کرنا ہے، پھر اس کے بعد ہم سری نگر سے دہلی روانہ ہوجائیں گے۔" میں نے گردن ہلا دی تھی...... تھوڑی دیر تک سیمہ مجھے دیکھتی رہی، پھر اس نے کہا۔

"آؤ...... چلیں اب میں تمہیں صرف اور صرف دیپک کے نام سے مخاطب کروں گی۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلا دی تھی...... ہم دونوں رات کی تاریکی میں اس مکان سے باہر نکل آئے...... چلتے ہوئے سیمہ نے وہ روشنی گل کر دی تھی جو یہاں زندگی کا احساس دلاتی تھی...... جیپ ڈھلان میں کھڑی ہوئی تھی...... ڈرائیور شاید ہماری جانب نگران تھا...... فوراً ہی اسے اسٹارٹ کر کے اس جگہ لے آیا جہاں سے ہم جیپ میں سوار ہوسکتے تھے...... پھر اس کے بعد درحقیقت صبح ساڑھے چار بجے تک کا سفر کیا گیا تھا، کہیں پر کچھ بھی نہیں تھا...... میں نے اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر دیا تھا، جن حالات سے نکل کر یہاں تک آیا تھا اس سے بدتر حالات بھلا کیا ہوں گے، چنانچہ آرام سے جیپ کے پچھلے حصے میں گھٹنوں میں سر دے کر سو گیا تھا...... ایک دو گھنٹے ہی سویا ہوں گا کہ سیمہ نے جگا دیا اور بولی۔

"سوری ڈیئر دیپک، لیکن اب تم ایک ایسی جگہ پہنچ چکے ہو، جہاں تم بڑے مزے سے گرم بستر میں سو سکتے ہو۔" میں نیم غشی کے عالم میں آنکھیں ملتا ہوا سیمہ کے ساتھ اندر آیا، اس نے مجھے ایک بستر میں لٹایا اور میرے اوپر ڈبل کمبل ڈال دیا...... کیا ہے انسان بھی آسائشوں کا رسیا، زندگی میں سب کچھ پا لینے کا خواہش مند، چنانچہ یہ آرام دہ بستر میرے لئے اتنا روح پرور تھا کہ سویا تو جاگنے کو دل نہ چاہا...... رات تو خیر باقی ہی نہیں تھی، لیکن دوسرا دن اسی بستر میں گزر گیا اور آنکھ اس وقت کھلی جب رات کے آٹھ بج رہے تھے...... پیٹ میں جو گڑبڑ ہو رہی تھی، وہ اپنی جگہ تھی، لیکن بدن اتنی آسودگی محسوس کر رہا تھا کہ دل چاہ رہا تھا کہ گانا شروع کر دوں...... خوشیوں سے قہقہے لگاؤں، اب میں نے آنکھیں کھول کر اس کمرے

کے ماحول کو دیکھا تھا...... صاف ستھرا سا ہلکی پھلکی سجاوٹ والا کمرہ تھا...... فوم کا شاندار بستر
موٹے موٹے ایرانی کمبل مزہ دے گئے تھے...... ایک جگہ باتھ روم نظر آرہا تھا...... بہت دیر
تک لیٹا یہ سوچتا رہا کہ شاید کوئی مجھے مخاطب کرنے کی کوشش کرے...... گزرے ہوئے
سارے واقعات یاد آگئے تھے اور دل نے یہ بات تسلیم کرلی تھی کہ سیمہ غلط نہیں کہہ رہی
ہے...... دیپک کی حیثیت سے کچھ دن کے لئے مجھے ایک بہتر سہارا مل جائے گا، بلکہ لیٹے لیٹے
یہ بھی سوچا کہ کون اپنا مذہب چھین سکتا ہے...... کون شخصیت چھین سکتا ہے، اگر کبھی وقت
نے موقع دیا اور پاکستان واپس پہنچا تو کوشش کروں گا کہ اپنے دوستوں سے ملاقات کروں
ورنہ خرم شہزاد ہی کی حیثیت سے پاکستان کے کسی شہر میں زندگی گزارنے کی کوشش کروں
گا۔ انسان ایسا ہی کرسکتے ہیں، خاص طور سے میرے جیسے لوگ جو دنیا میں لاوارث ہو جاتے
ہیں...... بہت سے فیصلے کئے اور اس کے بعد صرف اس لئے اُٹھ گیا کہ بھوک لگ رہی
تھی...... واش روم میں گیا تو نیم گرم پانی سے طبیعت مچل گئی...... پتہ نہیں کتنے عرصے سے
غسل نہیں کیا تھا...... بدن پر میل کی تہیں جمی ہوں گی، شیو کا سامان بھی تھا چنانچہ ساری
آرزوئیں پوری کرلیں اور بال وغیرہ بنا کر تیار ہو گیا...... لباس کا مسئلہ البتہ حل نہیں ہوا
تھا...... وہی چیتھڑے بدن پر سجائے باہر آگیا...... باہر نکلا ہی تھا کہ سیمہ نظر آئی، ایک ملازمہ
کے ساتھ کھانے پینے کا سامان لے کر اندر آئی تھی...... مجھے دیکھ کر ٹھٹھک گئی، کچھ لمحے
آنکھیں پھاڑے دیکھتی رہی...... پھر جلدی سے ملازمہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

”ٹھیک ہے ٹرالی چھوڑ دو اور تم جاؤ۔“ ملازمہ باہر نکل گئی تو اس نے پھر دروازہ اندر سے
بند کرلیا اور میری طرف دیکھ کر مسکراتی نگاہوں سے بولی۔

”مائی گاڈ...... دیپک یہ تم ہی ہو...... افسوس وقت انسان کا حلیہ کس قدر بدل دیتا ہے
مگر پلیز تم نے الماری کا جائزہ نہیں لیا...... الماری میں تمہارا لباس موجود ہے...... چھی، چھی
چھی یہ گندہ لباس اتار کر پھینک دو...... میں نے تمہارے لئے بہترین کپڑوں کا بندوبست کیا
ہے۔ جاؤ...... اچھے نہیں لگ رہے، اس لباس میں...... ٹھہرو...... میں تمہیں لباس نکال کر

دیتی ہوں۔“ وہ اپنی جگہ سے آگے بڑھی اور الماری سے اس نے میرے لئے کپڑے
نکالے...... مجبوری تھی اس لئے یہ پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے...... ان سے تو بہت سی
خوفناک یادیں وابستہ تھیں...... لباس لے کر ایک بار پھر واش روم میں گیا...... پرانے کپڑوں
سے نجات حاصل کی تو یوں لگا جیسے بدن کی کھال ہی بدل گئی ہو...... جسم پر جو کچھ تھا وہ مظالم
کی حیثیت سے تحریر تھا...... باہر نکلا تو سیمہ مسکرا کر بولی۔

”تم دیپک سے زیادہ خوب صورت اور تندرست ہو...... خوب سج رہا ہے یہ لباس
تمہارے بدن پر...... اگر کسی نے تم پر بہت زیادہ غور کیا تو اس انداز میں ضرور سوچے گا کہ چلو
چہرہ تو بدل گیا تمہارا قد اور بدن کیسے بدل گیا، لیکن میں سمجھتی ہوں جتنا غور میں نے تم پر کیا
ہے...... اتنا شاید کسی اور نے نہ کیا ہوگا۔“ مجھے ایک دم سے میجر کامتی یاد آگئی...... میجر کامتی
کی آنکھوں میں بھی مجھے دیکھ کر کچھ دیر کے لئے ایسے ہی آثار پیدا ہوگئے تھے جیسے اس وقت
سیمہ کی آنکھوں میں لیکن میں بچنا چاہتا تھا...... میں اپنی زندگی کو اس طرف نہیں لانا چاہتا
تھا...... سیمہ نے کہا۔

”آؤ...... پتہ نہیں کب سے بھوکے ہو۔“

”ہاں...... پتہ نہیں۔“ میں نے جواب دیا اور واقعی میں نے ثبوت دیا اس بات کا کہ
نجانے کب سے بھوکا ہوں...... سیمہ خود میری حوصلہ افزائی کرتی رہی تھی...... کھانے سے
فراغت حاصل کرنے کے بعد ہم نے کافی پی...... کیا ہی لطف آرہا تھا...... اچانک ہی مجھے کیمپ
کا ماحول یاد آیا...... وہاں موجود انسان یاد آئے اور میرے حلق میں ایک گولہ سا آپھنسا...... آہ،
کاش جس طرح وقت نے مجھے موقع دیا ہے، اسی طرح ان زندگی سے دُور لوگوں کو بھی وقت
کا موقع ملے...... دل میں ایک افسردگی سی پیدا ہوگئی، سیمہ نے کہا۔

”ویسے تو تم پورا دن سوئے ہو، لیکن میں چاہوں گی کہ آج کی رات بھی تم سکون سے
سو جاؤ...... پتہ نہیں کتنے عرصے کی تھکن ہے، دور ہو جائے گی۔“ وہ میرے احساسات سے
بے خبر تھی...... میں نے پھیکے سے انداز میں گردن ہلادی...... سیمہ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی

گئی...... پھر رات کا کھانا وہی ملازمہ میرے لئے لے کر آئی...... سیمہ اس کے ساتھ نہیں آئی تھی...... کھانا بھی کھایا اور اس کے بعد رات کو تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک جاگتا رہا، سوچتا رہا۔ دوسری صبح ناشتے کے وقت سیمہ میرے پاس آگئی تھی...... اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"چہرہ گلابی ہو گیا ہے، حالانکہ جس وقت پہلی بار میں نے تمہیں دیکھا تھا تو رات ہونے کے باوجود مدہم روشنی میں تم مجھے بہت ہی مضمحل اور نڈھال نظر آئے تھے...... اب ٹھیک ہونا۔"

"ہاں...... مس سیمہ۔"

"جسم میں کوئی ایسی تکلیف تو نہیں ہے۔"

"نہیں کوئی ایسی تکلیف نہیں ہے، جو مجھے کسی کام سے روک دے۔"

"نہیں ابھی تمہیں کچھ دن آرام کرنا ہے...... میں ہیڈ کوارٹر کو تمہارے بارے میں رپورٹ دے چکی ہوں...... آج میں تمہیں دیپک کے بارے میں ساری تفصیلات سمجھائے دیتی ہوں اور پیشکش کرتی ہوں کہ اگر تم چاہو تو جتنے عرصے بھی تم پسند کرو...... دیپک بن کر زندگی گزارو، جو کام بھی تمہیں دیا جائے گا اس کے بارے میں تمہیں بریف کر دیا جائے گا اور پھر معاوضہ اتنا زبردست کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے...... جگہ جگہ کی سیر وسیاحت، کام اتنا مشکل نہیں ہوگا، بلکہ دیپک کے لئے تنظیم کے لوگوں نے جس کام کا انتخاب کیا تھا وہ بڑا ہی دلچسپ اور ایڈونچرز ہے...... میں تمہیں اس کی تفصیل بھی بتادوں گی، کیا سمجھے...... ویسے جب بھی تم اس ماحول سے بھاگنا چاہو گے، میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں اس مشکلات سے نکال لوں گی اور ایسی جگہ پہنچادوں گی جہاں یہ لوگ تمہارا تعاقب نہ کرسکیں...... چاہے وہ پاکستان ہی ہو، ہمارا معاملہ دوسرے سیاسی معاملات سے بالکل الگ تھلگ ہے اور ہم کسی بھی تعصب میں گرفتار نہیں ہوں گے۔"

"مس سیمہ...... یہاں آنے کے بعد اور حالات کا تجزیہ کرنے کے بعد میں خلوص دل سے اس بات کے لئے تیار ہوں کہ دیپک ہی کی حیثیت سے سہی...... آپ لوگوں کے ساتھ

کام کروں گا اور مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" سیمہ کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پیدا ہو گئے...... پھر اس کے بعد مجھے دیپک کے بارے میں اتنا کچھ بتایا گیا کہ میں سچ مچ خود کو دیپک ہی سمجھنے لگا...... مجھے اس کی حیثیت سے کام کرنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا...... خاص طور سے اس بات کا اطمینان ہو گیا تھا کہ دیپک اس دنیا میں نہیں ہے اور یہ راز صرف سیمہ ہی کو معلوم ہے، پھر کئی دن تک سیمہ مجھ سے دیپک کی کہانیاں بیان کرتی رہی...... پھر ایک دن اس نے کہا

"ہو سکتا ہے میں کچھ وقت کے لئے کہیں چلی جاؤں، ڈیئر دیپک...... اس دوران تم دہلی کے تمام علاقے دیکھ لو، ہو سکتا ہے تمہیں اس کی ضرورت پیش آجائے۔" میں نے گردن ہلا دی...... دو دن تک ہم اس تاریخی شہر کے ہر مقام کا جائزہ لیتے رہے...... دہلی کی تاریخ بھی اپنی طرز کی منفرد تاریخ ہے، تمام تاریخی مقامات کا جائزہ لیا گیا...... پھر اچانک اس رات سیمہ نے کہا۔

"دیپک! مجھے ایک بہت ہی ضروری کام سے جاپان جانا ہے اور شاید میں کل ہی روانہ ہو جاؤں...... اب جاپان جانے سے پہلے تم سے ملاقات ممکن نہیں ہے...... کسی قسم کی کمی محسوس کر رہے ہو تو مجھے بتادو...... ویسے پشپا کو تمہارے لئے تمام ہدایات دے دی گئی ہیں......

پشپا ہماری اٹینڈنٹ تھی اور میرے سارے کام وہی کیا کرتی تھی...... میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم مطمئن رہو سیمہ...... میری طرف سے تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔" بہرحال میں تھوڑا سا متعردد ضرور تھا، لیکن اب اتنے عرصے کے بعد مجھے اپنے آپ پر اعتماد بھی ہو گیا تھا اور یہاں کے ماحول پر بھی...... میں سمجھ گیا کہ اب مجھے اپنے طور پر دیپک بن کر گزارہ کرنا ہوگا، میں نے اپنے ذہن کو ہر طرح سے تیار کر رکھا تھا...... سیمہ چلی گئی، پشپا بھی بہت اچھی عورت تھی...... پڑھی لکھی تھی...... سیمہ کے جانے کے بعد اس نے مجھ سے تھوڑی سی بے تکلفی کا مظاہرہ کیا اور بولی۔

”مسٹر دیپک...... یہ نہ سمجھئے گا کہ میں آپ کی حیثیت سے منحرف ہو رہی ہوں۔ ھتی ہوں کہ ہر انسان کو ایک اچھے ساتھی اور دوست کی ضرورت ہوتی ہے...... آپ چا تو مجھے دوست نہ سہی، لیکن اچھا ساتھی ضرور سمجھیں...... یہ میری خواہش ہے۔“

”مس پشپا! میں انسان کو ہر حالت میں انسان سمجھنے کا عادی ہوں...... بس اتنا کہ کافی ہے۔“

”میں جانتی ہوں سر۔“ پشپا نے مسکراتے ہوئے کہا...... پشپا بھی بہت اچھی دو ثابت ہوئی...... سیمہ کے جانے کے کوئی چوتھے دن پشپا نے مجھے بتایا کہ مسٹر ہریش آر ہیں...... مسٹر ہریش کے بارے میں سیمہ ہی نے مجھے بتادیا تھا کہ ہمارے سیکشن کے انچا ہیں...... سیمہ نے مجھے ان کی تصویر وغیرہ بھی دکھائی تھی اور ان کی شخصیت کے بارے پوری تفصیلات بتائی تھیں...... مسٹر ہریش کا استقبال میں نے بڑے پرجوش انداز میں کیا مسٹر ہریش مجھے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے تو سخت پریشان ہوئے...... پھر انہوں نے جذ انداز میں آگے بڑھ کر مجھے گلے لگالیا۔

”تمہیں زندہ سلامت دیکھ کر مجھے جس قدر خوشی ہوئی ہے دیپک! الفاظ میں بیان نہ کر سکتا...... ویسے جس شخص نے بھی تمہارے چہرے کی سرجری کی ہے، میں اس کے ہا چوم لینا چاہتا ہوں...... بڑا ماہر آدمی تھا...... کون تھا وہ؟“

”انڈونیشیا کا باشندہ تھا جناب! بالکل ایک فقیر جیسا انسان، اسے نہ دولت کی طلب نہ اپنے نام و نمود کی...... بس اپنے فن کا رسیا تھا...... شاید مس سیمہ نے آپ کو بتایا ہو کہ نے اپنی ان کاوشوں کا کوئی معاوضہ نہیں لیا تھا، بلکہ جب ایک بار اپنا مکروہ چہرہ دیکھ کر میر نکھوں میں آنسو آئے تھے تو اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا کہ مائی ڈ دیپک! تمہیں پہلے سے زیادہ خوب صورت نہ بنادوں تو میرا نام نہیں ہے۔“

واقعی اس میں کوئی شک نہیں، جس قدر ہینڈسم تم ہوگئے ہو میں سوچ بھی نہیں تھا، خیر...... میں بہت زیادہ وقت نہیں دے سکوں گا...... تمہارے سپرد جو ذمہ داری کر

ہوں، وہ بڑی اہمیت کی حامل ہے، اس کے لئے تمہیں بہت ہی خاص انداز میں کام کرنا ہوگا۔ میں تمہیں مکمل بریف کروں گا اور اس کے بعد رات ہی کو چلا جاؤں گا...... سمجھ رہے ہو نا تم، تمہیں سب سے پہلے لندن جانا پڑے گا اور جو حیثیت تمہیں دی جارہی ہے اس حیثیت سے کام کرنا ہوگا...... ویسے تم دیکھو گے کہ جو کام تمہیں سونپا جارہا ہے وہ بے حد دلکشی کا حامل ہے،

اسی رات مسٹر ہریش نے مجھے میرے کام کے سلسلے میں تفصیلات بتائیں اور مجھے واقعی دلچسپی کا احساس ہوا...... زندگی میں بہت بار دنیا کے مختلف ممالک کے بارے میں سوچا تھا اور اس سلسلے میں لندن ہی بار بار ذہن میں آیا تھا، لیکن بستی مراد کا رہنے والا ایک معمولی سا آدمی بھلا اس طرح غیر ممالک کی سیر کے بارے میں کیا سوچ سکتا تھا، لیکن اب تقدیر نے یہ موقع فراہم کیا تھا...... تقدیر کے کھیل پر ہنسی بھی آتی تھی اور حیرانی بھی ہوتی تھی، کیا ہے انسان کی زندگی؟ کبھی ریل کبھی جیل، کیسے بھیانک لمحات سے گزرا تھا...... بے شک زیادہ دن نہیں ہوئے تھے اور کبھی کبھی یہ سوچتا تھا کہ یہ بدلی ہوئی زندگی صرف ایک خواب ہے...... آنکھ کھلے گی تو پھر اس منحوس قید خانے کی کوئی تنگ و تاریک کوٹھڑی ہوگی...... وہی ظالم بھیم سنگھ اور وہی وحشی عورت میجر کامتی ہماری تقدیر کے مالک ہوں گے اور ہمیں اذیتوں میں پناہ دی جائے گی، لیکن اللہ کا حکم وہ وقت ٹل گیا تھا...... خداوند عالم! مظلوم کشمیریوں پر سے بھی یہ برا وقت ٹالے...... اس سے زیادہ اور کیا کہوں...... غرض یہکہ مسٹر ہریش کی ہدایت کے مطابق تمام تر معلومات حاصل کر کے میں لندن روانہ ہونے کے لئے تیار ہوگیا اور پھر ایک دن میری روانگی کے لئے متعین کر دیا گیا...... مقررہ وقت پر پالم ایئرپورٹ سے میں لندن کے لئے روانہ ہوگیا۔

❁❁❁

بالکل نئی دُنیا تھی...... بڑی پر سحر زمین سے فضا میں اُڑتے ہوئے جہازوں کو دیکھ
تھا...... بچپن میں تو شدید حیران ہوتا تھا کہ کیا واقعی اس چھوٹے سے جہاز میں اتنے سارے
آدمی موجود ہوتے ہیں...... یقین نہیں آتا تھا لوگوں کو جھوٹا سمجھتا تھا...... یہ تو چھوٹے
چھوٹے پرندے ہیں، جیسے چیل، کبوتر، بس فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے پر فضا میں ساکت
ہوتے ہیں، جبکہ چیل اپنے پروں سے بجلی پیدا کر کے پرواز کرتی ہے اور اسی طرح کبو
بھی...... پھر دوران تعلیم جہازوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی، کبھی خاص طور سے
یہ خواہش کی بھی نہیں تھی، بات وہی تھی...... جہازوں کی اُڑان کو دیکھنے کے بجائے اپنی اڑان
کو دیکھنا اور اسے سمجھنا زیادہ ضروری تھا اور میری اُڑان یہ تھی کہ بمشکل تمام شہر سے رمضان
چچا تک پہنچ جاؤں...... بس آج فضا میں پرواز کرتے ہوئے اپنے آپ کو آسمان سے اُونچا سمجھ
رہا تھا...... نیچے بادلوں کے غول گردش کر رہے تھے تو مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرا جسم زمین
پر ہی ہو اور صرف میری روح فضا میں پرواز کر رہی ہو...... آسمان سے اُونچے کا لفظ بار بار
میرے ذہن پر آ رہا تھا...... پھر اپنے آپ کو سنبھالنا ضروری سمجھا ...... یہ تو وقت کی دین ہے
کچھ دن پہلے زندگی ہی وبال لگنے لگی تھی، لیکن قدرت کس طرح رنگ بدل دیتی ہے، اس کا
اندازہ اب ہو رہا تھا...... زیادہ عرصہ بھی تو نہیں ہوا تھا کہ کیا سے کیا ہو گیا...... بار بار وہ ساتھی
یاد آ جاتے تھے، جو زندگی سے دور موت سے قریب وقت گزار رہے تھے...... کاش، ان کے

لئے کچھ کر سکتا، لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی...... لندن تک کا یہ سفر جیسے جیسے
احساسات کا مرکز رہا انہیں الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے، اپنے آپ کو بہت سنبھالے ہوئے
تھا...... ہریش بے چارہ مجھے دیپک سمجھتا تھا اور اس نے دیپک ہی کی حیثیت سے مجھے بھیجا تھا۔
وہ بے چارہ نہیں جانتا تھا کہ میں اس پائے کا انسان نہیں ہوں...... جتنے بڑے کام کے لئے اس
نے مجھے بھیجا ہے، لیکن یہ بڑا کام مجھے کرنا تھا...... مجھے بتا دیا گیا تھا کہ ایئرپورٹ پر میرا استقبال
کرنے کے لئے کوئی آئے گا، وہ اپنے تعارف کے لئے جو اقدام کرے گا وہی اس کی شناخت
ہوگی اور مجھے اچھی طرح ذہن نشین کرنا پڑا تھا کہ آنے والی شخصیت کس طرح مجھ سے اپنی
شناخت کرائے گی...... آخرکار جہاز کے مائیکروفون پر اعلان ہوا کہ جہاز بخیر و خوبی لندن
ایئرپورٹ پر پہنچ چکا ہے ار مسافر نیچے اترنے کی تیاریاں کر لیں...... پھر میں نے باہر کا منظر
دیکھا، اناؤنسر لندن کے موسم کے بارے میں تفصیل بتا رہا تھا...... پورا شہر دھند میں لپٹا ہوا تھا
اور ایک ہفتے سے یہاں سورج نہیں نکلا تھا...... بہرحال ہریش نے تمام انتظامات کے ساتھ
بھیجا تھا، ان لوگوں کو تو ظاہر ہے تمام تفصیلات کا علم ہوگا...... میری معلومات بہت مختصر
تھیں، لیکن ان مختصر معلومات کے ساتھ مجھے دیپک کا کردار بڑی خوش اسلوبی سے ادا کرنا تھا،
حالانکہ اس دوران سیمہ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی اور میرا سارا مسئلہ ہریش ہی کے ذمے
تھا، لیکن نجانے کیوں سیمہ کی شکل بار بار میری نگاہوں کے سامنے گھوم جاتی تھی، اس کی
بنیادی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وہ ایک ایسی عورت تھی جس نے مجھے زندگی کے اس بدترین
عذاب سے نکال لیا تھا...... واقعی تقدیر جب کچھ کرنے پر آتی ہے تو اس طرح کر دیتی ہے کہ
انسان کے تصور میں بھی نہ آ سکے...... میں تو مکمل طور پر مایوسی کا شکار تھا، لیکن قدرت نے یہ
مایوسی ختم کر دی تھی اور اس سے بڑی خوش قسمتی میرے لئے اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی......
بہرحال ہوائی جہاز کے اس پہلے سفر کا اختتام ہو گیا...... میں بھٹکا بھٹکا سا باہر نکل آیا، کوئی بھی
نہیں جانتا تھا کہ میں کس سطح کا انسان ہوں...... میرے لئے تو ایک ہوائی سفر ناقابل یقین
کیفیت کا مالک تھا، نہ کے لندن پہنچ گیا تھا...... خوابوں کا شہر، خوابوں کی لہر میں ڈوبا ہوا تھا اور

میں سحر زدہ سا اس کہر میں آگے بڑھ رہا تھا...... تقدیر رہنمائی بھی کر رہی تھی...... تمام معاملات سے بخیر وخوبی نمٹ لیا اور پھر باہر نکلا...... میری نگاہیں اس سفید گلدستے کی تلاش میں بھٹکنے لگیں، جس کے بیچ و بیچ ایک سرخ پھول لگا ہوا...... یہ اس شخص کی شناخت تھی جو مجھے لینے کے لئے ایئر پورٹ پہنچے گا...... میری نگاہیں دھند میں بھٹکنے لگیں اور اس وقت ایک عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی...... جب میں نے ایسی کسی شخصیت کو دُور دُور تک نہ پایا...... میرے ہوش خراب ہونے لگے...... اس اجنبی اور انتہائی جدید شہر میں اگر واقعی شخصیت مجھے نہ ملی تو کیا ہوگا؟ میں تو یہاں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا...... اچانک ہی مجھے اپنے عقب سے ایک آواز سنائی دی۔

"ہیلو...... کیا آپ کسی کو تلاش کر رہے ہیں جناب!" بہت ہی نسوانی اور دلکش آواز تھی...... پلٹ کر دیکھا تو دنگ رہ گیا، وہ مقامی لڑکی تھی...... دودھ کی طرح سفید اور اس قدر دلکش نقوش کی مالک کہ اس کا چہرہ دیکھ کر انسان بہت سی باتیں بھول جائے، لیکن مزید حیرت یہ تھی کہ وہ اُردو بول رہی تھی اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات کہ اس کے ہاتھوں میں ایک سفید پھولوں کا گلدستہ دبا ہوا تھا جس میں سرخ پھول لگا ہوا تھا...... میں بہت سے احساسات کا شکار ہو کر زبان تک نہ کھول سکا...... وہ آگے بڑھی اور بولی۔

"اگر میں آپ کو یہ گلدستہ پیش کروں تو کیا آپ میری اس پیش کش کو قبول کریں گے۔" میں فوراً ہی سنبھل گیا اور میں نے وہ جرات کر ڈالی جو عام حالات میں میرے لئے ممکن نہیں تھی...... سفید پھولوں کے گلدستے کے درمیان جو سرخ پھول نظر آ رہا تھا، میں نے اسے نکالا اور اسے اس کے بالوں میں لگا دیا...... مجھ سے کہا گیا تھا کہ ایسی کوئی شخصیت جو سفید پھولوں کا گلدستہ مجھے پیش کرے میں اس میں سے سرخ پھول نکال کر اس کے کوٹ کے کالر اور اگر وہ لڑکی ہو تو اس کے بالوں میں لگا دوں...... بہر حال زندگی کی یہ پہلی جرات تھی اور میں جانتا تھا کہ مجھے جرات مند ہونا چاہئے...... لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا نام نینسی ہے مسٹر دیپک...... آئیے پلیز۔" گویا ہمارے درمیان مکمل تعارف

ہو گیا...... نینسی مجھے ساتھ لئے ہوئے کھلی چھت والی ایک کار کے پاس پہنچی اور اس نے سیدھے ہاتھ کا دروازہ کھول دیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی...... میں نے یہاں بھی کسی قدر حیرت کا اظہار کیا تھا...... جب وہ کار سٹارٹ کر کے پارکنگ سے باہر لائی تو میں نے سردی سے متاثر لہجے میں کہا۔

"کیا آپ کو سردی نہیں محسوس ہوتی۔ مس نینسی۔" وہ مسکرائی اور پھر بولی۔

"یقیناً آپ کو سردی لگ رہی ہو گی، لیکن ہمارے لئے تو یہ بہت خوشگوار موسم ہے، کیونکہ لندن میں بارش کا نہ ہونا بڑا تعجب خیز سمجھا جاتا ہے...... دُھند اور بارش لندن کی زندگی کا ایک حصہ ہے...... ویسے آپ پہلی بار یہاں آئے ہیں مسٹر دیپک۔" میں ایک دم سنبھل گیا...... یہ سوال بڑا ٹیڑھا تھا، کیونکہ میں نہیں جانتا تھا کہ دیپک یہاں پہلے آیا ہے یا نہیں، ویسے اتنا تو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی کم از کم دیپک کو نہیں جانتی...... پھر بھی میں نے فوراً بات بناتے ہوئے کہا۔

"زندگی کے بہت سے رُخ ایسے ہوتے ہیں مس نینسی! جہاں انسان بہت سی یادداشتوں سے محروم ہو جاتا ہے...... ویسے آپ اُردو بہت اچھی بول رہی ہیں، مجھے اس بات پر حیرت ہے۔"

"اوہ...... میں نے بارہ سال انڈیا میں گزارے ہیں اور میرے فادر بھی انڈین تھے...... مما کا تعلق البتہ انگلینڈ سے ہے۔"

"آپ کے فادر۔"

"ہاں...... اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔" نینسی اُداس لہجے میں بولی، پھر اس نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔

"یقیناً آپ ہوٹل میں قیام کرنا پسند کریں گے مسٹر دیپک! ویسے بھی میرا فلیٹ صرف ایک کمرے پر مشتمل ہے...... مما میرے ساتھ رہتی ہیں...... آپ کو وہاں تکلیف ہو گی۔"

"نہیں...... مس نینسی میں آپ کو اس طرح کی کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا، ہوٹل ہی

بہت مناسب ہوگا۔" پھر ایک خوب صورت ہوٹل میں میرے لئے ایک کمرہ فوری طور
حاصل کیا گیا...... نینسی میرے ساتھ آ گئی تھی...... ہوٹل کے اس کمرے کو بھی میں نے حیرت
زدہ نگاہوں سے دیکھا، کشمیری کیمپ وہ تنگ و تاریک جگہ یا پھر اس سے پہلے وہ سب کچھ جس
تعلق میری زندگی سے تھا اور اس کے بعد یہ عیش و عشرت ہو سکتا ہے کہ یہ بھی تقدیر کا کوئی
کھیل ہی ہو...... یہ روشنی پھر اس طرح تاریکی میں تبدیل ہو جائے کہ آنکھیں دیکھنے کے
قابل ہی نہ رہیں...... کیا کیا جا سکتا ہے، ظاہر ہے صرف ایک شخصیت ایسی ہے جو جانتی ہے کہ
میں دیپک نہیں ہوں...... باقی لوگ مجھے دیپک سمجھ رہے ہیں اور جب اس بات کا انکشاف
ہوگا کہ میں دیپک نہیں ہوں تو ان لوگوں کا رویہ میرے ساتھ کیسا ہوگا...... یہ ساری باتیں
ذہن میں آ رہی تھیں اور میں دیکھ رہا تھا کہ نینسی میرے لئے کیا کیا انتظامات کر رہی ہے، پھر
اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کا ہوٹل...... یہ آپ کا کمرہ اور یہ آپ کی خادمہ۔" اس نے اپنے سینے پر انگلی
رکھ کر کہا۔

"آپ بیٹھئے مس نینسی۔"

"اچھا اب یہ بتائیے کیا لیں گے...... ناشتہ۔"

"ہاں...... جہاز کے سفر میں جو کچھ مجھے دیا گیا وہ میرے لئے بہتر نہیں تھا۔"

"میں ناشتہ منگواتی ہوں۔" تھوڑی دیر کے بعد ویٹر نے ہمارے سامنے ناشتہ لگا دیا
نینسی نے خود بھی میرے ساتھ شرکت کی تھی...... پھر وہ بولی۔

"اور اب آپ تقریباً دس گھنٹے آرام کیجئے...... گیارہویں گھنٹے میں میں آپ کے پاس
پہنچ جاؤں گی...... آپ نے یہ نہیں بتایا کہ لندن سے آپ کی کس حد تک واقفیت ہے۔"

"میں لندن نہیں جانتا مس نینسی۔"

"گڈ...... یہ تو بڑی اچھی بات ہے...... میں آپ کو ایسے علاقوں کی سیر کراؤں گی جو
پہلے آپ نے نہیں دیکھے ہوں گے۔"

"مس نینسی ایسا نہ کیجئے آپ بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ جس قدر جلد ہم اصل کام کی طرف
آجائیں۔"

"وہ بھی ہو جائے گا، مگر اگر آپ...... اچھا خیر ٹھیک ہے...... اس موضوع پر بعد میں
بات کریں گے۔" نینسی نے کہا۔

"اوکے مس نینسی۔" وہ چلی گئی اور مجھ پر پھر سحر طاری ہو گیا...... کمرے کی کھڑکی سے
میں نے لندن کو جھانکا اور دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا...... درحقیقت یہ خوابوں کا شہر بھی کہا جا سکتا تھا،
زندگی بالکل بدلے ہوئے انداز میں یہاں موجود تھی...... میں نے کیا دیکھا تھا، اس زندگی
بس، بستی مرادیا پھر وہ جگہ جہاں سے میں نے تعلیم حاصل کی تھی، لیکن اب جو کچھ دیکھ رہا تھا
وہ ناقابل یقین تھا...... بہت دیر تک میں کھڑکی کے پاس کھڑا رہا، پھر میں نے سوچا کہ خرم
شہزاد تم جس انداز میں زندگی گزارتے رہے ہو...... ذرا اس پر غور کرو، رمضان چچا نے جو
سلوک کیا وہ ناقابل فراموش تھا...... کم از کم تعلیم حاصل کر لی اور انسان بن گئے، ورنہ اس دُنیا
کے بارے میں تمہیں کچھ نہ معلوم ہوتا...... اس کے بعد تقدیر نے تمہیں ایک اور تجربے
سے روشناس کرایا، اپنی بستی میں جس جنجال میں پھنسے تھے اور جس طرح غلط لوگ تمہارے
گرد بکھر گئے تھے، اس میں اگر پھنسے رہتے تو پتہ نہیں کیا ہوتا...... شبو، نوید اور چوہدری اعجاز
اگر یہی سب کچھ تمہارے گرد بکھرے ہوتے تو تم صرف ایک جرائم پیشہ آدمی ہوتے اور کچھ
نہیں...... بنک ڈکیتی اور چھوٹے موٹے جرائم میں ملوث لیکن وقت تمہیں کہاں سے کہاں
لے آیا ہے، یہ جدید شہر دیکھو اور کوشش کرو کہ اپنے آپ کو اس نئے ماحول میں ڈھال سکو اور
لوگوں کو یہ نہ ظاہر ہونے دو کہ تم نچلی سطح کے انسان ہو...... اپنے آپ کو سنبھالو اور جدید
ماحول سے خود کو روشناس کر لو...... میں نے دل میں بہت سے منصوبے سوچے، ٹیلی ویژن
سے مجھے جدید زندگی کا صحیح اندازہ ہو سکتا تھا اور خود اپنی تربیت کے لئے مجھے یہ سب کچھ کرنا
چاہئے...... بس چاہے اسے ایک احمقانہ خیال تصور کر لیا جائے...... میں نے کمرے میں رکھا
ہوا ٹی وی کھول لیا...... دس گھنٹے کی چھٹی تھی، اس دس گھنٹے تک اگر اپنے ذہن کو فضول باتوں

میں اُلجھایا جائے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا...... بہتر ہے کہ کچھ حاصل ہی کیا جائے، تاکہ آنے والا وقت پرسکون ہو...... مختلف چینلز تلاش کرتے ہوئے آخر کار لندن کی زندگی پر ایک چینل مجھے مل گیا اور میں نے اس کو دیکھنا شروع کر دیا...... ایک گھنٹے کی یہ ایک فلم چلی تھی اور اس سے واقعی مجھے بڑا تجربہ حاصل ہوا تھا...... میں نے دیکھا تھا کہ لوگ کس طرح دُنیا میں رہتے ہیں...... کیسے کیسے زندگی گزارتے ہیں...... کیا طریقہ کار ہوتا ہے...... لباس کس طرح سے استعمال کئے جاتے ہیں...... روزمرہ کی گھریلو زندگی کیسے گزاری جاتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ قدیم دور کے والدین اپنی اولاد کو زمانے سے بہت پیچھے رکھتے تھے اور سوچتے تھے کہ وہ بہت بڑا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے آپ کے بچے اگر جس ماحول میں رہ رہے ہیں، اس کے عوامل سیر دشناس نہیں ہوں گے تو ان کی شخصیت ادھوری رہ جائے گی، وہ احساس کمتری کا شکار ہوں گے...... وہ سوچیں گے کہ جو لوگ نظر آرہے ہیں وہ ان سے بالکل مختلف ہیں اور وہ خود ان سے بہت نچلی سطح کے لوگ ہیں...... میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بچوں کو جس طرح بھی ممکن ہو سکے...... جدید ضروریات زندگی سے آگاہ رکھا جائے...... ہم اپنے بچوں کو ہوائی جہاز اُڑانے کے لئے نہیں دے سکتے، لیکن انہیں کم از کم یہ بتایا جاسکتا ہے کہ ہوائی جہاز کیسے اُڑتا ہے اور جو اسے اُڑانے والے ہیں وہ کیسے کیسے مراحل سے گزر کر وہاں تک پہنچتے ہیں اور زندگی میں انہیں کیا کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں یا یہ کہ انہیں اپنے جیسے انسانوں کے درمیان کیسے زندگی گزارنی چاہئے...... یہ تمام باتیں ظاہر ہے ہم ایسے ہی ذرائع سے ان تک پہنچا سکتے ہیں...... مجھے بھی بہت کچھ حاصل ہوا تھا اور میں کافی حد تک مطمئن ہو گیا تھا...... نینسی جب دوبارہ میرے پاس آئی تو پہلے سے کہیں زیادہ خوب صورت نظر آرہی تھی اور اب چونکہ میں بھی ذرا اندرونی طور پر مطمئن ہو گیا تھا، اس لئے میں نے اس کا استقبال زیادہ بہتر انداز میں کیا تھا...... وہ بے تکلفی سے مسکراتی ہوئی میرے سامنے بیٹھ گئی اور بولی۔

"ہاں، مسٹر دیپک! آپ سنائیے...... ویسے آپ سے ملاقات کر کے مجھے ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا تھا...... اگر بیان کر دوں تو آپ ناراض تو نہیں ہوں گے۔"

"نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر بولا۔

"اچھا یہ بتائیے مس نینی! اب تو میں آپ کا میزبان ہوں کیا لیں گی آپ۔"

"کوئی ٹھنڈی چیز فیصلہ آپ کریں گے۔" میں نے اس دوران اپنی تربیت سے فائدہ اٹھایا، روم سروس کو ٹیلی فون کر کے میں نے ایک کوک ٹیل مشروب طلب کر لیا اور نینسی نے آنکھیں بند کر کے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور بولی۔

"میرا پسندیدہ مشروب۔"

"کیا واقعی۔"

"ہاں...... آپ یقین کیجئے اگر آپ سے تھوڑی سی بے تکلف اور ہوتی تو میں آپ سے اس مشروب کی فرمائش کرتی۔"

"تو آپ مجھ سے تھوڑی سی بے تکلف اور ہو جائیے ناں۔" میں نے کہا اور وہ ہنسنے لگی پھر بولی۔

"ٹھیک ہے...... آپ کی اجازت سے۔" پھر وہ بولی۔

"ہاں...... وہ عجیب بات جو میں نے محسوس کی تھی وہ یہ تھی کہ آپ کچھ بہکی بہکی سی کیفیت میں نظر آرہے تھے...... جیسے آپ اُلجھے ہوئے ہوں...... شاید میں اپنے خیالات کی صحیح طور پر ترجمانی نہیں کر سکتی...... یوں لگا تھا مجھے جیسے آپ پریشان پریشان سے ہوں۔"

میں نے ہنس کر اس کی بات کا وزن کم کرنے کی کوشش کی اور کہا۔

"میں نہیں سمجھتا آپ کو ایسا کیوں محسوس ہوا...... ویسے کوئی بھی لمبا سفر طے کرنے کے بعد مجھ پر یہ کیفیت تھوڑی بہت طاری ہو جاتی ہے، لیکن اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"گڈ...... تو پھر کام کی بات ہو جائے...... میں چاہتی ہوں کہ وقت ضائع کئے بغیر کم از کم میں اپنا فرض پورا کر دوں اور اس کے بعد جو بھی فیصلہ ہو اس میں شامل ہو جاؤں...... مثلاً یہ کہ میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میری معلومات کیا ہیں اور یہاں میں نے کیا کیا ہے...... یا آگے مجھے کیا کرنا ہے، آپ کے کانوں تک اصل تفصیل پہنچ جائے اس کے بعد فیصلہ آپ کریں

گے...... پھر میں آپ کی میزبانی کروں گی۔"

"جی...... بڑی مناسب بات ہے لیکن بہتر ہے کہ ویٹر آجائے...... اس کے بعد ہم اس سلسلے میں گفتگو شروع کریں۔" ویٹر دروازے پر ہی موجود تھا، دستک دی اجازت ملنے پر ہی اندر آیا...... ہمارے سامنے ایک خوب صورت ٹرے سجادی، جس میں انتہائی خوب صورت برتنوں میں ہمارا طلب کردہ مشروب موجود تھا...... پھر وہ دروازہ بند کرکے چلا گیا تو نینسی بولی۔

"باقی کام میں سرانجام دیتی ہوں...... آپ بے شک میزبان ہیں، اس وقت لیکن میں لڑکی ہوں۔"

"او کے۔" میں نے بے تکلفی سے کہا اور سوچنے لگا کہ تھوڑی سی تربیت نے مجھے کتنا حوصلہ بخشا ہے، مشروب کا گھونٹ لیتے ہوئے نینسی بولی۔

"آپ مالدیپ گئے ہیں کبھی۔"

"ہاں...... شاید جزائر مالدیپ کے بارے میں میری تھوڑی بہت معلومات ہیں۔"

"بلیک ٹیمپل...... ایسے ہی ایک جزیرے پر ہے، ایک پراسرار نام جسے تفصیلی طور پر شاید وہاں کے لوگ بھی نہیں جانتے...... سمجھ رہے ہیں نا آپ...... بلیک ٹیمپل کے بارے میں جو تفصیلات میرے علم میں ہیں، وہ یہ ہیں کہ یہ ایک سینکڑوں سال پرانی عمارت ہے اور جزائر مالدیپ کے ایک دور افتادہ اور ویران جزیرے میں ہزاروں برس سے قائم ہے...... آس پاس میں وحشی قبائل رہتے ہیں جو دیویوں اور دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں اور بلیک ٹیمپل ان کی عبادت گاہ ہے، ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تھوڑے بہت بت مذہب سے متاثر ہیں لیکن مکمل طور پر نہیں...... ایک طرح سے ان کا اپنا ہی مذہب ہے اور وہ اس کی پیروی کرتے ہیں...... یہ بات تو آپ کے علم میں ہے کہ ہماری تنظیم دنیا کے مختلف ممالک لئے ہر طرح کے کام کیا کرتی ہے...... ایک عرب پتی تاجر کو بلیک ٹیمپل سے کچھ دلچسپی ہے...... یہ بات شاید تنظیم کے بڑوں کو بھی معلوم نہیں لیکن بہرحال اس تاجر نے تنظیم سے رابطہ قائم کرکے بلیک ٹیمپل کے بارے میں مکمل طور پر تفصیلات کی گزارش کی تھی۔

تنظیم نے معمول کے مطابق مناسب معاوضے پر یہ کام کرنا قبول کرلیا...... کچھ عرصے پہلے راج کمار نامی ایک انتہائی ذہین کارکن کو مالدیپ روانہ کیا گیا اور اس کارکن نے جتنی تفصیلات فراہم کیں ان کا ریکارڈ میرے پاس موجود ہے...... بہرحال وہ کسی نہ کسی طرح اس جزیرے تک پہنچ گیا اور اس نے بلیک ٹیمپل تلاش کرلیا، لیکن پھر نجانے کیا ہوا...... وہ انتہائی برے حالات میں اپنی مہم ادھوری چھوڑ کر وہاں سے بھاگا اور چونکہ اس کا قیام مسلسل طور پر لندن میں تھا، اس سے وہ سیدھا لندن ہی پہنچا...... اس نے صرف اتنی رپورٹ دی تھی، تنظیم کو کہ حالات کچھ اس طرح کے ہوگئے تھے کہ اسے اپنی مہم ادھوری چھوڑنی پڑی...... وہ اپنی رپورٹ تیار کررہا ہے جو ادھوری ہے، لیکن پھر سب سے بڑی اور حیران کن بات یہ ہے کہ ٹھیک ایک ہفتے کے بعد اس کے فلیٹ میں اس کی لاش پائی گئی اور تنظیم کو یہ نہیں پتہ چلا کہ وہ کس طرح موت کا شکار ہوا۔"

"اوہ...... اور وہ رپورٹ جو ادھوری رہ گئی تھی۔"

"نہیں ایسی کوئی رپورٹ اس کے فلیٹ سے دستیاب نہیں ہوئی...... بہرحال تنظیم کو اس کی موت کا بہت دکھ تھا، سب سے بڑی بات یہ کہ ڈاکٹروں کے مطابق وہ ایک طبعی موت تھی...... پوسٹ مارٹم سے کچھ بھی نہیں پتہ چل سکا اور جانتے ہیں، کچھ توہمات کی وجہ سے یہ سفر کیا گیا کہ بلیک ٹیمپل کوئی ایسی پراسرار جگہ ہے، جس کی وجہ سے یہ موت واقع ہوئی۔"

"مطلب۔"

"مطلب یہ کہ بلیک ٹیمپل کی پراسراریت راج کمار کی موت کا باعث بنی۔"

"اوہ...... واقعی دلچسپ کہانی ہے۔" میں نے مکمل سنجیدگی سے یہ الفاظ کہے، کیونکہ واقعات مجھے سچ مچ دلچسپ ہی محسوس ہوئے تھے...... میں نے نینسی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نینسی کیا آپ ذاتی طور پر راج کمار کو جانتی تھیں...... میں اس لئے یہ سوال کررہا ہوں کہ خود آپ کا اپنا قیام لندن میں تھا اور ایک ہی تنظیم کے نمائندے ہونے کی حیثیت سے آپ دونوں کے درمیان اصولی طور پر دوستی نہ سہی، لیکن رابطہ ہونا چاہئے...... میں غلط تو نہیں کہہ

رہا...... نینسی کے چہرے پر افسردگی سی پھیل گئی...... کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ بولی۔

''ہم جانے والوں کو نہیں روک سکتے...... چاہے وہ اچھے ہیں یا برے اور جب وہ چلے جاتے ہیں تو ہماری انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہم ان دُکھوں کو نظرانداز کر دیں، جوان کے جانے سے ہمارے دلوں میں گھر کر چکے ہیں...... راج کمار ایک خوب صورت نوجوان تھا اور درحقیقت راج کمار ہی لگتا تھا، اس کے علاوہ وہ بے حد خوش مزاج اور بہترین صحت و تندرستی کا مالک تھا...... میری اس سے ذاتی طور پر دوستی تھی، لیکن وہ ہندوستان میں اپنی ایک محبوبہ رکھتا تھا اور اس نے کھل کر مجھ سے کہا تھا کہ اگر اس کے دل میں ریتا نہ بسی ہوئی ہوتی تو اس کی بہترین پسند میں ہوتی...... ہم لوگ فراغ دلی سے ایسی باتوں کو قبول کر لیتے ہیں...... دلوں کے سودے دل سے ہی ہوتے ہیں، کوئی اور چیز محبت کا بدل نہیں ہوتی...... میں نہیں جانتی کہ اس کی موت کے بعد ریتا کا کیا حشر ہوا ہوگا...... نہ میں ریتا کے بارے میں یہ جانتی ہوں کہ وہ کون تھی اور کہاں رہتی تھی، لیکن بہرحال تم نے یہ سوال کیا ہے ڈیئر دیپک! تو میں تمہیں جواب دے رہی ہوں کہ وہ ایک بہت ہی خوش مزاج اور دوست قسم کا آدمی تھا اور مجھے اس کی موت کا بے حد رنج ہے۔''

''میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ خود وہمی قسم کا آدمی نہیں تھا...... یعنی کوئی ایسی بات جو اس کے وہم کی بنیاد پر اس کی موت کا باعث بنی ہو۔''

''نہیں...... بالکل نہیں، ویسے مجھے خصوصی طور پر بلیک ٹیمپل کے بارے میں جو تفصیلات بتائی گئی ہیں...... وہ بڑی دلچسپ ہیں اور انہیں اس سلسلے میں خاصی اہمیت کا حامل سمجھتی ہوں، چونکہ مجھے ہدایت کی گئی ہیں مسٹر دیپک کہ یہ تفصیلات میں آپ تک پہنچادوں، اس لئے میں اسے آپ کو بتارہی ہوں...... بات پتہ نہیں کون سے دور کی ہے، لیکن لازمی بات ہے کہ اس قدر قدیم ہوگی جب ہندوستان میں رجواڑے بنے ہوئے تھے، کسی جزیرے کا ایک راجہ اپنے دشمن کے حملے کے خوف سے فرار ہوا اور نجانے کون کون سے وسائل سے کام لے کر وہ اس جزیرے پر آنکلا جس کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں...... زمانہ قدیم کے جن

ہازوں کے تذکرے اور تصاویر ہمیں حاصل ہوئی ہیں، ہمارے علم میں یہی ہے کہ وہ راجہ ل و دولت کے کئی جہاز بھر کر اپنے ساتھ لایا تھا اور پھر اس نے نجانے کون سے عقائد کے طابق وہاں ایک عمارت تعمیر کرائی اور مستقل طور پر اسی جزیرے پر آباد ہو گیا، جہاں تک مجھے معلومات فراہم کی گئی ہیں...... اس سلسلے میں اس ارب پتی شخص کی طرف سے جس نے تنظیم کو یہ کام سونپا ہے، کچھ ایسی تحقیق کی کتابیں بھی دی گئی ہیں، جن سے دلچسپ حقائق کا پتہ چلتا ہے اور انہی سے یہ معلوم ہوا تھا کہ چھ سات سو سال قبل انڈونیشیا میں ایک نام کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور بہت ہی پراسرار طریقے سے یہ نام سامنے آتا رہا ہے...... یہ نام گرہا جگت ہے...... اس گرہا جگت کو ایک دور میں بڑی حیثیت حاصل تھی اور جن جزائر میں یہ نام بڑا مشہور تھا، یعنی گرہا جگت ایک طرح سے ایک طریقہ سلطنت تھا اور اس کی کہانی گرہا جگت کے ایک اہم رکن راجہ سندھو سے منسوب ہے...... راجہ سندھو ایک طرح سے گرہا جگت کا سب سے زیادہ اہم ستون سمجھا جاتا تھا...... اس نے 1293ء میں اپنی حکومت قائم کی تھی اور اس کے بعد اس کا بیٹا جانگا تخت نشین ہوا...... جانگا بہادر اور دانشمند ہونے کے ساتھ ساتھ بلا کا عیاش طبع بھی تھا اور اپنی تمام تر صلاحیتیں اس نے عیاشی کی نذر کر دی تھیں...... انہی معاملات میں اسے ہنورا ملا...... ہنورا اس دور کا ایک بہت بڑا ڈرامہ تھا، اس نے اپنے بارے میں مشہور کر رکھا تھا کہ وہ نہ کسی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے، نہ اس کا کوئی باپ تھا، بلکہ پتھر کی چٹان ایک زلزلے میں درمیان سے پھٹی اور ہنورا اس سے نمودار ہوا، ایک طرح سے اسے دیوتاؤں کا سا درجہ حاصل تھا، اس وقت بے شک جانگا خاندانی طور پر راجہ بنا تھا لیکن ہنورا کی پوجا ایک دیوتا کی مانند ہوتی تھی اور دیوی اور دیوتاؤں کے ماننے والے اور کسی حد تک بدھ مذہب سے متاثر لوگ ہنورا کو دیوتا کا درجہ دیتے رہے تھے...... ہنورا پتہ نہیں کس طرح کی پراسرار روایات کا حامل تھا...... وہ شعبدہ باز بھی تھا اور اس نے سب سے بڑی بات کہ جانگا کی غلط حرکتوں سے فائدہ اٹھا کر جانگا پر اپنی دسترس حاصل کر لی تھی اور ایک طرح سے راج پاٹ کے تمام کام اپنے ہاتھوں میں لے لئے تھے...... جانگا صرف ایک مہر کی مانند تھا، ورنہ ساری

ذمہ داریاں ہنورا نے سنبھال لی تھیں...... اس کے علاوہ اس نے اپنے بارے میں مشہور روایت سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا تھا اور ایسی ایسی شعبدہ بازیاں دکھایا کرتا تھا کہ لوگ اسے دیوتا کا اوتار سمجھیں...... بہرحال اس وقت تمام تر حکومت اس کے ہاتھ میں تھی...... جانگا کی عیاش پرستی سے فائدہ اٹھا کر اس نے اسے مزید شراب اور دیگر برائیوں میں غرق کر دیا، لیکن درپردہ وہ ہوشیاری کیساتھ اسے اس کی رعایا میں رسوا اور بدنام کرنے کی مہم بھی چلا رہا تھا جس کے نتیجے میں جانگا کے خلاف عمل شروع ہو گیا اور ایک ایسے مذہبی شخص نے اسے قتل کر دیا جو ہنورا سے بڑی دلچسپی رکھتا تھا اور جس کے بعد ہنورا کو تمام تر اختیارات حاصل ہو گئے اور لوگوں نے اسے راجہ بنا دیا...... یہی ہنورا چاہتا بھی تھا کیونکہ وہ کام وہ خود نہیں کر سکتا تھا جو رعایا کر سکتی تھی...... بہرحال ہنورا کی سلطنت میں سلسلہ جاری رہا...... بارہویں میں جاوا اور سماترا میں اسلام پھیل چکا تھا...... ہنورا کی سلطنت میں بھی کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے...... ہنورا بہت ہی ظالم اور شیطان صفت آدمی تھا...... وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت اور مقبولیت سے بوکھلا کر مسلمانوں کے خلاف مظالم شروع کرنے پر مجبور ہو گیا...... سماترا میں اس وقت کئی طاقتیں اور سلطنتیں قائم ہو چکی تھیں...... مسلمان بادشاہوں کو ہنورا کی خبر ملی تو انہوں نے اتحاد کر کے ہنورا پر حملہ کر دیا اور نتیجے میں ہنورا کو بدترین شکست ہوئی، وہ غلامی قبول کرنے پر مجبور ہو گیا اور اس نے مسلمانوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا کہ وہ اپنی سلطنت میں انہیں مکمل طور پر آزادی دے گا اور جو کچھ کرتا رہا ہے اس سے گریز کرے گا، لیکن وہ زیادہ عرصے تک اس بات پر قائم نہ رہ سکا...... اس نے خراج دینا بند کیا اور مسلمان ہونے والوں کو سزائیں دینے لگا، جس کی خبر پھر انہی مسلمان بادشاہوں کو ملی اور انہوں نے ایک بار پھر حملہ کر دیا، جو پہلے سے زیادہ شدید اور بھرپور تھا...... ہنورا نے اس بار بڑے انتظامات کئے، لیکن مسلمانوں کے آگے اس کی قوت ماند پڑ گئی اور ہنورا کو اپنی شکست صاف نظر آنے لگی......
ہنورا آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا اور میدان جنگ سے فرار ہو کر محل میں داخل ہو گیا...... اس نے تمام خزانے اور دیگر مال و دولت سمیٹ لیں اور اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ ایک

بڑی جنگی کشتی میں جزیرہ بالی کی طرف بھاگ کھڑا ہوا...... بالی میں ابھی تک مکمل طور پر ہندو راج تھا، جب کہ آج تک وہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے، لیکن بالی ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا اور اس کی مملکت کمزور تھی...... وہاں کے ہندو راجہ اس عجیب و غریب مذہب کے پیروکار کے لئے اپنے آپ کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے ہنورا کو پناہ دینے سے معذرت کر لی...... ہنورا بہت مایوس ہوا اور اپنی منزل کا تعین کئے بغیر وہ کھلے سمندر میں وہاں سے چل پڑا...... اس کے پاس بے شمار خزانہ تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی کھانے پینے کا سامان بھی اتنا تھا کہ کئی مہینوں تک وہ آرام سے سمندری سفر کر سکتا تھا، چنانچہ کئی ماہ تک سمندر میں بھٹکتا رہا...... یہاں تک کہ خلیج بنگال سے گزر کر وہ ہندوستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ بحیرہ عرب میں داخل ہو گیا...... اس نے لنکا جانے کے بارے میں سوچا تھا، لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ وہاں کا راجہ بہت ہی لالچی تھا اور لوگوں نے اسے بتایا کہ اگر وہ یہ اپنا عظیم الشان خزانہ لے کر لنکا پہنچا تو اس کا یہ خزانہ چھین کر وہاں کا راجہ اسے قتل کر دے گا تو ہنورا وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا اور جزائر مالدیپ کے علاقے میں پہنچ گیا...... ہنورا سفر کی صعوبتوں اور سمندری طوفانوں سے بیزار آ چکا تھا، چنانچہ جونہی اسے ایک جزیرہ نظر آیا، وہ وہیں اتر گیا، اسے خیال تھا کہ جزیرے پر آبادی نہیں ہو گی، مگر جب وہ جزیرے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھا تو اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا...... جزیرے پر وحشی قبیلوں کا راج تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان مسلح قبائلیوں نے ہنورا کی فوجوں کو گھیر لیا...... ان کی تعداد بے پناہ تھی...... ہنورا کے فوجی جو بہت ہی معمولی سی تعداد میں تھے، وہ بری طرح گھبرا گئے، لیکن ہنورا بلا کا ذہین انسان تھا...... ایک لمحے کے اندر اس نے اندازہ لگا لیا کہ یہ وحشی معصوم صفت ہیں، باقی شعبدہ باز تو وہ تھا ہی، چنانچہ اس نے کچھ ایسے شعبدے دکھائے کہ وحشی دم بخود رہ گئے...... ہنورا کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی تو اس کا حوصلہ بڑھا اور اس نے قبائلیوں کو اشاروں سے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ آسمانی دیوتا ہے اور اس کے ساتھ جو لوگ ہیں وہ بہت ہی عظیم لوگ ہیں اور دیوتاؤں کے نمائندوں کا درجہ رکھتے ہیں، اس نے ان قبائلیوں کو

بتایا کہ اسے آسمانوں سے ان کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے، اپنے شعبدوں سے اس نے
طرح ان پر قابو پایا کہ وہ ہنورا کے سامنے سجدے میں گر گئے...... ہنورا نے ان میں تحائف
کھانے پینے کی چند چیزیں تقسیم کیں اور اس طرح اس نے انہیں اپنا دوست بنالیا......
کے پاس مال و دولت کی کوئی کمی نہیں تھی، چنانچہ اس نے وہاں ایک شاندار عمارت تعمیر کر
اور اس طرح سے تعمیر کرائی کہ اس عمارت کی بھی عجیب و غریب کیفیت بن گئی
قبائلیوں نے اسے اپنا دیوتا مان لیا تھا، چنانچہ ہنورا نے خود اور اپنے ساتھیوں کو قبائلی ز
سیکھنے کی ہدایت کی، یہاں تک کہ قبائلی اس کی دل کے ساتھ عزت کرنے لگے اور ایک با
ہنورا کو اس جزیرے پر حکمرانی حاصل ہو گئی...... ویسے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ
انتہائی موقع شناس مصلحت پوش اور عقلمند تھا...... اس نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ قبائلیو
کے جو مذہب اور عقائد تھے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور نہ اپنا عقیدہ ان پر ٹھونسنے
کوشش کی، بلکہ اس نے انہی کے مسلک کو آگے بڑھایا اور انہی کے نظریات کا پرچار کر
لگا...... البتہ اس نے اپنے آپ کو آسمانوں کا دیوتا ثابت کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش
پھر اس نے اور بھی کام شروع کر دیئے...... مثلاً یہ کہ وحشی اور جنگجو قبائل جو خوراک
قلت کا شدت سے شکار ہوا کرتے تھے...... اس نے انہیں شکار کرنے اور کھیتی باڑی کے
سے روشناس کیا، وہ ایک انتہائی ماہر اقتصادیات بھی تھا اور جانتا تھا کہ خود اسے اپنے پاس مو
خوراک کے ذخائر آخر کار ایک دن ختم ہو جائیں گے اور اسے بھی وحشی قبائلیوں کی طر
صرف مچھلی اور کیڑے مکوڑوں پر گزارہ کرنا پڑے گا...... اسے خطرہ تھا تو صرف اپنے ساتھی
سے کہ اگر ان میں سے کسی نے بغاوت کی تو وہ کسی بھی وقت اس کے دیوتا ہونے کا بھانڈا
سکتے ہیں یا اگر کسی نے اس کے مدمقابل آنے کی کوشش کی تو وہ قبائلیوں کو بہکا سکتے ت
حالانکہ بظاہر اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا، لیکن شیطان صفت ہنورا اس خطرے کو م
لینے کے لئے تیار نہیں تھا، چنانچہ اس نے انتہائی ہوشیاری سے اپنے ہی آدمیوں کے خلا
سازشیں شروع کر دیں اور بہت ہی احتیاط کے ساتھ انہیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑ

اور آپس میں لڑوادیا...... نتیجے کے طور پر بدترین خونریزی ہوئی اور وہ سب ایک دوسرے کے
ہاتھوں قتل ہو گئے...... ہنورا صرف اس خوف کے ساتھ یہ گھناؤنا عمل کر رہا تھا کہ کہیں اس
کے ساتھی کسی موقع پر خود اس کے ہی خلاف نہ ہو جائیں، آخری آدمی کو اس نے خود اپنے
ہاتھوں سے قتل کیا تھا اور پھر وہ بالکل تنہا رہ گیا اور اطمینان و سکون سے جزیرے پر حکمرانی
کرنے لگا...... اس نے اپنے آپ کو ایک طلسماتی شخصیت ظاہر کرنے کے لئے شعبدہ بازی کو
اپنا طریقہ کار منتخب کیا...... سال میں صرف ایک مرتبہ پورے چاند کی رات کو وہ اس پراسرار
عمارت سے باہر نکلتا تھا، جسے اس نے بلیک ٹیمپل کا نام دیا تھا اور ایک عجیب و غریب شکل بنا
چھوڑی تھی، اس کی...... قبائلی اسے مکمل طور پر دیوتا تصور کر چکے تھے...... جب وہ باہر نکلتا تو
اس رات زبردست جشن منایا جاتا، اگرچہ ہنورا ان قبائلیوں کا دیوتا بن چکا تھا اور جزیرے پر
اس کی حکومت قائم ہو گئی تھی...... بلاشبہ اس نے اس سے زیادہ پالیا تھا جو چھوڑ کر آیا تھا، لیکن
اسے اپنی دنیا اکثر یاد آیا کرتی تھی...... بے شک یہ قبائلی اس کی بڑی عزت کرتے تھے، وہ جو
چاہتا تھا وہ ان قبائلیوں کا ایمان بن چکا تھا، لیکن پھر بھی اسے بڑی کوفت ہوتی تھی اور ایک
شدید تنہائی کا احساس ہوتا تھا...... رفتہ رفتہ یہ تنہائی اس کے لئے روگ بنتی چلی گئی، اپنے آپ
سے باتیں کرنے کے علاوہ اور کوئی ایسا نہیں تھا جس سے وہ خود باتیں کرے، دیواروں کے
سامنے بیٹھ کر دل کی باتیں کرنے لگتا اور طبیعت میں شدید اُلجھن محسوس کرتا...... اسے اپنے
ساتھی بڑی شدت سے یاد آتے تھے، جن کی موجودگی اسے اپنے وجود کا احساس دلاتی، لیکن کیا
کرتا اس نے خود ہی اپنے ساتھیوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر ختم کر دیا تھا، پھر ایک رات اس
جزیرے پر شدید طوفان آیا...... قبائلیوں کے بے شمار جھونپڑے اُڑ گئے اور انتہائی خوفناک
تباہی نازل ہوئی...... اس طوفانی رات میں ہنورا کے دل میں تنہائی دور کرنے کی ایک لاجواب
سکیم آئی...... صبح جب طوفان تھم گیا تو وہ بلیک ٹیمپل کی سیڑھیوں پر نمودار ہوا اور گھنٹہ
بجانے لگا...... قبائلی گھنٹے کی آواز سنتے ہی مندر کی جانب دوڑے اور ہنورا کے سامنے سجدے
میں گر پڑے...... تب ہنورا نے گھنٹہ بجانا بند کر دیا اور اپنی سحر انگیز آواز میں بولا۔

"میرے وفادارو...... میرے بچو! میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ آسمان پر رہنے والا دی
تم سے ناراض ہو گیا ہے...... وہ قربانی مانگتا ہے، ایک کنواری بچی کی جسے بلیک ٹیمپل میں قربا
کیا جائے گا اور یہ قربانی آج کے دن ہر سال دی جائے گی، ورنہ تم اسی طرح سمندر دیوتا ک
کہر و غضب کا شکار رہو گے اور سمندر تم پر چڑھ دوڑے گا...... اس لئے آسمانی دیوتا اور سمن
دیوتا کے عذاب سے بچنے کے لئے آج کی رات ایک جشن منایا جائے گا اور قربانی کے ل
ایک لڑکی کا انتخاب ہو گا...... یہ مختصر تقریر کر کے ہنورا تو بلیک ٹیمپل میں واپس چلا گیا، لیک
قبائلی جو شدید تباہی کا شکار ہوئے تھے اپنے دیوتا کی بات مان کر تیاری میں مصروف ہو گئے
جس قدر لڑکیاں انہیں دستیاب ہو سکیں، انہیں بنا سنوار کر ایک جانب کھڑا کر دیا گیا...... تب
ہنورا بلیک ٹیمپل سے نمودار ہوا اور اس نے ایک ایک لڑکی کو گہری نگاہوں سے دیکھا، انتہا
حسین لڑکیاں اس کے سامنے تھیں، لیکن اس نے سب سے خوب صورت لڑکی کی طر
اشارہ کیا اور اسے باہر نکلوا لیا...... لڑکی کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا، اس پر موت کی دہشت
طاری تھی، اسے معلوم تھا کہ اس کی زندگی چند لمحوں کی مہمان ہے اور تھوڑی دیر کے بعد
زندگی سے محروم ہو جائے گی، اسے سمندر دیوتا کے لئے ذبح کر دیا جائے گا، لیکن وہ مجب
تھی...... اپنی سلامتی کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھی، اس کے بعد ہنورا نے نام نہاد رسومات
کیں اور لڑکی کو لے کر مندر میں چلا گیا...... کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لڑکی کو ک
طرح اندر لے جانے کے بعد ذبح کیا گیا یا اس کے ساتھ کیا کیا گیا...... بہر حال ہنورا کا ا
کوئی نام و نشان نہیں ہے، لیکن یہ رسم آج تک چلی آ رہی ہے کہ ہر سال جشن منعقد ہوتا ہے
اور ایک کنواری لڑکی بلیک ٹیمپل میں پہنچا دی جاتی ہے اور اس کے بعد اس لڑکی کا کوئی
نہیں چلتا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا...... نینسی نے ایک جھرجھری سی لی اور اچانک خامو
ہو گئی...... میں جو منہ کھولے ہوئے انتہائی دلچسپی کے ساتھ نینسی کی یہ کہانی سن رہا تھا......
لمحے اس کے آگے بولنے کا انتظار کرتا رہا...... مجھے یوں لگ رہا تھا، جیسے کوئی طلسمی راز میر
نگاہوں کے سامنے ہو...... دور کہیں ویرانے میں ڈھول بج رہے ہوں...... وحشی قبائل رقص

کر رہے ہوں اور اس رقص اور ڈھول کی تیز آواز میں کسی معصوم لڑکی کی چیخیں گونج رہی
ہوں جسے ذبح کیا جا رہا ہو...... جب نینسی دیر تک کچھ نہ بولی تو میں دفعتاً ہی خواب جیسی کیفیت
سے چونک پڑا...... میں نے خالی خالی نگاہوں سے نینسی کا چہرہ دیکھا، اس کے اپنے چہرے پر
بھی خوف کے تاثرات منجمد تھے اور وہ کافی متاثر نظر آ رہی تھی...... میرے ہونٹوں پر مدہم
سی مسکراہٹ پھیل گئی...... میں نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔

"آپ خاموش ہو گئیں مس نینسی۔"

"میرے خدا...... میرے خدا...... اگر یہ کہانی بالکل سچ ہے تو تم ذرا سوچو مسٹر دیپک، کیا
ماحول ہو گا...... کیا گزرتی ہو گی ان لڑکیوں پر جنہیں قربانی کے لئے اس منحوس عمارت میں لے
جایا جاتا ہو گا، میں اب پوری طرح ہوش و حواس میں آ گیا تھا...... میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مس نینسی ایک بات کہوں آپ سے۔"

"ہاں...... کہئے میں تو واقعی بہت متاثر ہو گئی ہوں مسٹر دیپک۔"

"آپ ایک بہترین داستان گو ہیں۔"

"کیا مطلب۔" نینسی چونک پڑی۔

"آپ نے جس انداز میں یہ کہانی سنائی ہے آپ یقین کیجئے بہت سے اچھے اچھے لوگوں
میں یہ صلاحیتیں نہیں ہوتیں...... آپ نے تو مجھے اس ماحول اس جزیرے پر پہنچا دیا...... میں
نے اپنی آنکھوں سے وہ بدصورت عمارت دیکھی ہے جس کا نام بلیک ٹیمپل ہے...... کالی کالی
بدنما عمارت اس کی سیڑھیوں پر کمینہ ہنورا کھڑا ہوا اپنے سامنے موجود قبائلی لڑکیوں کو دیکھ رہا
ہے...... نینسی خوفزدہ سی ہنسی ہنس پڑی...... پھر اس نے سنبھل کر کہا۔

"وہ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن جہاں تک اس بات کا تعلق ہے بلیک ٹیمپل کی وہ رسم اس
پراسرار جزیرے میں آج تک جاری ہے...... یہ سب سے زیادہ بھیانک بات ہے۔"

"کیا وہ رسم جاری ہے۔"

"ہاں...... مجھے جو معلومات فراہم کی گئی ہیں آپ کو بتانے کے لئے اس میں یہی بتایا گیا

ہے کہ بلیک ٹیمپل میں ہر سال یہ جشن منعقد ہوتا ہے اور اس وقت سے یہ رسم مستقل
آرہی ہے...... ایک کنواری لڑکی موجودہ پروہیت کے حوالے کردی جاتی ہے اور پروہیت
اسے اندر لے جاتا ہے، پھر اس لڑکی کا کبھی پتہ نہیں چلتا۔"

"یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔"

"یہ میں نہیں جانتی...... یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"میرا مطلب ہے کہ وہ پروہیت ظاہر ہے ہنورا تو نہیں ہوگا...... پھر وہ کون لوگ ہیں
کیا انہی قبائلیوں میں سے کوئی باہر کا شخص۔" میرے سوال پر نینسی حیرت سے آنکھیں پھاڑ
مجھے دیکھنے لگی...... کیا ہی دلچسپ اور ذہانت بھرا سوال ہے، جبکہ ہنورا نے تو اپنے تمام ساتھیوں
کو قتل کر دیا تھا...... پھر اس تاریخ کو لے کر کون وہاں پہنچا...... قبائلیوں میں سے تو کوئی نہیں
ہو سکتا، کیونکہ ہنورا نے اپنی سوچ سے یہ رسم ایجاد کی تھی اور اپنے ساتھیوں کو ختم کر
تھا...... پھر وہ کون تھا جس نے یہ عمل کیا۔"

"بہر حال جو کچھ بھی ہو یہ بڑی پراسرار اور سنسنی خیز کہانی ہے، ویسے اس غیر معروف
جزیرے کی کوئی تاریخ نہیں مرتب کی گئی۔"

"پتہ نہیں...... میرا خیال ہے یہ صرف ایسے واقعات ہیں...... یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے
کہ یہ صرف ایک کہانی ہی ہو۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں، جبکہ کسی نے اس سلسلے میں باقاعدہ معلومات حاصل کرنے
کی کوشش کی ہے اور اس کے لئے تنظیم کا سہارا لیا ہے۔"

"بات وہی آجاتی ہے ویسے ایک بات بتائیے، میرے ذہن میں ایک تصور اور ہے۔"

"کیا۔" نینسی نے پوچھا اور میں سوچ میں ڈوب گیا...... نینسی نے چند لمحات میرے
بولنے کا انتظار کیا اور جب میں کچھ نہ بولا تو وہ خود ہی کہنے لگی۔

"ایک بات اور بتاؤں...... یہ بھی ایک چھوٹی سی کہانی ہے، جس کی وضاحت شاید نہ
کرپاؤں، کسی طرف سے یہ بات میرے کانوں تک پہنچی تھی کہ ہنورا آج تک زندہ ہے؟

نے کسی ایسی ترکیب کے تحت اپنے آپ کو دائمی زندگی دے دی ہے جو قصے کہانیوں میں پائی
جاتی ہے...... ویسے ہم اگر پوچھیں تو وہ عرب پتی شخص جس نے تنظیم کا اس سلسلے میں سہارا لیا
ہے، اس لئے بھی وہاں کی معلومات سے دلچسپی رکھتا ہے کہ ہنورا کی دائمی زندگی کا تصور سامنے
آتا ہے۔"

"ویری گڈ...... ویری گڈ...... واقعی بات کافی خطرناک ہے، اس سلسلے میں سوچا جا سکتا
ہے...... ویسے کیا اس سائنسی دور میں ایسی کوئی بات ممکن ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" اس نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"بہر حال کوئی بھی ذی ہوش انسان یہ بات تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا کہ کوئی
شخص چھ، سات سو سال سے زندہ ہے...... حقیقت کچھ اور ہی معلوم ہوتی ہے۔"

"ایک بات اور مس نینسی۔"

"ہاں کیا۔"

"فرض کیجئے اگر راج کمہار نے وہاں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر بھی لی
تھیں تو یہاں لندن میں ایسا کون شخص ہو سکتا ہے جو انہیں یہاں پر قتل کر دے۔"

"ہوں...... بڑی زبردست بات ہے، بہت ہی عجیب و غریب ویسے ایک بات میں آپ
کو بتاؤں...... ایک ایسے شخص کا پتہ مجھے معلوم ہے جو راج کا بہت گہرا دوست تھا...... وہ ایک
تنہا آدمی ہے اور اس نے دنیا کی کئی زبانیں سیکھی ہیں...... نسلاً مسلمان ہے، لیکن شاید دمشق کا
باشندہ ہے...... میں تمہیں بتاؤں کہ بہت سی ایسی ذاتی باتیں وہ شخص بتا سکتا ہے، جو اور کسی کو
نہیں معلوم ہو سکتیں۔"

"سوری...... مس نینسی، کیا آپ نے اس شخص سے ملاقات کی کوشش کی۔"

"نہیں...... یہ صرف میری ذاتی معلومات ہے کہ میں اس شخص کے بارے میں جانتی
ہوں، لیکن میں خود وہاں تک نہیں گئی، کیونکہ یہ میرے فرائض میں نہیں تھا۔"

"گڈ...... بڑی بات ہے واقعی بہت بڑی بات ہے...... بڑی اور پراسرار کہانی، لیکن آپ

پلیز مجھے اس شخص کے بارے میں بتائیے ضرور...... وہ کون ہے اور کہاں ہے...... کیا کرتا ہے۔

نینسی نے مجھے اس بارے میں تمام تفصیلات بتادی تھیں اور وہ تفصیلات یہ تھیں
اس شخص کا نام علی جاہ ہے...... مسلمان ہے اور دمشق کا باشندہ ہے...... آزاد فطرت ہے۔
تنظیم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے...... وہ کیا کرتا ہے، کہاں سے کھاتا پیتا ہے، اس بار
میں کسی کو کچھ نہیں معلوم...... نہ ہی یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نینسی یہ تفصیلات بتا کر خاموش ہوگئی...... پھر اس نے کہا۔

”تو اب کیا ارادہ ہے آپ کا مسٹر دیپک۔“

”نینسی مجھے بتایا گیا ہے کہ تم سے ملاقات کے بعد مجھ سے رابطہ قائم کیا جائے گا، اب
نے یہ تفصیل مجھے بتادی ہے...... اگر تم اس بارے میں تنظیم کے کسی نمائندے کو اطلاع د
چاہتی ہو تو بے شک یہ اطلاع دے دو...... مجھے انتظار کرنا ہوگا۔“

”ہاں...... مجھے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ تم سے رابطے کے بعد اور تمہیں تمام حقیقتیں
بتانے کے بعد میں ایک مخصوص نمبر پر یہ اطلاع دے دوں کہ میں اپنا کام کر چکی ہوں۔“

”تو پھر ٹھیک ہے، اگر یہ اطلاع دینے کے بعد تمہیں وہاں سے میرے لئے کوئی ہدا
ملے تو براہ کرم فوراً مجھے بتاؤ۔“ نینسی نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولی۔

”نجانے کیوں میرے دل میں یہ آرزو ہے کہ میں تمہارے ساتھ لندن کی سیر کرو
اور باقی تمام معاملات سے گریز کروں۔“ میں نے ہنس کر نینسی کو دیکھا اور کہا۔

”ہوسکتا ہے کہ ہمیں اس کی اجازت مل جائے مس نینسی۔“

”مسٹر دیپک...... اگر ہمیں اس بات کی اجازت مل جائے تو کیا آپ خوشی سے می
دعوت قبول کرلیں گے...... لندن میں پرورش پانے والی ایک مخصوص نسل کی نما
شخصیت نے جس انداز میں یہ سوال کیا تھا اب ایسے کسی سوال سے میں ناواقف نہیں تھا، لی
میرا اپنا ایک معیار زندگی تھا اور میں اپنے طور پر اپنے وقت کے فیصلے کر سکتا تھا...... اس
میں نے مدھم لہجے میں اس سے کہا۔

”مس نینسی...... بہتر تو یہ ہوتا ہے کہ ہم لوگ اپنے کام سے کام رکھیں...... چند روز کی
رفاقت اگر دل کا روگ بن جائے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں...... ہمیں کون سا ایک دوسرے
کے ساتھ رہنے کا موقع ملے گا...... ایسی صورت میں اگر ہم بہت زیادہ قریب آنے کی کوشش
کریں تو ہوسکتا ہے بعد میں ہمارے لئے مشکل بن جائے۔“ میں نے صاف الفاظ میں اس سے
کہہ دیا تھا کہ میں اسے اپنی رفاقت نہیں دے سکتا اور نہ ہی اس کی اس بے باک دعوت کو قبول
کر سکتا ہوں، جو انگریز نسل کی خاصیت ہے...... ہمارا اپنا ایک مقام، ایک معیار ہے...... بے
شک میں دیپک کی حیثیت سے اس کے سامنے آیا تھا، لیکن میری اصل حیثیت تو کچھ اور ہی
تھی...... اب جب کہ تقدیر نے مجھے موقع دیا تھا تو میں اس حیثیت سے فائدہ کیوں نہ اُٹھاتا،
حالانکہ اس ہندو کیمپ میں مجھے میجر کامتی ملی تھی، ابتدا میں تو واقعی میجر کامتی کی ذہنی کیفیت
کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا، لیکن بعد میں مجھے یہ علم ہوگیا تھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتی ہے اور یہ بھی
ایک سچ ہے کہ اگر میں اس کی چاہتوں کو قبول کرلیتا تو شاید مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی، لیکن میں
نے وہ تکلیف برداشت کرلی تھی اور میجر کامتی کو اس کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہونے
دیا...... میں نے محسوس کیا کہ میرے ان الفاظ پر نینسی کافی حد تک بجھ سی گئی ہے، لیکن مجھے
اس بات کی پرواہ نہیں تھی...... بعد میں میں نے ایک بار پھر اس سے علی جاہ کے بارے میں
معلومات حاصل کیں اور تھوڑی دیر کے بعد نینسی سے جدا ہوگیا...... جب وہ چلی گئی تو میں
اس کہانی پر غور کرنے لگا...... ایسی پراسرار اور پرسحر داستان واقعی میرے لئے بڑی سنسنی خیز
نوعیت کی حامل تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں تنظیم کے افراد نے مجھے بلیک ٹیمپل روانہ
کردیا تو کیا ہوگا...... کیا مجھے اس مشن کو ادھورا چھوڑ کر فرار ہوجانا چاہئے، یا پھر کوئی ایسا عمل
ہونا چاہئے جس سے میں اس کام کو سرانجام دے سکوں، ذرا غور کرنے والی بات تھی، کام بے
حد خطرناک تھا اور اس تصور کے ساتھ ہی مجھے وحشتیں گھیر لیتی تھیں، بہرحال کوئی نہ کوئی
فیصلہ کرنا تھا اور میں وقت کا انتظار کر رہا تھا۔

❀❀❀

نینسی شاید میری طرف سے مایوس ہو چکی تھی، چنانچہ اس نے دو دن تک مجھ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا...... دوسرے دن میں علی جاہ کی تلاش میں نکلا...... علی جاہ سے مجھے خاصی اچھی معلومات حاصل ہو سکتی تھیں...... اس شخص کا جو پتہ بتایا گیا تھا وہاں مجھے ایک بوڑھی عورت ملی جس نے دروازہ کھول کر کڑی نظروں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

"ہاں بولو کیا بات ہے۔"

"میں علی جاہ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اگر تم علی جاہ کے دوست ہو تو کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ وہ یہاں سے چلا گ ہے اور اب یہاں نہیں رہتا۔"

"کیا یہ اس کا گھر نہیں ہے۔"

"اب نہیں ہے پہلے تھا۔" اس نے کہا اور دروازہ دھڑ سے بند کر لیا...... میں نے چ لمحات کے لئے خاموشی اختیار کر کے پھر بیل بجائی...... عورت شاید دروازے کے پاس کھڑی ہوئی تھی...... دروازہ کھول کر غصیلے لہجے میں بولی۔

"جب میں نے تم سے کہہ دیا کہ اب وہ یہاں نہیں رہتا اور مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہا ہے تو پھر تم بار بار میرے دروازے کی بیل کیوں بجائے جا رہے ہو۔"

"تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے۔"

"کیا تمہارے کان نہیں ہیں، میری بات نہیں سن پاتے...... جاؤ بابا! اپنا کام کرو......" وہ بڑھی عورت بولی اور میں نے ایک گہری سانس لے کر واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے...... اب ایسی صورت میں علی جاہ کے ملنے کا تصور مشکل ہی سے تھا...... کافی دیر تک گھومنے پھرنے کے بعد جب میں اپنے ہوٹل واپس پہنچا تو چند ہی لمحوں کے بعد نینسی دروازے پہ دستک دے کر اندر آ گئی...... اس کا چہرہ سپاٹ تھا، اس نے میرے سامنے کچھ کاغذات اور ہوائی جہاز کے ٹکٹ رکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں واپس دہلی جانا ہے...... رات کو گیارہ بجے کی فلائٹ ہے اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"واپسی میں ٹیکسی تمہیں ایئرپورٹ پہنچا دے گی، میری ضرورت تو نہیں ہے۔"

"نہیں...... شکریہ نینسی! تم نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے...... اس کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" اس نے تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھا...... گھورتی رہی اور پھر واپس چلی گئی...... میں نے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے کہا کہ ہمارے ہاں کی روایتیں تو بڑی دلکش ہیں...... بستی مراد کے اندر رہنے والی حسین اور نوخیز لڑکیاں نسوانیت کے تمام اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے اپنے جسم اور چہرے کو چھپاتے ہوئے، جب ان میں سے کوئی کسی کی زندگی میں آ کر شامل ہوتی ہے تو زندگی بھر کی رفاقت کا یقین ہو جاتا ہے اور وہی سب سے بہتر لگتا ہے...... ہندوستان کی میجر کامتی جو بہرحال اپنی تمام تر سفاکیوں کے باوجود ذہنی اور جسمانی طور پر عورت تھی...... ایک بے باک اور بھٹکی ہوئی عورت اور اس کے بعد یہ لڑکی جس کا تعلق یورپ سے تھا، اگر مجھے ایسی ہی لڑکیاں ملتی رہیں تو یقینی طور پر زندگی کے کسی حصے میں حسن و عشق کی دلکشی کی طرف مائل نہیں ہوں گا، کیونکہ بستی مراد جیسی آبادی میں میری تعمیر ہوئی تھی...... بے شک وقت نے برے راستوں پر ڈال دیا تھا، لیکن یہ برے راستے میرے حاصل کئے ہوئے نہیں تھے...... یہ تو وقت کی ترتیب تھی، رات کو گیارہ بجے زیادہ

پر اعتماد طریقے سے ہوائی سفر کے لئے روانہ ہو گیا اور اطمینان سے جہاز میں جا بیٹھا...... پھر مشرق کی پراسرار فضاؤں میں ایک بار اپنے تمام تر خیالات کے ساتھ ایئرپورٹ پر اتر گیا، اس بات کا مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کوئی میرے استقبال کے لئے آئے گا، لیکن وہ بھی ایک لڑکی تھی...... بھرے بھرے بدن کی مالک عمر زیادہ سے زیادہ بائیس یا تیئس سال، اس قدر دلکش نقوش کہ ایک بار دیکھنے کے بعد نگاہیں ہٹانے کو دل نہ چاہے...... حسین تو نینسی بھی تھی لیکن نینسی کی بے باک فطرت نے میری طلب حسن کو ٹھیس پہنچائی تھی اور میں اس سے دور ہٹ گیا تھا...... لڑکی آگے بڑھ کر بولی۔

"مسٹر دیپک...... میرا نام جیسیکا ہے اور میں مس سیمہ کی ساتھی ہوں...... ان کی اسسٹنٹ سمجھ لیجئے...... مس سیمہ تو اس وقت کیپ ٹاؤن گئی ہوئی ہیں...... شاید آپ سے کافی دن تک ملاقات نہ ہو سکے۔ لیکن مسٹر ہریش نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو اسسٹ کروں...... براہ کرم آیئے میں گاڑی لائی ہوں...... سارے حوالے اطمینان بخش تھے، پھر بھی میں نے جیسیکا سے کہا۔

"لیکن مس جیسیکا...... آپ کے پاس آپ کی اپنی کوئی شناخت تو ہوگی۔" جیسیکا مسکرا دی، پھر مجھ سے بولی۔

"مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں شناخت طلب کرنے کا انتظار کروں اور خود ہی سب کچھ بتانے نہ بیٹھ جاؤں...... یہ میرا کارڈ ہے۔" تنظیم کا یہ کارڈ میرے پاس بھی موجود تھا، جس پر دیپک سندھا نام لکھا ہوا تھا...... میں نے مسکراتے ہوئے جیسیکا کا شکریہ ادا کیا اور پھر اس کے ساتھ اسی کار میں بیٹھ کر چل پڑا...... جیسیکا مجھے اسی عمارت میں لائی تھی، جہاں ہریش سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی اور اس وقت بھی ہریش ایک بڑے ہال نما کمرے میں موجود تھا...... سیاہ چشمہ لگائے ہوئے اچھی پرسنیلٹی کا مالک، اس نے کھڑے ہو کر مجھ سے ہاتھ ملایا اور بولا۔

"اصولی طور پر مجھے چاہئے کہ تمہیں آرام کرنے دوں...... دیپک! لیکن ضروری ہے

کہ تھوڑی دیر تک ہم لوگ گفتگو کر لیں...... کیا تم اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کرو گے۔"

"سر آپ کا حکم دینا ہی کافی تھا۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"ہر معاملے میں حکم نہیں دیا جاتا...... اچھا خیر چھوڑو مجھے یہ بتاؤ...... تمہیں ساری معلومات حاصل ہو گئیں...... راج کمہار ہمارا بہترین کارکن تھا اور یہ حقیقت ہے کہ اس کے نام کے ساتھ ایسے ایسے کارنامے منسوب تھے کہ تنظیم اس پر فخر کرتی تھی...... اہم ترین کاموں میں اس کا انتخاب کیا جاتا تھا، لیکن افسوس وہ پراسرار طریقے سے قتل ہو گیا...... کیا تمہیں بلیک ٹیمپل کے بارے میں تمام تر معلومات فراہم کر دی گئی ہیں۔"

"کافی حد تک جناب!" میں نے جواب دیا۔

"اور اگر تم سے یہ کہا جائے کہ اب تمہیں راج کمہار کی جگہ لینی ہے اور بلیک ٹیمپل کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہے تو کیا تم خوشی سے اس بات پر آمادگی کا اظہار کر دو گے۔"

"سو فیصدی۔"

زندہ باد...... حالانکہ اس سلسلے میں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ جتنے پراسرار حالات میں راج کمار کی موت ہوئی...... اس کے بعد آسانی سے کوئی بلیک ٹیمپل کے اسرار معلوم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا، لیکن تم نے اتنی عمدگی کے ساتھ اس کام پر آمادگی کا اظہار کر کے مجھے خوش کر دیا ہے...... میرے سیکشن پر ایک بھرپور اعتماد کیا جاتا ہے اور تنظیم کے بہت بڑے بڑے لوگوں کا خیال ہے کہ ہریش کا سیکشن چیتوں پر مشتمل ہے اور یہ چیتے تنظیم کے لئے وہ کارنامے سرانجام دیتے ہیں جو دوسرے سیکشن کے افراد نہیں دے پاتے، لیکن کرو میں تمہیں خوش کرنے کی کوشش نہیں کر رہا...... میں اس وقت بے حد خوش ہوں کہ تم نے بڑے شاندار طریقے سے اپنا یہ کام مکمل کیا ہے اور ساری معلومات کے باوجود بڑے آرام سے تم نے اس خوفناک جزیرے پر جانے کا فیصلہ کر لیا ہے...... تھوڑی سی تفصیل اور بتانا چاہتا ہوں میں تمہیں...... وہ ایک عرب پتی شخص ہے جس کا نام تنظیم نے مجھ پر ظاہر نہیں کیا...... ہمیں صرف بنیادی باتیں بتا دی گئی ہیں...... مثلاً اس نے ہمیں بہت بڑی رقم کی پیش کش کی ہے اور

یہ کہا گیا ہے کہ اگر ہم نے اپنا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے دیا تو ہمیں مزید رقم دی جائے گی اور کچھ اور سہولتیں بھی فراہم کی جائیں گی...... مثلاً وہ شخص ایک بہت بڑی شپنگ کمپنی کا مالک ہے...... ہمیں سمندری نقل و حرکت میں بہت ساری رعایتیں ملیں گی، جہاں تک میرا اپنا خیال ہے وہ باتیں ہیں...... جیسا کہ بلیک ٹیمپل کے بارے میں یہ بات معلوم ہوئی کہ قدیم راجہ پھر اس کے بعد ہنورا نے وہ بے شمار دولت وہاں جمع کی جو اس قدیم راجہ کی ملکیت تھی......اور وہ شخص کہ راجہ سندھو کی یہ دولت حاصل کرنا چاہتا ہے...... میرا مطلب اس عرب پتی سے ہے، ہوسکتا ہے بلیک ٹیمپل کے اسرار معلوم کرنے کے بعد وہ وہاں اس دولت کو تلاش کرے، دوسرا ہوسکتا ہے کہ وہ عرب پتی ہنورا کی دائمی زندگی کا راز معلوم کرنا چاہتا ہو یا یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہنورا ہی آج تک بلیک ٹیمپل پر قابض ہے یا پھر کچھ اور لوگوں نے اس روایت سے فائدہ اٹھایا ہے...... یہ دو نظریات ہیں جو ہم لوگوں کے ذہن میں ہیں، لیکن ہمیں ان نظریات کا سراغ نہیں لگانا ہے، بلکہ ہمیں صرف بلیک ٹیمپل کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہے۔"

"جی سر۔"

"جیسیکا...... تمہارے اسسٹنٹ کی حیثیت سے تمہارے ساتھ جزیرے پر جائے گی اور یقیناً تم اسے ایک تعاون کرنے والی دلکش عورت پاؤ گے...... آنے والے تین دن تمہیں جیسیکا کی قربت حاصل ہوگی اور تم دونوں ایک دوسرے کو سمجھ لوگے۔" یہ بات ہریش نے فیصلہ کن لہجے میں کہی تھی اور میں اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرسکا تھا...... ہریش نے کہا۔

"اب تمہیں آرام کرنا چاہئے...... ہماری طرف سے تین دن تمہیں بالکل فری دیئے جاتے ہیں اور تم اگر چاہو، جیسیکا کے ساتھ خوب اچھی طرح گھوم پھر سکتے ہو، ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" ہریش اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل گیا، میں کچھ لمحے خاموشی سے کھڑا انتظار کرتا رہا تھا...... پھر باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی تو میں نے گردن گھما کر دیکھا، جیسیکا ہی تھی، بڑی دلکش مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر سجی ہوئی تھی، اس نے کہا۔

"آیئے مسٹر دیپک میں آپ کو آپ کا بیڈ روم دکھادوں۔" میں اس کے ساتھ چل ا، عمارت میں میرے لئے اسی کمرے کا بندوبست کیا گیا تھا، جس میں میں نے پہلے بھی کچھ ن گزارے تھے، لیکن اس وقت جیسیکا یہاں موجود نہیں تھی...... کمرے میں پہنچانے کے عد اس نے مجھ سے کہا۔

"مجھے یہ بتادیا گیا ہے کہ مجھے آپ کی اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرنا ہوگا، اپنے طور پر میں آپ سے صرف یہ عرض کردوں کہ مجھے اپنے مزاج کے بارے میں بتادیجئے گا، جو چیز آپ کو پسند ہو اور جو ناپسند ہو...... اگر میرے علم میں ہوگی تو شاید میں آپ کو بہت اچھی اسسٹنٹ بن کر یقین دلانے میں کامیاب ہوجاؤں۔"

"شکریہ مس جیسیکا! ایک عام سا آدمی ہوں اور کوئی خاص بات نہیں ہے...... آپ براہ کرم آرام کیجئے۔"

"او کے سر۔" جیسیکا نے کہا، بعد کے تین دنوں میں اس نے یہ ثابت کردیا کہ واقعی وہ ایک اچھی لڑکی ہے، حالانکہ کسی تنظیم میں نظر آنے والی ایسی لڑکی جس کا دن رات مختلف افراد سے واسطہ رہتا ہو، اتنی اچھی شخصیت کی مالک ہو تو بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ اگر تقدیر اسے کوئی اچھا ماحول فراہم کردیتی تو یقینی طور پر وہ ایک مثالی عورت ثابت ہوسکتی تھی...... بہرحال یہ لڑکی مجھے بہت زیادہ پسند آئی تھی...... تعاون کرنے والی ضد نہ کرنے والی اور اتنی اپنائیت سے پیش آنے والی کہ احساس ہو جیسے برسوں کی رفاقت ہے...... میں اس سے اس دوران بڑا بے تکلف ہوگیا تھا...... تین دن گزر گئے اور ہریش کی طرف سے مجھے کوئی خاص پیغام نہیں ملا...... میں اور جیسیکا گھومنے پھرنے بھی نکل جاتے تھے...... ہم نے بہت سے علاقوں کی سیر کی تھی اور میں انتہائی کوشش کررہا تھا کہ جیسیکا کو اس بات کا اندازہ نہ ہونے پائے کہ میں دہلی سے واقف نہیں ہوں، چونکہ میں ہندوستان ہی کا ایک کردار تھا...... اس لئے اگر میں دہلی سے کسی حد تک ناواقفیت کا اظہار کرتا تو اسے حیرت ہوتی اور ہوسکتا ہے وہ لوگ مجھ پر شبہ کرنے لگتے...... اپنی صورت سے بھی بارہا خوفزدہ ہوا کہ کہیں مجھے شناخت نہ

کر لیا جائے اور یہ اندازہ نہ لگا لیا جائے میرے بارے میں کہ میں مظلوم کشمیریوں کے ساتھ قید تھا، حالانکہ بارہا میرے دل میں بہت سی ایسی چیزوں کو دیکھ کر یہ خیال آیا تھا، جن کے بارے میں مجھے صرف کتابی معلومات تھیں اور اب میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کروں، لیکن صرف اس خیال سے جیسیکا سے نہیں پوچھا تھا کہ کہیں وہ میری طرف سے مشکوک نہ ہو جائے...... بہر حال اس طرح وقت گزر رہا تھا، اس دوران بہت سی باتیں ہوئی تھیں، لیکن چوتھے دن جیسیکا نے مجھ سے حیران لہجے میں کہا۔

”اور آپ نے مجھے بلیک ٹیمپل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا مسٹر دیپک...... بلیک ٹیمپل تو واقعی ایک پراسرار جگہ ہے اور ہم دونوں کو وہاں جا کر جو معلومات کرنا ہوں گی وہ بڑی سنسنی خیز ہوں گی...... آپ یقین کیجئے، میری پوری زندگی ایڈونچر ہے، آپ نے کبھی مجھ سے میرے بارے میں نہیں پوچھا...... اس لئے میں نے بھی آپ کو اپنے بارے میں نہیں بتایا لیکن میں آپ کو بتا دوں کہ اس چھوٹی سی عمر میں بھی میں نے بڑی بڑی مہمات سرانجام دی ہیں...... گو ایسی کوئی مہم میں نے تنہا نہیں سرانجام دی، لیکن بہر حال میری شرکت کو بہتر سمجھا جاتا ہے اور اس لئے شاید مسٹر ہریش نے مجھے آپ کے ساتھ اس مہم میں شریک کیا ہے اور جناب عالی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ آج ہم تیاریاں کر لیں، بہت جلد ہمیں رخصت کر دیا جائے گا۔“

”مجھے کوئی خاص تیاری نہیں کرنی لیکن یہ جان کر مجھے حیرت ہوئی کہ اس خطرناک اور سنسنی خیز مہم میں آپ میرے ساتھ ہوں گی، مس جیسیکا...... ایک خاتون اس قدر پراسرار مہم پر روانہ ہو، یہ ذرا مشکل کام ہے۔“

”یہی تو میں آپ سے کہنے والی تھی کہ مجھے صرف خاتون نہ سمجھا جائے...... میں جس طرح آپ کی معاون ثابت ہوں گی...... اس کے بعد، بعد میں آپ کو یہ احساس ہو گا کہ تنظیم کے افراد نے ایک اچھا فیصلہ کیا تھا۔“

”آپ کو معلوم ہے مس جیسیکا کہ اس پراسرار جزیرے تک ہم کیسے پہنچ سکے۔“

”جی ہاں کیوں نہیں...... دہلی سے آپ کو کولمبو پہنچنا ہو گا اور کولمبو سے مالدیپ کے دارالحکومت مالے...... مالے پہنچنے کے بعد ہم اس پراسرار جزیرے کی جانب سفر کریں گے، لیکن ہمیں یہ مالے ہی سے معلوم ہو گا کہ ہمارا سفر کس انداز میں ہو گا۔“

”ویسے اور کچھ معلومات ہیں۔“

”ہاں...... مالے سے ہمیں کرائے کی لانچ مل سکتی ہے اور یہی طریقہ زیادہ مناسب ہو گا، کیونکہ ہمیں خاموشی سے جزیرے پر پہنچنا ہے...... ویسے مسٹر ہریش نے مجھے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا ہے کہ جزیرے پر اجنبیوں کی آمد کو پسند نہیں کیا جاتا اور اگر کوئی وہاں پہنچ بھی جاتا ہے تو پراسرار طریقے سے اسے قید کر لیا جاتا ہے...... پھر اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔“

”گڈ...... دلچسپ بات ہے اور واقعی میں بھی دلچسپی سے اس بارے میں سوچ رہا ہوں کہ یہ مہم ایک شاندار مہم ثابت ہو گی۔“ جیسیکا مجھے یہ تمام تفصیلات بتانے کے بعد چلی گئی تھی، لیکن ایک بار مجھ پر پھر سوچوں کے نگر کھل گئے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا زندگی مجھ سے یہی سب کچھ چاہتی ہے...... کبھی کچھ کبھی کچھ...... اب میں ایک پراسرار مہم جو کی شکل اختیار کر گیا تھا اور مجھے ایک ایسے پراسرار ٹیمپل کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھیں جہاں کی داستان صدیوں پرانی لیکن انتہائی ہولناک اور بھیانک تھی...... البتہ یہ خیال بھی میرے دل میں بارہا آتا تھا کہ تقدیر نے میرے لئے اگر یہ پراسرار انکشاف لکھ دیا ہے، تو واقعی آنے والا وقت ایک سنسنی خیز کیفیت کا حامل ہو گا اور شاید مجھے سخت ترین اذیتیں برداشت کرنے کی ہمت اسی لئے دی گئی ہے کہ میں اس پراسرار سفر میں کسی طرح کی مشکل محسوس نہ کر سکوں...... ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، سارے انتظامات ہی تو آسمانوں سے کر دیئے گئے تھے...... کوئی آگے پیچھے نہیں تھا، جس کی طرف سے یہ خوف ہو کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو کچھ لوگ دکھی ہو جائیں گے...... تنہا ہو جائیں گے...... مجھے ایسی کسی شخصیت کے بارے میں نہیں سوچنا تھا...... کبھی کبھی انسان اپنے لئے نہیں بلکہ دوسرے کے لئے جیتا ہے اور کوئی سوچ

بھی نہیں سکتا کہ وہ کسی کے لئے کیا قربانی دے رہا ہے...... بس قربان ہو جانا اس کی تقدیر کا
ایک حصہ ہوتا ہے، بلکہ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کے لئے زندگی کھودی جائے اور
جس کے لئے زندگی کھودی جائے وہ یہ کہے کہ بیچارے کی تقدیر میں یہی تھا...... پتہ نہیں
زندگی کھونے والے کو ایسے لمحات میں اپنی حماقت کا احساس کسی شکل میں ہوتا ہوگا، یہ سارے
باتیں میرے ذہن میں تھیں اور میں تن بہ تقدیر ہوگیا تھا، جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا
پراسرار ٹیمپل کا راز معلوم کرنے کے لئے اپنے ذہن کو تیار کرنا بہت ہی ضروری تھا...... و
بھی بستی مراد کا سادہ لوح خرم شہزاد اب ایک مختلف شخصیت کا مالک بن چکا تھا اور وقت کہ
کہ اسے اپنے اندر مزید تبدیلیاں پیدا کرنی چاہئیں تا کہ وہ آنے والے وقت سے لڑ سکے۔

بے شک مجھے دیپک کی حیثیت سے پورے پورے اعتماد کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا،
لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ جیسیکا میری بہترین معاون تھی اور اس کے انداز میں
جو اپنائیت بڑھ رہا تھا وہ مختلف انداز کی تھی...... یعنی میجر کامتی جو کچھ چاہتی تھی، جیسیکا کا انداز اس
سے بالکل مختلف تھا...... ان دنوں میں ہم دونوں ایک دوسرے سے خاصی بے تکلفی سے
گفتگو کرنے لگے تھے اور مجھے یوں لگتا تھا جیسے جیسیکا بھی اپنی ذمہ داریوں سے ہٹ کر میری
جانب راغب ہو، لیکن بہرحال ہم دونوں کے درمیان براہ راست ایسی کوئی بات چیت اب
تک نہیں ہوئی تھی...... اس وقت بھی انڈین ایئرلائنز کا بوئنگ سیون زیرو سیون فضا کے
دوش پر محو پرواز تھا...... اکنامی کلاس میں، میں اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا ایک میگزین کا جائزہ لے رہا
تھا اور میرے بالکل قریب میرے جسم سے جسم ملائے، جیسیکا بیٹھی ہوئی سوچ میں غرق
تھی...... اس نے ایک بہت خوب صورت ساڑھی باندھ رکھی تھی اور اس کے بدن سے ایک
دھیمی دھیمی خوشبو اُٹھ رہی تھی، وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی اور میں اپنے طور پر غور
کر رہا تھا کہ اگر زندگی آگے کے لمحات میں کسی بھی شکل میں کچھ سکون بخشے تو جیسیکا جیسی
حسین عورت کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا کر زندگی کے لمحات کو خوشگوار بنایا جا سکتا ہے...... اگر
فرض کیا جائے کہ میں جیسیکا سے اظہار الفت کروں اور وہ بھی جیسا کہ مجھے محسوس ہو رہا ہے،
میری محبت کو قبول کرے تو کیا ہم دونوں ایک ہو سکتے ہیں، لیکن ذرا مشکل ہی نظر آتا تھا......
بے شک وہ دیپک کی حیثیت سے تو مجھے قبول کر سکتی ہے، لیکن اگر اسے یہ بات معلوم ہوگی
کہ میرا نام خرم شہزاد ہے تو ایک مسلمان اور ہندو کا درمیانی فرق کس طرح مٹے گا...... اب
ایسی جذباتی باتیں سوچنا تو حماقت تھی کہ وہ میرے لئے مسلمان ہو جائے گی...... خیر میرے تو
ہندو ہونے کا تصور ہی مشکل تھا، لیکن کیا ایسا ہو سکتا ہے، اگر ایسا ہو سکتا ہے تو جیسیکا جیسی
خوب صورت عورت میرے لئے ہر طرح سے قابل قبول ہوگی...... میں یہ تمام باتیں سوچ رہا

تھااور جیسیکا اپنی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی...... میگزین میرے ہاتھوں میں تھا کہ اچانک اس
نے ہاتھ آگے بڑھا کر میگزین میرے ہاتھ سے لے لیا اور کسی قدر ناز بھرے انداز میں بولی۔
"اب ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے اس قدر اجنبی تو نہیں ہیں کہ تم اس خوب
صورت سفر میں صرف میگزین دیکھتے رہو اور میں خاموش بیٹھی خلاء میں گھورتی رہوں۔"
میں نے مسکرا کر اسے دیکھا اور کہا۔
"میں تو خود اتنی دیر سے یہ انتظار کر رہا تھا مس جیسیکا کہ آپ میری جانب متوجہ ہوں
لیکن بہر حال میں نے آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" اس نے بڑے دلکش انداز
میں ہونٹ سکوڑے اور بولی۔
"کیا ہم دونوں کے درمیان یہ اجنبیت مسلسل رہے گی دیپک۔"
"رہنی تو نہیں چاہئے، لیکن آپ سمجھتی ہیں کہ بہر حال ایک عورت کا احترام ایک مرد
پر فرض ہوتا ہے۔"
"احترام...... احترام...... پتہ نہیں کن لوگوں نے یہ تمام رسمی باتیں بنا رکھی
ہیں، جب ہم گہرے دوست ہیں...... گہرے ساتھی ہیں اور ایک ایسے مشن پر کام کر رہے ہیں
جس میں زندگی موت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا تو پھر اپنے درمیان اتنی ساری اخلاقی دیواریں
کیوں اٹھائے رکھیں۔" میں نے ایک لمحے کے لئے سنجیدہ ہو کر اسے دیکھا...... جیسیکا تو مجھے
بہت گہری دعوت دے رہی ہے تو میں نے اس سے کہا۔
"پھر بھی مس جیسیکا...... مرد کے اندر یہ جرات نہیں ہوتی کہ آگے بڑھ کر کسی
عورت سے اس قسم کی کسی کیفیت کا اظہار کرے...... ہاں، اگر اسے کہیں سے کوئی توجہ ملے تو
پھر اسے آگے قدم بڑھانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی...... آپ سمجھ رہی ہیں نا میری
بات۔" وہ ہنس پڑی اور پھر بولی۔
"ذرا اس ایئر ہوسٹس کو دیکھئے...... مسافروں سے کس طرح مسکرا مسکرا کر باتیں
کر رہی ہے...... اس کی اس مسکراہٹ سے کوئی بھی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے۔"

"ہاں...... لیکن اس کے بعد اسے بڑی مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے...... یہ فلائٹ اپنی
منزل پر پہنچ جاتی ہے۔"
"کیا انسان اتنا مصنوعی ہو سکتا ہے۔"
"پتہ نہیں کیا کیا ہو سکتا ہے انسان۔" میں نے مدھم لہجے میں کہا۔
"خیر میں اتنی مصنوعی نہیں ہوں...... پتہ نہیں کیوں ویسے ایک بات میں بتاؤں......
اگر واقعی مجھے کوئی اس جیسی ملازم مل جائے تو میں چار دن بھی نہ چل سکوں...... نوکری سے
نکال دی جاؤں۔"
"کیوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"اس لئے کہ میں کوئی اتنی مصنوعی بات کر ہی نہیں سکتی...... میں تو بالکل صاف اور
کھری ہوں۔"
"خیر کوئی ایسی بات نہیں ہے...... اچھا اب یہ بتائیے...... ہمارا آگے کا پروگرام کیا ہوگا۔"
"آگے کا پروگرام۔" اس نے شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔
"ہاں کیوں۔"
"یہ تو مجھے نہیں معلوم کہ بات کس حد تک آگے بڑھ جائے گی...... ویسے لگ رہا ہے
کہ ہمارے درمیان بات آگے بڑھ جائے گی۔" جیسیکا بدستور شرارت سے بولی...... ایک
لمحے کے لئے میرا منہ حیرت سے کھلا اور پھر میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"خیر بات اس شکل میں آگے بڑھی تو شاید مجھے کوئی اعتراض نہ ہو۔" میں نے اپنی
طرف سے جیسیکا سے اظہار الفت کر دیا...... یہ ظاہر کر دیا کہ میں اسے پسند کرتا ہوں اور اگر
کبھی کوئی موقع ایسا مل گیا تو اسے زندگی کا ساتھی بنانے سے گریز نہیں کروں گا، اب یہ الگ سی
بات ہے کہ میرے اندر یہ احساس موجود تھا کہ یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہوگا...... بہر حال
اس کے بعد ہم مختلف باتیں کرتے رہے اور آخر کار کولمبو پہنچ گئے...... کولمبو میں ہمیں صرف
ایک دن گزارنا تھا، کیونکہ ہماری منزل مالے تھی اور مالے ہی میں ہمارا کام ہو سکتا تھا، میں نے

بہت کچھ سوچا تھا اور صحیح انداز میں اپنے کام پر عمل کرنے کے لئے ایک لائحہ عمل کا انتخاب کرنا چاہتا تھا...... بہر حال کولمبو سے روانہ ہو کر ہم مالے پہنچے...... مالدیپ میں مالے کے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں قیام کیا اور پھر اس شام ایک دلچسپ صورت حال پیدا ہو گئی...... ہم لوگ گھومنے پھرنے کے لئے نکلے تھے اور مالے کے حسین مناظر کو دیکھتے پھر رہے تھے کہ ہماری ملاقات ایسی شخصیت سے ہو گئی جس کے بارے میں کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ مجھے جو معلومات وہاں سے حاصل ہوئی تھیں ان کے تحت میں نے علی جاہ کو ایک نگاہ میں پہچان لیا...... بوڑھا آدمی تھا اور بڑی شاندار شخصیت کا مالک، یعنی ایسے بوڑھوں میں اس کا شمار ہوتا تھا، جن کے بڑھاپے کو حسین ترین کہا جا سکتا تھا...... میں نے اسے تاڑہ اور اس کے بعد اس کے پاس پہنچ گیا...... میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مسٹر علی جاہ آپ کو حیرت تو ضرور ہو گی، میری اس بے تکلفی پر اور آپ ضرور یہ سوچیں گے کہ میں کس طرح آپ تک پہنچ گیا...... آپ براہ کرم مجھے کچھ وقت دے سکیں گے۔" بوڑھے نے حیرانی سے میری صورت دیکھی، ادھر میرے اس سے ملنے پر جیسیکا بھی خاصی حد تک حیران ہو گئی تھی...... اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مالے میں میرا ایسا کون شناسا ہے...... بوڑھے کی شخصیت میں بھی کچھ ایسی ہی بات تھی کہ جیسیکا اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکی...... بوڑھے نے کہا۔

"لیکن آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا۔"

"علی جاہ! میں تھوڑے دن پہلے لندن میں تھا اور لندن سے مجھے آپ کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی...... بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ۔"

"اوہ...... ہو...... اوہ ہو...... اوہ ہو...... آپ میرے ساتھ آئیے براہ کرم، سامنے والی عمارت میں۔" وہ ہمیں لے کر ایک گھر کے دروازے پر پہنچ گیا اور پھر ہم اندر داخل ہو گئے...... چند لمحات کے بعد ہم ایک ایسے کمرے میں پہنچے جس میں کتابوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی...... فرش پر ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی جس پر کئی کتابیں کھلی پڑی ہوئی تھیں اور

اندازہ ہوتا تھا کہ علی جاہ کتابوں کا رسیا ہے...... میں نے دلچسپی سے اس کی اس لائبریری یا کمرے پر نگاہ ڈالی اور کہا۔

"ویری گڈ...... کتاب زندگی کی وہ گہری دوست ہوتی ہے جس کی دوستی پر ہمیشہ اعتبار کیا جا سکتا ہے...... ویسے یقینی طور پر ہم نے آپ کو پریشان کیا ہے علی جاہ۔"

"نہیں دوست...... میں آدم بیزار یا تنہائی پسند نہیں ہوں...... میرے اپنے مشاغل اپنی جگہ ہیں اور لوگوں سے ملاقات اپنی جگہ پر۔"

"آپ کے پاس بڑی نایاب کتابیں ہیں۔" میں نے تعریفی انداز میں کہا۔

"ہاں...... میں نے کہا ناں...... یہ میرے بہترین دوست ہیں، جو نہ تو مجھے پریشان کرتے ہیں اور نہ تو مجھے بھٹکاتے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ مجھ سے کچھ خرچ بھی نہیں کراتے۔"

"مجھے علم ہے کہ آپ دنیا کی بہت سی زبانیں جانتے ہیں۔"

"بس یوں سمجھ لو کہ یہ میرا جنون ہے...... میرے پاس دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں لکھی ہوئی کتابیں ہیں...... خیر اس وقت تم میرے مہمان ہو...... یہ بتاؤ کیا پینا پسند کرو گے۔"

"زحمت نہ کریں تو اچھا ہے، مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ یہاں آپ سے ملاقات ہو جائے گی...... وہاں لندن میں آپ کی نشاندہی ہوئی تھی اور میں نے آپ کو تلاش کیا تھا...... پتہ چلا تھا کہ آپ سری لنکا گئے ہوئے ہیں۔"

"اتفاق کی بات ہے کہ میں کل رات ہی سری لنکا سے واپس آیا ہوں۔" علی جاہ نے جواب دیا۔

"ویری گڈ...... اس کا مطلب ہے کہ میری تقدیر میرا ساتھ دے رہی ہے۔"

"یقیناً تقدیر تمہاری تقدیر میں اور معاف کیجئے...... خاتون تمہاری تقدیر میں بہت عمدہ چائے بھی لکھی ہے، جسے لے کر میں ابھی آتا ہوں۔" اس نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر مکان کے اندرونی حصے میں چلا گیا...... جیسیکا نے دلچسپی سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ میں اسے نہیں جانتی، لیکن مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ ہمارے مقصد میں وہ

ہمارا بہترین ساتھی ثابت ہو سکتا ہے...... مجھے کچھ ایسے ہی لگ رہا ہے، ویسے آدمی بڑا ذہین لگ رہا ہے۔"

"تم تصور نہیں کر سکتی جیسیکا کہ اس شخص کے ملنے سے ہمارے کتنے مسائل حل ہو گئے ہیں۔"

"ایک بات کہوں۔"

"ہاں......ہاں......ضرور۔"

"زمانے کا ستایا ہوا لگتا ہے۔"

"کیوں۔"

"بس یہ میرا خیال ہے۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے، یہ اس کی ذاتی زندگی ہے۔"

"بعض لوگ اپنے حلیئے سے اپنی اندر کی تحریر بن جاتے ہیں...... یہ شخص مجھے اپنے اندر کی تحریر نظر آتا ہے۔" ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ علی جاہ چائے کی کیتلی اور چھوٹی چھوٹی پیالیاں لے کر آ گیا...... برتن قیمتی نہیں تھے، لیکن صاف ستھرے تھے...... اس نے ہم لوگوں کو چائے کی پیش کش کی اور پھر اپنی چائے کے کچھ گھونٹ لے کر بولا۔

"ہاں دوست...... اصل میں میرے لئے ایک بہت بڑی مشکل یہ ہے کہ کسی قسم کے تجسس کو برداشت نہیں کر پاتا...... مجھے یقین ہے کہ تمہیں مجھ سے کوئی بہت ہی ضروری کام ہے اور تم اس سلسلے میں میرے پاس آئے ہو، لیکن بہتر یہ ہے کہ تم اس کام کا آغاز کر دو۔"

"ہم لوگ دہلی سے آئے ہیں...... یہ میری ساتھی جیسیکا ہیں...... ہم ایک اہم سلسلہ میں آپ کی خدمات حاصل کرنا چاہتے ہیں مسٹر علی جاہ۔"

"سلسلہ کیا ہے چائے اور لو۔" علی جاہ نے پیالی میں اور چائے اُنڈیل دی۔

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ اس پراسرار جزیرے پر جا چکے ہیں، جہاں کی روایات عجیب و غریب ہیں...... میری مراد اس جزیرے سے ہے جس پر بلیک ٹیمپل واقع ہے۔"

میرے ان الفاظ پر علی جاہ کے چہرے پر عجیب سا تاثر پھیل گیا...... کچھ لمحے وہ خاموش رہا اور پھر اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

"ہاں...... میں وہاں کئی بار گیا ہوں اور تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ بلیک ٹیمپل کا سردار میرا دوست ہے...... پہلے وہ میرا بدترین دشمن تھا لیکن ایک بار میں نے سمندر میں ڈوبتے ہوئے اس کے بیٹے کی جان بچائی تھی...... اس دن سے وہ میرا بہت اچھا دوست بن گیا ہے...... شاید تمہیں اس بات کا علم ہو کہ وہ جزیرے پر کسی اجنبی کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتے، لیکن یہ صرف میں ہوں جس پر وہاں موجود قبیلے کے سردار کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا...... بڑی محبت سے پیش آتا ہے مجھ سے اور بڑی خاطر مدارت کرتا ہے وہ میری۔"

"ایک بات بتائیے مسٹر علی جاہ۔"

"ہاں پوچھو۔"

"کیا قبیلے کا سردار اور بلیک ٹیمپل کا پجاری الگ الگ لوگ ہیں۔"

"ہاں...... بالکل ہمیشہ سے ان کا سردار اور ہوتا ہے اور ٹیمپل کا پجاری اور ہوتا ہے۔"

"کیا پجاری یہ جانتا ہے کہ تمہاری سردار سے گہری دوستی ہے اور تم وہاں آتے جاتے رہتے ہو۔" جواب میں علی جاہ کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ بلیک ٹیمپل کا پجاری پجاری نہیں ہوتا...... قبائلی اسے اپنا دیوتا مانتے ہیں اور وہ انتہائی پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔"

"ایک بات اور علی جاہ! مجھے یہ بتائیے کہ یہ پجاری کیا صدیوں سے زندہ ہے یا بدلتا رہتا ہے...... اگر بدلتا رہتا ہے تو اس کا طریقہ کار کیا ہے۔" علی جاہ نے چند لمحے آنکھیں بند کئے سوچنے میں وقت صرف کیا، پھر اپنے پیالے میں بھی چائے اُنڈیلی اور اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا رہا...... اس دوران ہم صبر و سکون سے اس کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرتے رہے تھے...... جیسیکا سب سے زیادہ حیران تھی...... اسے اُمید نہیں تھی کہ یہاں پہنچنے کے فوراً بعد کوئی ایسی شخصیت مل جائے گی جس سے بلیک ٹیمپل کے بارے میں اتنی عمدہ معلومات

حاصل ہو جائیں گی...... دفعتاً ہی میں نے علی جاہ کے چہرے پر کچھ تبدیلیاں محسوس کیں، اِس بار اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کی آنکھوں میں سختی تھی، اس نے کہا۔

"میں کافی حد تک بے وقوف آدمی ہوں...... کبھی کبھی ایسی حرکتیں کر جاتا ہوں، جن پر زندگی بھر مجھے شرمندگی رہتی ہے، لیکن جیسا کہ میں نے تم سے کہا ہر انسان کے اندر کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے...... میری کمزوری ایک خوب صورت کمزوری ہے...... مجھے معاف کرنا لڑکی، عمر میں تمہارے دادا کے برابر ہوں میں، لیکن اسے کیا کہا جائے کہ تم ایک خوب صورت لڑکی ہو اور میں خوب صورت لڑکیوں کے سامنے سب کچھ بھول جاتا ہوں...... اس وقت بھی ایسا ہی ہوا ہے...... جیسیکا ان الفاظ پر حیران رہ گئی تھی، اس نے تعجب سے کہا۔

"مگر سر۔"

"نہیں اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ میری نیت میں تمہارے لئے کوئی کھوٹ ہے یا میری نگاہیں تمہارے چہرے سے ایک لمحے کے لئے ہٹ کر کہیں اور پہنچی ہیں تو براہ کرم اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دو...... میں تو ایک مصور ہوں، جو حسین تصویروں کا رسیا...... خوبصورت رنگوں کا دیوانہ اور دلکشی سے محبت کرنے والا ہے...... وہ یہ نہیں سوچتا کہ کائنات میں کھلے سارے پھول اس کی آغوش میں پہنچ جائیں...... وہ بالکل یہ نہیں چاہتا کہ زندگی کا حسن صرف اس کا اپنا ہو کر رہ جائے، جو لوگ یہ چاہتے ہیں وہ اچھے لوگ نہیں ہوتے، میری نگاہ میں، میں تو بس حسن کا پجاری ہوں...... بات کچھ کر رہا تھا، ذہن کہاں سے کہاں پہنچ گیا...... اب میں تم سے مخاطب ہوں مسٹر! آخر تم کس بنیاد پر مجھ سے یہ تمام سوالات کر رہے ہو اور میں کس بنیاد پر تمہیں یہ تمام جوابات دے رہا ہوں...... کیا دلچسپی ہے مجھے تم سے اور حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بتاؤ کہ تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا کہ میں بلیک ٹیمپل یا اس پراسرار جزیرے کے بارے میں کچھ جانتا ہوں۔"

"اچانک ہی تم ہتھے سے اُکھڑ گئے ہو...... ڈیئر علی جاہ، حالانکہ اس سے پہلے تم مجھے سب کچھ بتانے پر آمادہ ہو گئے تھے اور اس کی وجہ تم نے یہ بتائی ہے کہ خوب صورت لڑکیوں کو دیکھ

کر تم اپنے حواس کھو بیٹھتے ہو...... میں نے تمہیں اس سے پہلے لندن کا حوالہ دیا تھا جسے تم نے بخوبی قبول کر لیا تھا۔"

"ہاں...... ہاں...... ہاں...... میں لندن میں رہتا تھا، مگر اب نہیں رہتا...... بہت عرصہ ہوا مجھے یہاں آئے ہوئے...... ویسے میں لندن جا کر رہتا تھا۔"

"اور وہاں اپنے گہرے دوست راج کمار سے ملتے رہتے تھے۔" میں نے کہا تو وہ بری طرح چونک پڑا...... پھر اس نے کہا۔

"تمہیں راج کمار کے بارے میں کس نے بتایا۔"

"نینسی نے۔"

"کیا تم نینسی کو جانتے ہو۔"

"سب کو جانتا ہوں، مگر یہ تو بڑی عجیب بات ہے راج کمار کے بارے میں تمہیں کچھ معلوم ہے۔"

"ہاں...... یہ کہ راج کمار بھی بلیک ٹیمپل کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔"

"یہی تو غلطی تھی اس کی جب وہ جانتا تھا کہ میں سری لنکا آتا جاتا رہتا ہوں، نہ صرف سری لنکا بلکہ مالدیپ میں بھی میرے تعلقات دُور دُور تک ہیں، پھر بھی اس نے اپنے طور پر کام شروع کیا...... اصل میں ایسے لوگ جو خود بغیر پروں کے فضاؤں میں پرواز کر جانا چاہتے ہیں، ایسے ہی نقصان اٹھاتے ہیں...... مجھے اس سے بہت محبت تھی، لیکن وہ مجھ پر اعتبار نہیں کرتا تھا...... کیا فائدہ ایسی دوستی سے جس میں ایک دوسرے پر اعتبار نہ ہو۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں مائی ڈیئر علی جاہ!"

"خیر...... تو اب تم بلیک ٹیمپل کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو، بڑی پُراسرار اور سنسنی خیز جگہ ہے وہ قبائلیوں کے درمیان تم کبھی نہیں جا سکتے...... میں نے تمہیں بتایا کہ پہلے میں بھی وہاں نہیں جا سکتا تھا، لیکن ایک بار میں نے قبائلی سردار ویرائن کے بیٹے کی جان بچائی تھی...... بس سمجھ لو اس کے بعد سے اس کی اور میری دوستی ہوئی، ورنہ وہ پہلے

میرا بدترین دشمن تھا۔"

"اور سردار کے بارے میں تم بتا رہے تھے کہ۔" میں نے کہا تو بوڑھا علی جاہ، جیسیکا کو دیکھنے لگا...... جیسیکا موقع شناس تھی، وہ بڑے دل آویز انداز میں مسکرائی اور اس نے کہا۔

"ویسے مسٹر علی جاہ...... آپ کا طریقہ گفتگو اس چائے کی طرح میٹھا اور لذیذ ہے۔" ...... نے چونک کر جیسیکا کی طرف دیکھا اور ایک دم ہی سمجھ گیا کہ جیسیکا نے بوڑھے ہی کی نشاندہی اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے...... بہر حال ایسی تعاون کرنے والی ساتھی بہترین ہوتی ہے جیسیکا کی نغمہ بار آواز اور اس کے دلکش انداز نے ایک بار پھر علی جاہ کو گرفت میں لے لیا...... اس عمر کا کوئی بوڑھا ایسا دلچسپ ہو یہ ایک پر لطف بات تھی، اس نے کہا

"ہاں...... بلیک ٹیمپل کا پجاری جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ قبائلی اسے اپنا دیوتا مانتے اور وہ بہت ہی پراسرار قوتوں کا مالک ہے...... سوال یہ کیا گیا تھا کہ کیا وہ صدیوں سے زندہ تو شاید ایسا نہیں ہے، بلکہ اس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ جب پجاری بوڑھا ہو جاتا ہے اسے آسمان پر اٹھا لیا جاتا ہے اور اس کی جگہ نوجوان دیوتا آسمانوں سے جزیرے پر اتارا جاتا ہے"

"اوہ...... میری گاڈ۔" میرے اور جیسیکا کے حلق سے بیک وقت نکلا۔

"اور یہ بات خود ویرائن...... نے مجھے بتائی ہے...... ویرائن خود اسکا بڑا معتقد ہے اور یہ بات اس نے جھوٹ نہیں کہی...... میرا مطلب ہے اپنی دانست میں۔"

"خود تمہارا اپنا کیا خیال ہے اس سلسلے میں ڈیئر علی جاہ!" جیسیکا نے سوال کیا۔

"میں کیا دنیا کا کوئی شخص بھی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا، لیکن قبائلی اس عقیدے پر کامل یقین رکھتے ہیں۔"

"تم نے میرے پہلے سوال کا جواب نہیں دیا۔" میں نے کہا۔

"اس...... ہاں اصل میں جسے تم پجاری کہہ رہے ہو ناں، اسے جزیرے پر میری موجودگی کا علم نہیں ہوا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے کبھی اس کے سامنے آنے کی کوشش ہی نہیں کی...... تمہیں بہت سی باتیں نہیں معلوم ہوں گی اس کے بارے میں، وہ سال میں ایک بار

صرف ایک بار بلیک ٹیمپل سے نکلتا ہے اور اتفاق ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں اس موقع پر وہاں موجود رہا ہوں...... ویسے ایک بات بتاؤ دوست! تمہیں ان سارے معاملات سے کیا دلچسپی ہے...... راج کمار نے بھی اس سلسلے میں مجھ پر بھروسہ نہیں کیا تھا اور اپنے طور پر یہ سب کچھ کرتا رہا تھا، لیکن تم مجھے یہ بات بتاؤ کہ اسے اور تمہیں ان سارے معاملات سے کیا دلچسپی ہے۔"

"بس یوں سمجھ لو کہ اس پراسرار عمارت کے بارے میں ہم تفصیلات جاننا چاہتے ہیں۔ اصل میں ہم ایک کتاب مرتب کر رہے ہیں جن میں دنیا کے پراسرار قبیلوں کی کہانی ہو گی اور اس کتاب کا ہمیں بہترین معاوضہ ملا ہے...... بلیک ٹیمپل ایسی ہی دلچسپ جگہ ہے کہ اس کے بارے میں معلوم نہ کرنا گویا ہماری اس کتاب کا ادھورا رہ جانا ہے۔"

"مگر میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

"ہم تمہاری رہنمائی میں اس جزیرے پر جانا چاہتے ہیں اور بلاشبہ ہمیں یہ کہنے میں کوئی دقت نہیں ہے کہ تمہیں اس کا معقول معاوضہ پیش کیا جائے گا۔" علی جاہ! نے ایک بار پھر جیسیکا کی طرف عاشقانہ نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔

"میں معاوضے وغیرہ کا لالچ اپنے دل میں نہیں رکھتا اور ویسے بھی تم یہ نہیں جانتے کہ میری ساری زندگی مہمات میں گزری ہے...... ایڈونچر میری زندگی ہے، لیکن صرف اتنی سی بات کے لئے تم یہ زبردست خطرہ مول لے رہے ہو کہ تم ایک کتاب مرتب کرنا چاہتے ہو اور یہ خاتون یہ کیا چاہتی ہیں...... اوہ ہو...... میں نے تم دونوں کے درمیان رشتے کو تو پوچھا ہی نہیں...... پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے درمیان کیا رشتہ ہے۔"

"ہم دونوں صرف دوست ہیں اور اس کتاب کی حد تک ایک دوسرے سے متعارف ہیں، اس کے بعد ان کا راستہ الگ اور میرا راستہ الگ۔" جیسیکا نے جلدی سے کہا...... چالاک لڑکی تھی، موقع کی نزاکت سمجھتی تھی اور اس کے لحاظ سے بولنا جانتی تھی...... اس کے ان الفاظ کے اثرات اس ٹھرکی بوڑھے کے چہرے پر نمایاں نظر آئے...... یعنی وہ خاص حد تک مطمئن ہو گیا تھا...... پھر اس نے کہا۔

"خیر ویسے تو راج کمار بھی اس جزیرے کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے مجھ سے کبھی کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا، اسکا مطلب ہے کہ وہ کوئی کتاب مرتب نہیں کرنا چاہتا تھا، بلکہ اس کے پس منظر میں کوئی اور ہی جذبہ کام کر رہا تھا...... خیر ہو گا مجھے اس سے کیا...... میں تو صرف تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ قبائلیوں کا سردار بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ باہر کے لوگ جزیرے کے حالات معلوم کرنے آئیں اور خاص طور سے پجاری کا تو حکم ہے کہ کسی بھی اجنبی کو جو جزیرے پر قدم رکھے قتل کر دیا جائے...... اگر اسے معلوم ہو جائے کہ قبیلے کے سردار سے میری دوستی ہے اور میں جزیرے پر آتا رہتا ہوں تو وہ سردار ہی کو ختم کرادے گا اور کسی دوسرے شخص کو سرداری سونپ دے گا...... وہ اتنا ہی خطرناک آدمی ہے اور جیسا کے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ قبائلی اسے اپنا دیوتا مانتے ہیں، ویسے تو خیر سردار سردار ہی ہوتا ہے، لیکن دیوتا کے مقابلے میں اس کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔ تم یہ سمجھ لو وہ جس طرح ہندوستان پر آج تک مندروں کے برہمن حکومت کر رہے ہیں اور سارے کاروبار انہی کے دم سے چل رہے ہیں، اسی طرح ان قبائلیوں کا دیوتا بھی وہ پجاری ہی ہے...... سردار کی اپنی ایک حیثیت بے شک ہوتی ہے، لیکن دیوتا کی حیثیت ایک مذہبی درجہ رکھتی ہے، ان قبائلیوں کے لئے ان ساری باتوں کو گہرے انداز میں سوچ لینا، میرا مقصد تمہاری سمجھ میں آ رہا ہو گا۔"

"ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں ویسے کیا یہ درست ہے علی جاہ! کہ ایک سال کے بعد جب پجاری مندر سے نکلتا ہے تو ایک زبردست جشن منایا جاتا ہے اور پجاری ایک خوب صورت کنواری لڑکی کا انتخاب کر کے اسے اپنے ساتھ قربانی کے لئے مندر میں لے جاتا ہے...... میں نے سوال کیا۔

"بالکل درست ہے۔" علی جاہ پر جوش لہجے میں بولا...... "وہاں ہر سال یہی ہوتا ہے۔"

"گویا سال کے بعد میرا مطلب ہے ہر سال ایک معصوم لڑکی قتل کر دی جاتی ہے۔" میں نے کسی قدر افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"بالکل۔"

"ویسے کیا مقامی حکومت کو اس بارے میں معلومات نہیں ہیں۔"

"کیوں نہیں ہو گی...... ویسے تمہارا کیا خیال ہے، وہ قبائلی کیا میٹھا حلوہ ہیں، جنہیں حکومت آسانی سے ہڑپ کر سکتی ہے...... بھول جانا مائی ڈیئر بالکل بھول جانا اس بات کو، وہ جنگجو اور وحشی قبائلی ہیں اور یہ ان کے عقائد میں شامل ہے...... بھلا انہیں کون روک سکتا ہے۔"

"ایک بات اور ڈیئر علی جاہ! تمہیں یہ بات تو ضرور معلوم ہو گی کہ سالانہ جشن کن دنوں میں منعقد ہوتا ہے۔" میں نے سوال کیا تو وہ بولا۔

"ہاں...... چاند کی چودہ تاریخ کو جب پورا چاند ہوتا ہے اور جہاں تک مہینے کا تعلق ہے تو میرے خیال میں یہی دن ہیں، سالانہ جشن منعقد ہونے کے...... آج شاید چاند کی چار تاریخ ہے، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ٹھیک گیارہ دن بعد پجاری مندر سے برآمد ہو گا اور رات بھر جشن منایا جائے گا۔"

"وری گڈ...... اس کا مطلب ہے کہ ہم نہایت مناسب وقت پر پہنچے ہیں...... واقعی یہ تو بڑی زبردست بات ہے...... وری نائس...... وری نائس...... لطف آجائے گا اس طرح تو میرا خیال ہے جیسیکا ہمیں جس قدر جلد ہو سکے وہاں پہنچ جانا چاہئے۔" پھر میں نے علی جاہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میرے دوست! ہم ایک بار پھر تم سے اپنی رہنمائی کی درخواست کرتے ہیں...... ہمارے پاس کوئی ذریعہ، کوئی وسیلہ نہیں ہے کہ ہم وہاں تک جا سکیں...... اگر تم اتفاق سے ہمیں نہ مل جاتے تو نجانے کتنے عرصے تک تو ہم یہاں کے بارے میں معلومات ہی حاصل کرتے رہتے اور یہ سوچتے کہ کس طرح ہم اس جزیرے تک پہنچ سکتے ہیں اور کتنا برا ہوتا کہ جشن کے دن نکل جاتے اور ہم وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکتے...... جسے دیکھنے کے لئے ہم نے اتنا طویل سفر طے کیا ہے۔"

"گویا تم لوگوں نے وہاں جانے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

"میں نے کہا نا...... ہم اسی ارادے سے آئے ہیں اور اب تمہاری مدد چاہتے ہیں۔"

"اگر تم میری مدد چاہتے ہو تو بہترین مدد یہ ہے کہ میں تم لوگوں کو وہاں جانے سے روکوں...... تم سے کہوں کہ وہاں جانے کا خیال دل سے نکال دو...... ویسے بھی یہ حسین لڑکی تمہارے ساتھ ہے...... تم نہیں جانتے کہ وہ جزیرہ ویسے بھی خطرات کا جزیرہ ہے، لیکن جشن کے دنوں میں وہاں خطرات بے حد بڑھ جاتے ہیں...... تمہیں کیسے کیسے حادثات اور خوفناک واقعات سے دوچار ہونا پڑے گا...... تم نہیں جانتے۔"

"اس کی فکر مت کرو...... ڈیئر علی جاہ! پہلی بات تو یہ ہے تم ہمارے ساتھ ہو اور واقعی دیپک بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تم ہمیں مل گئے...... ایسی صورت میں ہمیں بڑی مدد حاصل ہوگی اور ویسے بھی تم دیکھو گے کہ میں کسی بھی طرح صرف ایک عورت ثابت نہیں ہوں گی...... ہم لوگ حالات سے نمٹنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں......

علی جاہ کسی سوچ میں ڈوب گیا، پھر اس نے کہا۔

"لیکن اس کے لئے میری ایک شرط ہوگی۔"

"ہمیں تمہاری ہر شرط منظور ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"نہیں پہلے تم سن لو...... جیسا کہ میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ لوگ جزیرے پر اجنبیوں کی آمد کو پسند نہیں کرتے اور اس کے سخت خلاف ہیں کہ باہر کا کوئی آدمی ان کے پاس پہنچے اور ان کے بارے میں چھان بین کرے...... وہ یہ نہیں چاہتے کہ ان کے مذہبی عقائد، رسم و رواج اور دیگر معاملات سے باہر کی دنیا واقف ہو، میں جانتا ہوں کہ سردار کسی بھی طرح آپ کی آمد کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھے گا، لیکن جب سے میں نے اس کے بیٹے کی زندگی بچائی ہے وہ مجھے بھی ایک دیوتا ہی کی طرح پوجنے لگا ہے اور بہت محبت کرتا ہے مجھ سے، میں جانتا ہوں کہ وہ میری خاطر تم لوگوں کی بھی عزت کرے گا اور تمہیں اپنا اچھا مہمان تصور کرے گا، لیکن ایک بات ذہن نشین کر لو کہ سردار سے براہ راست تم کوئی ایسے سوال نہیں کرو گے جس سے یہ تاثر ملے کہ تم ان کے بارے میں کچھ جاننے کے خواہش مند ہو...... ویسے میں تمہیں یہ بھی بتادوں کہ ہمیں وہاں بہت خفیہ طریقے سے رکھا جائے گا اور چند

مخصوص افراد کے علاوہ قبیلے کے دوسرے لوگوں کو ہماری موجودگی کا علم نہیں ہوگا اور تمہیں پوشیدہ ہی رہ کر اپنا کام کرنا ہوگا...... صرف اپنے طور پر یعنی یہ کہ نہ تم سردار سے وہاں کے معاملات کے بارے میں کوئی سوال کرو گے اور نہ ہی عام قبائلیوں کے سامنے آنے کی کوشش کرو گے...... یہ سردار جانتا ہے کہ ایسے مہمانوں کو جن کی آمد کو قبیلے کے لوگ ناپسند کرتے ہیں وہ کیسے برداشت کرے گا اور کہاں رکھے گا۔"

"ہمیں یہ شرط منظور ہے۔" میں نے کہا "اور اب تم یہ بتاؤ کہ ہمیں روانگی کے لئے کیا تیاریاں کرنی ہیں۔"

"وہ پھر میں ہی تمہیں بتاؤں گا...... تم نے میرا یہ گھر دیکھ لیا ہے ناں...... بس یہ سمجھ لو کہ اگر ہمیں وہاں روانہ ہونا ہے تو یہاں تمہیں تکلیف ہو یا آرام تمہیں یہیں قیام کرنا ہوگا، تاکہ میں تیاریوں میں تمہاری مدد کر سکوں اور ہاں سنو...... میں ایک فاقہ مست آدمی ہوں...... میری جیب میں کچھ نہیں ہے...... سفر کے لئے تمہیں سارا بندوبست اپنی جیب سے کرنا ہوگا...... میری بات چھوڑ دو میں پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے نہ پیسے کا لالچ ہے اور نہ کسی اور چیز کا...... بس تم نے مجھے نجانے کس طرح اس خطرناک کام کے لئے تیار کر لیا ہے...... میں خود بھی حیران ہوں۔"

"ہم دونوں تمہارے مہمان بننے کے لئے تیار ہیں، لیکن یہ نہ سمجھنا کہ ہم تمہیں کوئی مالی تکلیف دیں گے۔"

"وہ تکلیف میں اٹھا ہی نہیں سکوں گا، تم دو گے کیسے۔" اس نے کہا اور مسکرانے لگا۔

میں اور جیسیکا بھی مسکرانے لگے تھے...... پھر جیسیکا نے کہا۔

"تو تم ہمیں اجازت دو گے کہ ہم اپنا سامان ہوٹل سے لے کر یہاں آجائیں۔"

"نہیں...... بلکہ میں خود کیا نام بتایا تم نے اس صاحب کا دیپک، مسٹر دیپک کے ساتھ جاؤں گا اور سامان وہاں سے لے آؤں گا......" ہم نے بوڑھے کی یہ بات مان لی تھی۔

❁ ❁ ❁

علی جاہ کے اس چھوٹے سے گھر میں ہمیں کوئی تکلیف نہیں تھی، البتہ جیسیکا نے کس
قدر متاثر لہجے میں کہا تھا۔

"حالانکہ میری زندگی مختلف قسم کی مہمات میں گزرتی رہی ہے...... دیپک اور میں۔
عام عورتوں سے بالکل مختلف انداز میں بہت سے کام کئے ہیں، لیکن نجانے کیوں اس
جزیرے اور اس پراسرار عمارت کی داستان نے مجھے متاثر کیا ہے اور جہاں تک اس شخص
تعلق ہے...... بے شک تم نے ایک بہترین رہبر چنا ہے، لیکن مجھے ایک بہت ہی خوفناک
آدمی لگتا ہے...... بالکل یوں لگتا ہے جیسے سانپ کیچوے میں لپٹا ہوا ہو اور کچھ عرصے کے بعد
وہ اپنی کیچوی نکال دے گا...... اس کے وسائل بھی بڑے زبردست معلوم ہوتے ہیں۔" میں
نے جیسیکا کو گہری نگاہوں سے دیکھا اور دل میں سوچا بی بی! اس چھوٹے سے مسئلے میں ہی
اس طرح پریشان ہو رہی ہو...... مجھ سے پوچھو میں نے تو زندگی کے اتنے رخ دیکھے ہیں
بیان سے باہر ہے...... تمہیں کیا معلوم کہ کچھ عرصے قبل میری کیا کیفیت تھی...... موت کو
اتنا آزاد اور بے رحم دیکھا ہے میں نے کہ اب زندگی ہر لمحہ اس کے شکنجے میں نظر آتی ہے......
بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ ہیں، لیکن میں ان ساری چیزوں کی پرواہ نہیں کرتا جو ہوگا دیکھا
جائے گا...... تمام انتظامات علی جاہ نے ہی کئے تھے اور وہ لانچ اسی نے حاصل کی تھی......
ضروریات کا سارا سامان بھی اسی نے مہیا کیا تھا...... بس رقم ہم نے خرچ کی تھی اور یہ خرچ

معمولی نہیں تھا، کسی لانچ کو حاصل کرلینا علی جاہ ہی کا کام تھا...... ورنہ ہم تو اس کے لئے
نجانے کہاں کہاں بھٹکتے پھرتے...... جیسیکا علی جاہ کی اس فطرت کو ہوا دے رہی تھی اور علی
جاہ سارے کام کررہا تھا...... لاوئنچ تیزی سے اپنی منزل کی جانب بڑھ رہی تھی...... نجانے
کیوں علی جاہ کچھ پریشان نظر آنے لگا اور پھر اس نے ہم سے کچھ پوچھے بغیر ایک کونے میں
پڑے لکڑی کے ایک بکس کو کھولا اور اس میں رکھی ہوئی ربڑ کی ٹیوب نکال لی...... پھر ایک
پمپ سے اس ٹیوب میں ہوا بھرنے لگا...... بکس میں صرف دو ٹیوبیں تھیں، علی جاہ نے ایک
ٹیوب میری عمر کے گرد لپیٹی اور اسے رسی سے مضبوطی سے باندھنے لگا اور اس کے بعد اس
نے ایک سفری بیگ کو جو کینوس کے تھیلے میں لپٹا ہوا تھا، میری پشت پر باندھ دیا...... میں نے
خاموشی سے اس کے اس عمل کو دیکھا اور اس سے کوئی سوال نہیں کیا...... دوسری ٹیوب علی
جاہ نے جیسیکا کے گرد لپیٹ کر اسے بھی اچھی طرح باندھ دیا، لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آرہا
تھا...... علی جاہ کی اچانک پریشانی اور پھر اس کی یہ کوشش جبکہ ماحول بالکل پرسکون تھا، وہ اپنے
کام سے فارغ ہو گیا تو میں نے اس سے سوال کیا۔

"آخر علی جاہ تم؟"

"مجھے معلوم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔" اس نے کہا اور رات کی تاریکی میں آنکھیں پھاڑ
پھاڑ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا...... میری یا جیسیکا کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا...... بظاہر کوئی بات
نہیں تھی، لیکن بس یوں لگ رہا تھا جیسے سمندر اچانک خاموش ہو گیا ہو...... کوئی ایسی بات
ہو...... پھر علی جاہ ہی کی آواز اُبھری۔

"طوفان کے آثار پیدا ہوگئے ہیں، ہوا پانی کے نیچے سفر کررہی ہے، اگر وہ اُوپر ہوتی تو
ہم اتنے خوفزدہ نہ ہوتے، لیکن یہ بھی طوفان کا ایک انداز ہے...... کیا تم یقین کرو گے کہ
طوفان اس وقت سمندر کے نیچے ہے اور اندر ہی اندر سفر کررہا ہے...... خدا ہم لوگوں کو
سلامت رکھے۔" ابھی علی جاہ کی زبان سے یہ جملے ادا ہی ہوئے تھے کہ اچانک یوں لگا کہ کسی
نے کرین کے ذریعے اس لاوئنچ کو فضا میں اٹھالیا ہو...... اتنی اُونچی اُٹھ گئی تھی لاوئنچ کہ سمندر

زمین کافی نیچے نظر آرہا تھا...... بالکل ایسا ہی لگا تھا جیسے میلوں وغیرہ میں اُونچے اُونچے جھولے ہوتے ہیں اور اچانک ہی کوئی جھولا ایک دم سے بلندی پر پہنچ جاتا ہے اور زمین بہت نیچے چلی جاتی ہے...... پانی کے دوسرے ریلے نے کشتی کو کسی تنکے کی طرح اٹھایا اور ہچکولے دینے لگا...... ہم تینوں زور سے منہ کے بل گرے تھے اور اس کے بعد آن واحد میں سمندر ایک ہولناک طوفان کی لپیٹ میں آگیا...... بپھری ہوئی غضب ناک موجیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر کئی کئی سو فٹ بلند ہو جاتیں اور کبھی کبھی کشتی کو بھی اپنے سر پر اٹھا لیتیں...... موٹر لاؤنچ ایک تنکے کی طرح ان موجوں پر کھیل رہی تھی، سمندر کے نیچے سفر کرنے والا طوفان اب فضاؤں میں نکل آیا تھا...... اس ہلاکت خیز طوفان میں لاؤنچ کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور سرکش موجیں اسے یوں اُچھال اُچھال کر سطح آب پر پھینک رہی تھی...... جیسے اس کی حیثیت ایک خشک پتے جیسی ہو اور یہ طوفان لحہ بہ لحہ شدت اختیار کرتا جارہا تھا...... لاؤنچ کے انجن بند کر دیئے گئے تھے اور اب وہ کنٹرول سے بالکل باہر تھی...... میں تو خیر شدید خوف اور پریشانی کا شکار تھا ہی لیکن جیسیکا کا عورت پن اُبھر آیا تھا اور وہ بری طرح مجھ سے لپٹ گئی تھی...... طوفان انتہائی قیامت خیز تھا اور تیز و تند موجیں لاؤنچ کو اُلٹنے کے لئے تیار نظر آتی تھیں...... زبردست ہچکولے کے باعث ہم لوگ کبھی ایک جانب لڑھک جاتے، کبھی دوسری جانب گر جاتے، کبھی آپس میں ٹکرا جاتے تھے...... دفعتاً ایک زبردست طوفانی ریلے نے لاؤنچ کو گیند کی مانند اُوپر اُچھال دیا اور جب وہ دوبارہ سطح آب پر گری تو اس کے پرخچے اُڑ گئے، ہم اس خوفناک طوفان سے ذہنی طور پر اس قدر منتشر ہو گئے تھے کہ اب زندگی کا کوئی امکان ہی نہیں رہا تھا اور اس وقت تو ہم ایک دوسرے سے بالکل بے خبر ہو گئے ...... سرکش موجیں مجھے لے کر چل پڑیں اور بہا کر نجانے کہاں سے کہاں لے گئیں...... میں جس حد تک ممکن ہو سکتا تھا اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا...... پانی کی آواز نے کانوں کے پردے پھاڑ دیئے تھے اور دماغ آہستہ آہستہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھوتا جارہا تھا...... نجانے کیا کیا خیالات دل میں آرہے تھے...... کسی قسم کی جدوجہد کا تو تصور ہی ختم ہو گیا تھا......اب صرف

لہروں کے رحم و کرم پر تھا اور سوچیں کہیں سے کہیں جارہی تھیں...... کبھی بستی مراد میں اپنے آپ کو اعجاز کے قتل میں ملوث پاکر موت کی سیڑھیوں کی جانب بڑھتا نظر آتا تھا، پھانسی کا کالا پھندہ سامنے لٹکا ہوتا تھا، جلاد منتظر نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا ہوتا تھا...... کبھی کشمیری کیمپ کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بھیم سنگھ اور دوسرے ہندو فوجیوں کے قدموں کی چاپ سنتا اور یہ سوچتا کہ اب مجھے بھی اس گڑھے کے پاس کھڑا کر کے گولی ماردی جائے گی، جس میں کشمیری نوجوانوں کا خون ہی خون بھرا ہوا تھا...... بس یہ تمام خیالات تھے اور سمندر جس نے تہیہ کر لیا تھا کہ میرے جسم کو بھی کشتی کے تختوں کی طرح ریزہ ریزہ کر دے گا...... موجیں مجھے اُٹھا اُٹھا کر تنکوں کی طرح پھینک رہی تھیں اور میں سطح آب پر اپنا توازن برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا...... کبھی کبھی میری نگاہیں قرب و جوار میں بھی بھٹکنے لگتی تھیں...... میں ان سایوں کو تلاش کرتا جو جیسیکا کے جسم کے یا علی جاہ کے جسم کے ہوتے، لیکن اندازہ یہی ہو رہا تھا کہ سمندر کی موجوں نے انہیں نگل لیا، میرے ذہن کو دونوں کی موت کے احساس کے ساتھ شدید جھٹکے لگ رہے تھے...... لیکن اس وقت موت مجھ سے بھی زیادہ فاصلے پر نہیں تھی اور اس کا خوفناک وجود کسی بھی وقت میرے سامنے آسکتا تھا...... میرا جسم اس طرح زخمی ہو گیا تھا جیسے ہڈیاں ٹوٹ چکی ہوں...... میں بے دم تھا، زندہ تھا تو صرف احساس اور سمندر کے پھیلاؤ میں پھیلی ہوئی موت لیکن اب خود کو قسمت کے سہارے پر چھوڑنا ہی ممکن تھا...... اپنی جدوجہد تو دم توڑ چکی تھی، دفعتاً ہی ایک زبردست موجوں نے مجھے کوئی پچاس فٹ اُوپر اُچھال دیا...... پھر جیسے ہی نیچے گرا میرا جسم کسی سخت چیز سے ٹکرایا...... صرف سنا ہی تھا کہ پانی سے ناواقف لوگوں کو پانی بھی پتھر کی طرح لگتا ہے...... میں پشت کے بل گرا تھا اور میری کمر میں کافی چوٹ لگی تھی...... شاید کوئی سمندر میں اُبھری ہوئی چٹان ہو، جس پر میں گرا ہوں...... یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شارک مچھلی ہو اور ابھی چند لمحوں کے بعد میں اس کے غار جیسے منہ میں داخل ہو کر قبر جیسے معدے میں اتر جاؤں، مگر میرے اندیشے غلط ثابت ہوئے...... وہ نہ سمندری چٹان تھی اور نہ شارک بلکہ لکڑی کا ایک

بڑا تختہ تھا، جو یقینی طور پر اسی لانچ کا ٹوٹا ہوا ایک تختہ تھا، جو ریزہ ریزہ ہوئی تھی، لیکن میرے دونوں ہاتھ اس تختے کے گرد لپٹ گئے اور میں نے اسے اس طرح اپنی آغوش میں لے لیا جیسے زندگی کا تصور، تختہ کافی مضبوط تھا اور اس میں اتنی گنجائش تھی کہ بیک وقت دو تین افراد اس کے ذریعے جان بچا سکیں...... ذرا سی زندگی قریب آئی تو مجھے جیسیکا اور علی جاہ کا خیال آیا۔ علی جاہ تو خیر ایک زبردست اور سمجھدار آدمی تھا...... ٹیوب کے بغیر بھی وہ اپنی زندگی گزار سکتا تھا...... سمندر کے بارے میں اس کی معلومات بے پناہ تھیں...... وہ یہ تک اندازہ لگا چکا کہ ہوا کا طوفان سمندر کے نیچے پہنچ گیا ہے...... وہ وہاں سے اس نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ اور پھر یہ بھی بتا چکا تھا وہ کہ اکثر اس جزیرے پر آتا رہتا ہے...... اسے ان طوفانوں کا بھی اندازہ ہوگا، لیکن جیسیکا کے بارے میں میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اس ہولناک طوفان سے لڑسکے گی یا نہیں...... مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ بے چارے علی جاہ نے دونوں ٹیوبیں دونوں کے جسموں سے باندھ دی تھیں اور اپنے آپ کو غیر محفوظ رکھا تھا...... یہ بھی اس ایک ایثار تھا، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اب مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ میں زندہ کیسے ہوں اور ہولناک موجیں مجھے گہرائیوں تک کیوں نہیں لے گئیں...... یہ صرف اسی ٹیوب کا کرشمہ تھا جو میرے بدن سے لپٹی ہوئی تھی...... بہرحال جیسیکا کے جسم پر بھی ٹیوب تو موجود تھی ہوسکتا ہے وہ بھی ابھی تک زندہ ہو، پتہ نہیں سمندر کی موجوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا...... طوفان اتنا شدید تھا کہ پورا سمندر زیروزبر ہو رہا تھا...... تیز و تند لہریں ایک دوسرے سے ٹکراتیں تو ہولناک آوازیں پیدا ہوتیں اور پانی سینکڑوں فٹ اُوپر اُچھل جاتا۔ اس وقت بھی لہروں کے ٹکراؤ سے پانی کافی دُور اُچھل گیا تھا، لیکن اچانک ہی مجھے سطح سمندر کوئی وزنی چیز اپنے قریب سے گزرتی ہوئی محسوس ہوئی...... میں نے غور سے دیکھا اور چونک پڑا...... وہ ایک انسانی جسم ہی تھا، جو نیم بے ہوشی کے عالم میں معلوم ہوتا تھا...... بھلا اس علاوہ میرے ذہن میں اور کیا خیال آسکتا تھا کہ وہ جیسیکا یا علی جاہ ہی میں سے کوئی ہوسکتا ہے میں نے تختے کا رُخ تھوڑا سا ترچھا کیا اور اس کے قریب پہنچ گیا...... پھر ایک ہاتھ سے میں

تختے کو مضبوطی سے تھاما اور دوسرے ہاتھ سے سمندر میں بہتے ہوئے جسم کو اُوپر کھینچ لیا، وہ جو کوئی بھی تھا بے ہوش تھا یا بیجان تھا، لیکن چند ہی لمحوں میں مجھے احساس ہوگیا کہ وہ بے جان نہیں تھا اور بے ہوش بھی نہیں تھا، کیونکہ سہارے کا احساس ہوتے ہی وہ تختی کے ساتھ تختے سے چمٹ گیا تھا...... میں نے اسے فوراً اپنے ہاتھ سے سنبھالا...... حسیات اب بھی جاگ رہی تھیں، بدن کی بناوٹ سے ایک لمحے کے اندر یہ احساس ہوگیا کہ جسم کسی عورت کا نہیں ہے...... اس کا مطلب ہے کہ وہ علی جاہ ہے...... بہرحال جو کوئی بھی ہے، میرا ساتھی ہے......
علی جاہ کو میں نے پوری طرح تختے پر سنبھال لیا تھا اور ایک ساتھی کے مل جانے سے بے حد خوش تھا، لیکن غم کا احساس بھی دل میں جاگ رہا تھا، کیونکہ اب جیسیکا کی ہلاکت یقینی شکل اختیار کرگئی تھی...... مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ جیسیکا غضبناک طوفان کی نظر ہو چکی ہے......
میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس طرح بے بسی کی موت مرجائے گی اور میں اس کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکوں گا...... تھوڑی دیر گزری تھی کہ علی جاہ کے جسم میں آہستہ آہستہ حرکت پیدا ہونے لگی اور کچھ لمحوں کے بعد اس کی آواز اُبھری۔

''آہ...... تم یقیناً دیپک ہو...... میں تمہیں زندہ سلامت دیکھ رہا ہوں اور تمہارا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں کہ تم نے میری جان بچائی، لیکن وہ لڑکی کہاں ہے۔''

''میں نہیں جانتا علی جاہ! میرا خیال تھا کہ شاید تم اسے بچانے میں کامیاب ہوگئے ہوگے۔''

''آہ...... مجھے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے...... لانچ تباہ ہونے کے بعد میں ایک زبردست سمندری ریلے کی زد میں آگیا تھا...... زندگی بچانے کے لئے دیر تک موجوں سے لڑتا رہا، یہاں تک کہ میرا بدن تھک کر چور ہوگیا اور مجھ پر بے ہوشی طاری ہوگئی...... البتہ اتنا احساس مجھے ہے کہ شاید اس عالم میں بھی میں...... زندگی بچانے کے لئے ہاتھ پیر چلاتا رہا ہوں...... مجھے جب اس تختے کا احساس ہوا اور یہ بھی کہ مجھے کوئی اُوپر کھینچ رہا ہے اور میری زندگی بچانا چاہتا ہے تو میرے حواس جاگے...... میرے دوست! یہ ایک سچائی اور

ٹھوس حقیقت ہے کہ جس طرح میں نے ایک بار سردار ویرائن کے بیٹے کی زندگی بچائی تھی
اسی طرح آج تم نے بھی میری زندگی بچا کر مجھ پر احسان عظیم کیا ہے...... میں تمہارے اِ
احسان کو کبھی نہیں بھول سکوں گا...... تمہاری وجہ سے مجھے نئی زندگی ملی ہے، ورنہ کچھ د
کے بعد میری لاش مچھلیوں کی خوراک بن رہی ہوتی۔" میں نے اس کے یہ الفاظ سنے او
میرے ذہن میں ایک دم جیسیکا کا خیال آ گیا اور میرے منہ سے ایک غمزدہ آواز نکل گئی۔

"آہ...... تو کیا جیسیکا مچھلیوں کی خوراک بن گئی ہوگی...... اگر ایسا ہوا ہے تو میں اس
اس موت کو زندگی بھر فراموش نہیں کر سکوں گا۔" علی جاہ تھوڑی دیر تک میرے الفاظ کے
تاثر میں ڈوبا رہا، پھر اس نے کہا۔

"وہ بہت حسین لڑکی تھی...... میں تمہارے غم میں برابر کا شریک ہوں...... افسو
میں خود بھی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکا، ہم اچانک ہی اس طرح طوفان کا شکار ہوئے کہ کو
منصوبہ بندی ہمارے کام نہیں آ سکی...... کاش! ہم اس کے لئے کچھ کر سکتے۔"

"کیا ایسا ممکن ہے علی جاہ! کہ وہ زندہ بچ گئی ہو۔" میں نے پر خیال لہجے میں کہا۔

"یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، ویسے اس کے بدن سے جو ٹیوب بندھی ہوئی تھی، وہ ا
کے لئے معاون ثابت ہو سکتی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ایک نازک اندام لڑکی تھی......
اس کی قوت مدافعت نے اس کا کیا ساتھ دیا ہوگا...... تم نے یہ ہولناک طوفان دیکھا...... ا
کی غضب ناک موجوں کا مقابلہ کرنے کی بھلا ایک لڑکی میں کیا صلاحیت ہو سکتی ہے...... ہم
کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے...... ہاں، اگر خدا کی قدرت شامل حال ہو تو پھر دنیا کا ہر
ہو سکتا ہے اور اس میں کسی قسم کا شک کرنا کم از کم میرے مذہب کے خلاف ہے۔"
خاموش ہو گیا، لیکن میری خاموش نگاہیں آسمان کا جائزہ لے رہی تھیں، جہاں کوئی ستارہ
نہیں آ رہا تھا...... طوفان کا زور آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا اور ہم دونوں اس تختے کے سا
چمٹے ہوئے موجوں کی روانی میں بہتے چلے جا رہے تھے...... کافی دیر خاموشی سے گزر گئی
اس کے بعد علی جاہ نے گردن اُٹھا کر کہا۔

"طوفان کا زور ٹوٹ رہا ہے، شکر ہے یہ قیامت ختم ہو گئی۔"

"لیکن ہمارا کیا حشر ہوگا...... ہم کب تک سمندر میں ڈوبتے اور چلتے رہیں گے...... یہ
ی معلوم نہیں کہ ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں...... ظاہر ہے سمندر میں اس حالت میں
ت کا تو کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا...... وہ خونی جزیرہ کہاں ہے، اس کے بارے میں بھی کچھ
ہیں معلوم۔"

"آہ...... واقعی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سمندر میں راستہ تلاش کرنا ممکن نہیں
ہے...... دیکھنا تو یہ ہے کہ ہمارا کیا انجام ہوتا ہے...... ممکن ہے اس طوفان سے کوئی سمندری جہاز
ی متاثر ہوا ہو اور وہ جلد ہماری جانب متوجہ ہو جائے...... یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی
ری جہاز کا راستہ ہی نہ ہو اور کوئی جہاز ادھر نہ آئے۔" ایک بار پھر ایک ہولناک خاموشی طاری
وگئی...... علی جاہ تو معمولی سے انداز میں سوچ رہا تھا، لیکن میرے ذہن میں ایک عجیب سی چرخی
ل پڑی تھی...... اس میں کوئی شک نہیں کہ قدرت کے معاملات قدرت ہی جانتی ہے...... پتہ
ہیں موت ہمیشہ مختلف شکلوں میں مجھ سے آنکھ مچولی کیوں کھیلتی تھی...... ایک ہولناک ماحول
ے بچا تھا، جہاں سے بچنے کا تصور اپنے آپ ہی کو ہنسی دلانے کے مترادف تھا...... وہ خوفناک
یمپ جو بے چارے کشمیری مجاہدین کے لئے ایک عظیم اذیت گاہ تھا اور جہاں پہنچنے کے بعد زندگی
ئی معمولی چیز ہو جاتی تھی کہ آدمی آخر کار زندگی اور موت کے تصور سے ہی بے نیاز ہو جاتا
تھا...... قدرت نے مجھے وہاں سے نکالا اور ایک بار پھر میں موت و زندگی کی کشمکش میں گرفتار
ہو گیا...... کیا اس کھیل کا میری زندگی سے کوئی گہرا تعلق ہے؟ اسی وقت علی جاہ کی آواز سنائی دی۔

"دیکھو دوست! ہر مذہب ایک ہی بات سکھاتا ہے کہ خدا ہے اور ہر کام اس کی مرضی
سے ہوتا ہے...... تم اگر کسی خوف کا شکار ہو تو یہ خوف اپنے دل سے نکال دو...... اب جب ہم
بے بس ہو چکے ہیں تو ذات باری سے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اس بے کسی کے عالم میں ہماری
مدد کرے گی...... یہ میرا ایمان ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ تم اگر ہندو مذہب سے بھی تعلق
رکھتے ہو، تب بھی تمہارا ایمان بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا...... ایک لمحے کے لئے دل چاہا

کہ علی جاہ کو بتادوں کہ میں اس منحوس نسل سے نہیں ہوں، جس کا نام وہ لے رہا ہے، کشمیری مجاہدین پر کئے جانے والے ظلم و ستم کے بعد تو ویسے بھی یہ نسل انتہائی قابل نفرت ہو گئی تھی..... میرے لئے، لیکن مصلحت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے..... پتہ نہیں وقت کی کہانی کیا ہو..... میں خاموش ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا۔

"سمندر میں یہ بے کسی کا سفر ہمارے لئے بڑا پریشان کن ہوگا، ویسے تم نے ایک کام بہت عقل سے کیا تھا، علی جاہ! لیکن افسوس شاید ہم اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔"

"کون سے کام کی بات کر رہے ہو؟"

"جب تم نے ہماری کمر سے ٹیوب باندھی تھی اور اس کے ساتھ ہی کینوس کے یہ بیگ بھی مجھے یقین ہے کہ ان میں کھانے پینے کی کوئی چیز بھی ضرور ہوگی۔"

"آہ..... میں نے تو اس پر غور ہی نہیں کیا تھا..... واہ علی جاہ کی عقل کو داد دو..... ان میں بسکٹوں کے پیکٹ اور پینے کا پانی موجود ہے اور ہم ان برے حالات میں تھوڑی سی زندگی کا تصور کر سکتے ہیں..... لیکن نہایت احتیاط سے صرف ضرورت کے تحت۔"

"اس کے باوجود علی جاہ! یہ خوراک کب تک ہمارا ساتھ دے گی۔"

"تم اپنے انداز میں سوچ رہے ہو دوست! اور میں اپنے انداز میں ہم جانتے ہیں کہ ہمیں زندہ رکھنے والا اگر ہمیں زندہ رکھنا چاہتا ہے تو ہمیں زندہ رکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور نکال لے گا..... میں امید رکھتا ہوں کہ کسی گزرتے ہوئے جہاز سے مدد حاصل ہو جائے گی، ورنہ ایک اور عمل بھی ہو سکتا ہے۔"

"وہ کیا۔"

"انتہائی نفیس اور ایک لمبے پھل والا ایک چاقو بھی تمہارے بیگ میں موجود ہے۔"

"مطلب۔" میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"تمہارے خیال میں کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

"خودکشی۔" میں نے علی جاہ کو دیکھتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں کہا اور علی جاہ ہنس پڑا۔

"یہ تمہاری پریشان کن سوچ کا نتیجہ ہے..... خودکشی کرنے کے بجائے ہم سمندر کی مچھلیوں کو اس چاقو کی مدد سے شکار کریں گے اور انہیں مار مار کر کھائیں گے..... ویسے یہ ہو سکتا ہے کہ تم اس چیز کو پسند نہ کرو..... تمہاری قوم تو ویسے بھی گوشت خور نہیں ہے۔"

"فرض کرو اگر ایسا ہو بھی جائے تو کیا کچی مچھلیاں کھاؤ گے؟" میں نے سوال کیا۔

"بھوک میں انسان انسان کو بھی کھا جاتا تھا..... یہ مچھلیاں بے چاری کیا اہمیت رکھتی ہیں۔" میں خاموش ہو گیا..... آہستہ آہستہ ہمارے سروں پر اُجالا ہوتا جا رہا تھا..... طوفان بھی تھم چکا تھا اور سمندر پر سکون ہوتا جا رہا تھا..... علی جاہ بھی ان تمام باتوں کے بارے میں سوچ رہا تھا..... اس نے مدھم لہجے میں کہا..... سمندر پر سکون ہے، اب ہم آسانی سے مشکلات پر قابو پا سکیں گے۔"

"بس یہ اپنے آپ کو تسلی دینے کی بات ہے..... مجھے تو لگتا ہے کہ مشکلات ہم پر آسانی سے قابو پالیں گی۔" میں نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"بڑی سکیں کی بات ہے تم دونوں چاہے تمہارا مقصد کچھ بھی ہو..... اس پراسرار جزیرے پر قسمت آزمائی کرنے کے لئے نکلے تھے اور میں نے بھی تمہارا ساتھ اسی لئے دیا تھا کہ تم زبردست لوگ نظر آئے تھے مجھے، لیکن تم ہمت ہار رہے ہو۔"

"میں ہمت نہیں ہار رہا علی جاہ! میں وجود کی قوت کی بات کر رہا ہوں جو اس طوفان میں تمام کی تمام زائل ہو گئی ہے..... میں نہیں سمجھتا کہ اگر ہمیں کوئی ساحل نظر بھی آجائے تو ہم وہاں جا کر کچھ کر سکیں گے، بلکہ شاید میری کیفیت تو ایسی ہو رہی ہے کہ اگر سمندر میں سونے کے لئے کوئی جگہ مل گئی تو میں بے ہوش ہونا زیادہ پسند کروں گا۔" جواب میں علی جاہ ہنس پڑا..... پھر اس نے کہا۔

"کوئی بات نہیں دوبارہ ہوش تو آئے گا نا۔" علی جاہ پر مزاح انداز میں بولا، پھر کہنے لگا۔

"خیر تم دو عدد بسکٹ نکالو..... صبح ہونے کو ہے، بہتر ہے کہ ہم ناشتہ کرلیں اور ناشتہ کر کے تھوڑا سا پانی پی لیں..... کم از کم یہ احساس تو ہوگا کہ ہم زندہ ہیں..... میں نے علی جاہ کی

بات پر عمل کیا اپنے کینوس کے تھیلے سے بسکٹ وغیرہ نکالے، علی جاہ کو دیئے اور خود بھی کھائے...... سمندر کی لہروں پر ناشتہ کرنے کا یہ منظر بڑا عجیب وغریب تھا...... تختہ پانی میں بہ رہا تھا اور ہم ایک ہاتھ سے اسے اس طرح پکڑے ہوتے تھے...... جیسے زندگی کی ڈور پکڑے ہوئے ہوں اور اگر اس وقت دیکھنے والے ہمیں دیکھتے تو انسان کی اس ازلی ضرورت کا شدت سے احساس ہوتا جس کی بنا پر وہ آدھا انسان رہ جاتا ہے، اس طرح ہم یہ ناشتہ کرتے رہے اس وقت صبح کا اُجالا نمودار ہو رہا تھا...... دیکھتے ہی دیکھتے سورج سمندر کے سینے سے طلوع ہوا...... بالکل ایسے ہی لگ رہا تھا جیسے سورج ایک سفید انڈے کی مانند نمودار ہو رہا ہو...... میرے ذہن میں ایک بار پھر جیسیکا کا خیال آیا...... اچھی لڑکی تھی، ایک اچھی ساتھی زندگی سے بھرپور حالانکہ یہاں روانہ ہونے سے پہلے یہ خیال میرے دل میں کئی بار آیا تھا کہ جیسیکا سے کہوں کہ وہ اس مہم میں میں حصہ نہ لے، لیکن یہ میری پہنچ سے اوپر کی بات تھی...... میں کوئی ایسا مشورہ نہیں دے سکتا تھا، ان لوگوں کو جو میری حیثیت سے بڑھ کر ہو، بے چاری پتہ نہیں کس مشکل کا شکار ہو گئی، اب تو شاید اس کے وجود کا ایک حصہ بھی باقی نہ رہا ہو...... سورج آہستہ آہستہ بلند ہوتا جا رہا تھا اور سطح سمندر پر سنہری کرنوں کی ایک چادر سی بچھ گئی تھی...... منظر اس قدر دلفریب تھا کہ ذہن اس کی جانب شدت سے راغب ہو گیا اور اس وقت علی جاہ کی چیخ بڑی عجیب محسوس ہوئی۔

"اوہ ہو...... وہ دیکھو، وہ دیکھو۔" میں نے چونک کر علی جاہ کو دیکھا، وہ جس طرح اشارہ کر رہا تھا، اس طرف میری نگاہ اُٹھی تو میں بھی حیرت سے چونک پڑا...... دل کے اندر ایک عجیب سی خوشی کی لہر پیدا ہوئی...... آنکھیں بے یقینی کی کیفیت کا شکار تھیں، لیکن بار بار پلکیں جھپک کر دیکھنے کے باوجود وہ سب کچھ نظر آیا، جس کی طرف علی جاہ نے ایک اشارہ کیا تھا...... میرے دل میں خواہش ہوئی کہ اس وقت میرے پر لگ جائیں کیونکہ تختے کی سست رفتاری اب دل پر بوجھ بن رہی تھی...... میں نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"قدرت ہم پر مہربان ہو گئی، علی جاہ! یہ زمین ہے نا۔"

"ہاں...... کوئی بہت بڑا جزیرہ۔" علی جاہ نے کہا۔

"علی جاہ! کیا؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن زمین کا نظر آ جانا ہی زندگی کی علامت ہے، پتہ نہیں یہ زیرہ کچھ کچھ شناسا لگ رہا ہے۔"

"یہ سب کچھ بعد میں سوچنے کی باتیں ہیں...... ہمیں فی الحال یہ سوچنا چاہئے کہ ہم اس زیرے پر کیسے پہنچیں...... تختہ جس سمت بہہ رہا ہے، اس پر غور کیا تم نے علی جاہ! میں محسوس کر رہا ہوں کہ وہ جگہ ہمارے راستے سے کافی ہٹی ہوئی ہے...... اگر ہم اسی بہاؤ اور اسی زاویئے پر تیرتے رہے تو اس سے بہت فاصلے سے آگے نکل جائیں گے۔"

"بے شک میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں، ہمیں اس تختے کو جزیرے کی جانب لے جانا ہوگا اور اس کے لئے کافی محنت کرنی پڑے گی۔" علی جاہ کے لہجے میں تشویش تھی۔

"مگر کیسے؟ کیا کر سکتے ہیں ہم زیادہ سے زیادہ؟"

"میں تمہیں بتاتا ہوں...... میں نہیں جانتا کہ سمندر کے بارے میں تمہاری معلومات کس قدر ہیں، لیکن یہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں نے بیشتر سمندری سفر کئے ہیں...... اب ہمیں یوں کرنا ہے کہ میں تختے کے اگلے سرے پر سامنے کی جانب منہ کر کے اوندھا لیٹ جاؤں گا اور تم تختے کے پچھلے سرے پر اسی طرح میری تقلید کرو گے...... میرا مطلب تم سمجھ گئے ہو گے...... ہمارے ہاتھ پتوار بن جائیں گے اور ہم دونوں اپنے ہاتھوں اور پیروں کی مدد سے اس تختے کو کشتی کی طرح چلاتے ہوئے جزیرے کی طرف لے جائیں گے...... سمجھ رہے ہو نا...... ہمارے ہاتھوں اور پیروں کو طاقتور چپوؤں کا کام کرنا ہوگا اور ہمیں تختے کا زاویہ بھی تبدیل کرنا ہوگا...... سمندر کے پانی کو کاٹنے میں زیادہ مشکل نہیں پیش آئے گی، کیونکہ یہ ایک قدرتی عمل ہے کہ ہوا خشکی کی جانب ہی دوڑتی ہے اور اس طرح لہریں ساحل کی جانب جاتی ہیں...... یہ صرف سمندری مزاج ہے، ندی نالے سمندر کی تقلید نہیں کر سکتے۔" میں نے تعریفی نگاہوں سے علی جاہ کو دیکھا اور کہا۔

"ٹھیک ہے...... علی جاہ! ظاہر ہے تمہارا تجربہ بے پناہ ہے، اس سے میں کیسے انکار

کر سکتا ہوں۔"

"اب شروع ہو جاؤ...... کسی بھی مسئلے میں دیر کرنا خطرات کو قریب لانے کے مترادف ہے۔" چنانچہ میں تختے کے پچھلے حصے پر اوندھا ہو کر لیٹ گیا اور علی جاہ سامنے کے حصے پر اس طرح ہم تختے کو چپوؤں کی طرح چلاتے ہوئے سمندر میں تیرنے لگے، اب ہم نے اپنا رخ تبدیل کر لیا تھا اور رخ جزیرے کی جانب کر دیا تھا...... اگرچہ ہم اپنی کوشش میں کافی حد تک کامیاب ہوتے جا رہے تھے، مگر جس قدر مشقت کا کام تھا...... ناقابل بیان ہے پانی کا بہاؤ بے حد تیز تھا اور تختے کا زاویہ تبدیل کرنے میں بڑی دقت پیش آ رہی تھی...... ہوا تو اپنی مرضی کی مالک ہوتی ہے...... جدھر جانا چاہے ہوا سے لڑنا آسان کام تو نہیں تھا، لیکن ہم لڑ رہے تھے ہمارے بازو اور ٹانگیں موجوں کو چیرتے ہوئے شل ہو گئے تھے...... ہمت جواب دے گئی تھی کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم جزیرے کے قریب پہنچ گئے، لیکن اچانک ہی ایک تیز و تند لہر نے ہمیں دور اچھال دیا اور دوبارہ زاویہ درست کرنے میں کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑا، مگر زندگی بڑی قیمتی چیز ہوتی ہے...... اس وقت زندگی بچانے کے لئے مضبوط قوت ارادی کی ضرورت تھی چنانچہ ہمت ہارنے کا مطلب تھا کہ تختہ بھی چھوڑ دیں اور سمندر کی تہہ میں چلے جائیں...... ہم یہ ہمت ہی نہیں ہار رہے تھے، اپنے بازوؤں کو ہم نے مشین بنا لیا تھا...... بہر حال جس قدر دقتوں سے یہ سفر طے ہوا نا قابل بیان ہے...... آخر کار ہم جزیرے کے ساحل پر پہنچ گئے...... جزیرے کے ساحل پر پاؤں رکھا تو سانسوں کے اتار چڑھاؤ کا توازن بگڑ چکا تھا...... ٹانگیں اس طرح کانپ رہی تھیں کہ یقین نہیں آتا تھا...... جسم کا بوجھ اٹھانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا...... شدید مشقت سے ہمارے بدن بے جان ہو گئے تھے...... بس اتنا کافی تھا کہ خشکی تک پہنچ گئے تھے اور کیکڑے کی طرح رینگتے ہوئے پانی سے چند قدم دُور نکل آئے تھے، اس کے بعد ہمارے جسموں کی جان ختم ہو گئی اور اس کے بعد ہوش و حواس بھی...... بلاشبہ یہ ایسا ہی پر مشقت عمل تھا یا پھر اس کے بعد یہ تصور بڑا عجیب کہ ہم زندہ بچ گئے ہیں۔

❁ ❁ ❁

زندگی کا بس احساس ہونا چاہئے اور وہ بھی ایسے کہ موت کی منزل سے گزرا گیا ہو۔

ہمیں ہوش آیا تو سورج کافی بلندی پر پہنچ چکا تھا...... پہلے میری ہی آنکھ کھلی تھی اور میں نے دیکھا کہ سورج میری آنکھوں کے بالکل سامنے ہے...... مجھے یہی اندازہ ہوا کہ شاید دھوپ کی شدت سے ہوش آیا ہے...... چہرے پر بھرپور شعاعیں پڑ رہی تھیں، اس لئے آنکھیں کھل نہیں پا رہی تھیں...... بہر حال کچھ دیر آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹا رہا اور اس کے بعد اُٹھ گیا...... میں نے ایک دم ہی محسوس کیا کہ میرے ساتھ ہی علی جاہ بھی اُٹھا ہے، لیکن اچانک ہماری چھٹی حس نے ہمیں احساس دلایا کہ ہم تنہا سانس لینے والے نہیں ہیں اور بھی ذی روح ہمارے آس پاس موجود ہیں...... پھر ہم دونوں نے سورج سے بچاؤ کر کے اپنے گردو پیش کا منظر دیکھا اور ایک لمحے کے لئے ہمارے دل دھڑکنا بھول گئے...... کم از کم اپنے بارے میں تو میں یہی کہتا ہوں...... بے شمار قبائلی تھے جو دائرے کی شکل میں ہمارے گرد کھڑے ہوئے تھے...... ان کے ہاتھوں میں برچھے اور تلواریں تھیں اور ان کی آنکھوں میں سختی اور نفرت کے آثار کچھ ہی لمحوں کے بعد ایک شخص دائرے سے نکل کر ہمارے سامنے پہنچا...... اس کا سر منڈا ہوا تھا، گلے میں موتیوں کی مالا تھی اور ہاتھ میں برچھا اس طرح پکڑے ہوئے تھا جیسے ابھی سینے کے پار کر دے گا...... اس نے برچھا لہرایا اور ایک ٹانگ آگے کر کے اور ایک پیچھے کر کے بولا۔

"کون ہو تم لوگ اور کہاں سے آئے ہو۔" یہ الفاظ میری سمجھ میں تو نہیں آئے تھے، لیکن علی جاہ نے فوراً ہی انگریزی میں مجھے بتایا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے...... علی جاہ قبائلی زبان اچھی طرح بول اور سمجھ سکتا تھا، چنانچہ اس نے جواب دیا۔

"ہم مصیبت زدہ ہیں، ہمارا جہاز طوفان میں تباہ ہو گیا ہے، وہ دیکھو...... وہ جو سامنے تختہ پڑا ہوا ہے اس پر بہتے ہوئے ہم یہاں تک آ گئے ہیں۔"

"تمہارا سامان کہاں ہے؟" گنجے نے ادھر اُدھر دیکھا۔

"ہمارے پاس کوئی سامان نہیں ہے، سب کچھ سمندر میں بہہ گیا، ہم برباد ہو گئے ہیں۔"

"اس تھیلے میں کیا ہے؟" اس نے ہمارے سفری بیگ کی طرف اشارہ کیا...... اس سے پہلے کہ علی جاہ کوئی جواب دیتا، وہ ایک قدم آگے بڑھا اور ہمارے بیگ کھینچ کر ایک جھٹکے سے الگ ہو گیا، لیکن بیگ چونکہ میری کمر کے ساتھ بندھا ہوا تھا اس لئے میں بھی اس کے ساتھ کھنچتا ہوا چلا گیا...... قبائلی بیگ کو اپنے قبضے میں کرنے کے لئے مجھے جھٹکے دے رہا تھا اور میرا پورا بدن ہچکولے کھا رہا تھا...... علی جاہ، صورت حال کو بھانپ گیا...... وہ تیزی سے آگے بڑھا اور بلیڈ سے اس نے ہک نکال کر تھیلا قبائلی کے حوالے کر دیا...... تھیلا اپنے قبضے میں پا کر قبائلی نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا اور پھر وحشیوں کی طرح تھیلے کو نوچنے کھسوٹنے لگا...... مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ وحشی بیگ کو پھاڑ دے گا، لیکن علی جاہ نے اسی وقت آگے بڑھ کر اس کی زپ کھول کر، نا صرف قبائلی کی مشکل آسان کر دی بلکہ بیگ کو بھی پھٹنے سے بچا لیا...... بیگ کھل جانے پر قبائلی زور سے ہنسا اور بے صبری سے اس میں ہاتھ ڈال دیا...... سب سے پہلے اس نے کیمرہ نکالا...... دیر تک حیرت سے اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا اور جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو گلے میں ڈال لیا...... دوسری دفعہ اس نے ریوالور نکال لیا، اسے دیکھ کر خوشی سے اُچھلا اور ریوالور کی نال اُوپر کی جانب کر کے ایک فائر کر دیا، اس کی حرکت اس بات کا اظہار کر رہی تھی کہ وہ ریوالور کے استعمال سے واقف ہے، پھر اس نے بسکٹوں کا پورا پیکٹ منہ میں رکھ لیا، اس کے بعد ٹارچ نکال کر اسے روشن کر کے اس کی روشنی میرے چہرے پر

پھینکی...... پھر اسے بند کر کے دوبارہ تھیلے میں رکھ دیا...... ٹارچ بھی اس کے لئے کوئی نئی چیز نہیں تھی، چنانچہ اس خیال کو مزید تقویت پہنچی تھی کہ وہ قبائلی ضرور ہیں، لیکن قطعی وحشی نہیں ہیں اور انہیں ان اشیاء سے پوری پوری واقفیت حاصل ہے...... قبائلی کا تجسس ختم نہیں ہوا تھا، اس نے تھیلے کو بری طرح الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا اور اس کے سخت ہاتھوں کی زد میں آ کر کئی نازک اشیاء ٹوٹ بھی گئیں...... ایک بار اس نے کیمرے کو پھر غور سے نکال کر دیکھا...... غالباً کیمرہ اس کے لئے بالکل نئی چیز تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا...... وہ بڑے تجسس کے ساتھ اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا...... آخر کچھ نہ سمجھ کر دوبارہ پیکٹ میں ڈال دیا...... شکر ہے کہ اس نے بیگ کی سائیڈ زپ نہیں کھولی تھی...... ورنہ اس میں رکھی ہوئی فلمیں اور کارتوس کا وہ نجانے کیا حشر کرتا، البتہ بیگ اس نے اپنے قبضے میں رکھا اور علی جاہ سے کہنے لگا۔

"تمہیں ہمارے سردار کے پاس چلنا ہو گا۔"

"تمہارا سردار کہاں ہے۔" علی جاہ نے پوچھا۔

"اپنے ڈیرے پر چلو...... ان لوگوں کو سردار کے پاس لے چلو۔" اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا، علی جاہ مجھے اس سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں مدہم مدہم لہجے میں بتاتا جا رہا تھا...... کچھ ہی لمحوں کے بعد دو دو قبائلی میرے اور علی جاہ کے دائیں بائیں پہنچ گئے...... انہوں نے ہمیں بازوؤں سے پکڑ کر ایک جھٹکے کے ساتھ آگے کی جانب دھکیلنا شروع کر دیا اور جزیرے کے اندرونی حصے کی جانب لے چلے...... ساحل کی حدود سے نکل کر ابھی ہم چند قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ علی جاہ چونک چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا، اس کی آنکھوں میں چمک اور خوشی کے آثار میں نے بھی صاف محسوس کر لئے تھے...... میں نے سرگوشی میں اس سے کہا۔

"خیریت علی جاہ؟ اچانک ہی تمہارے چہرے کے تاثرات بدلے ہیں۔"

"میرا دل چاہ رہا ہے کہ خوشی سے ناچنا شروع کر دوں...... میں نے تم سے کہا تھا نا،"

ڈیئر ڈیپک! کہ ہم لوگوں کو اس آسمانی قوت سے ہر مہربانی اور مدد کا یقین رکھنا چاہئے جس نے ہماری تخلیق کی ہے...... مجھے بتاؤ کیا میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں۔" میں نے ہونٹ سکوڑ کر علی جاہ کو دیکھا اور کہا۔

"کیا موجودہ حالات میں کسی خوشخبری کا تصور کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں...... ہم اپنے مطلوبہ جزیرے پر پہنچ گئے ہیں۔"

"کیا۔" میں اُچھل پڑا۔

"سو فیصدی...... یہ وہی جزیرہ ہے، بے شک ایک بالکل نئی سمت تقدیر نے لا پھینکا ہے، لیکن سمتوں سے کچھ نہیں ہوتا...... اب میں نے اسے پہچان لیا ہے...... سامنے کی زمین ٹیلے اور چٹانیں یقینی طور پر یہ جزیرے کا عقبی حصہ ہے...... ویسے اس طرف میں کبھی نہیں آیا اور ایک بات اور بھی بتاؤں...... ان قبائلیوں میں بھی کچھ چہرے جانے پہچانے لگ رہے ہیں...... شاید وہ مجھے شناخت کر لیتے، لیکن اس وقت میری حالت ہی بدلی ہوئی ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو تم فوراً انہیں حقیقت سے آگاہ کر دو اور انہیں بتا دو کہ سردار تمہارا دوست ہے۔" میں نے بے خبری سے کہا۔

"نہیں ابھی نہیں...... ابھی یہ لوگ میری بات تسلیم نہیں کریں گے...... وہ ہمیں سردار کے سامنے ہی لے جا رہے ہیں...... اس لئے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔" علی جاہ! کہ ان الفاظ پر میں خاموش ہو گیا...... قبائلی مجھے اور علی جاہ کو نرغے میں لئے اُچھلتے کودتے چیختے چلاتے بستی کی طرف لے جا رہے تھے...... جوں جوں وہ آگے بڑھتے جا رہے تھے ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی شامل ہوتے جا رہے تھے اور ان کی چیخ و پکار میں مزید اضافہ ہوا تھا...... کوئی ایک فرلانگ کے فاصلے پر میری نگاہیں سامنے کی جانب اُٹھیں اور میں چونک گیا۔ کچھ فاصلے پر ایک خوبصورت عمارت نظر آ رہی تھی، اس کے اُبھرے حصے پر شاید کوئی چمکدار دھات لگائی گئی تھی، کیونکہ سورج کی روشنی میں اس چمکدار دھات کی کرنیں آنکھوں کو بری طرح متاثر کر رہی تھیں...... عمارت کو دُور سے ہی دیکھا جا سکتا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس کی

ندی شفاف آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہو...... میں نے علی جاہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تو وہ بے ساختہ کہنے لگا۔

"یہی ہے خدا کی قسم یہی...... یہ وہی عمارت ہے جسے تم بلیک ٹیمپل کہتے ہو۔ آہ دیکھو کیسی عجیب و غریب بات ہے...... سمندر کی ہواؤں نے ہمیں ہماری منزل تک پہنچانے کے لئے ہماری کیسی بھرپور مدد کی ہے، آہ...... ہم تو خود بخود منزل پر پہنچ گئے...... زندہ اور سہی سلامت، علی جاہ بہت خوش نظر آ رہا تھا اور میں اپنی زندگی کے انوکھے مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا، شہر میں حصول تعلیم کے دوران کئی فلمیں اس انداز کی دیکھی تھیں...... بالکل مختلف نہیں ہوتی تھیں، وہی سب کچھ پوری ریسرچ کے بعد پیش کیا جاتا تھا، جو حقیقت ہوتی تھی...... بس اتنا سا فرق تھا کہ وہاں اداکار اداکاری کرتے تھے...... کیمرے متحرک ہوتے تھے اور وہ سب جو ایک خاص منظر پیش کرتے تھے اصلی نہیں ہوتے تھے، بلکہ ان لوگوں کو میک اپ کر کے وحشی بنایا جاتا تھا، لیکن اس وقت وحشیوں کی اس بستی میں داخل ہوئے تو سینکڑوں مرد، عورتیں اور بچے اپنے اپنے جھونپڑوں سے نکل کر ہمیں دیکھنے لگے...... میں نے ان جھونپڑوں پر نگاہ ڈالی تو ان کی ساخت بھی عجیب سی پائی...... وہ مضبوط اور بہت مضبوط بنے ہوئے تھے...... جھونپڑوں سے نکلنے والوں میں مرد تو تھے ہی لیکن نوجوان لڑکیاں دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... ان کے رنگ گندمی تھے اور جسم اس طرح جیسے سنگتراشوں نے اپنے ہاتھوں سے بہترین تخلیق بنائی ہو، وہ بہت خوب صورت تھیں ان کے جسموں کے لباس بہت مختصر جس لئے ان کی جاذبیت اور بڑھ گئی تھی...... وحشی مردوں کے مقابلے میں وہ خوبصورت بھی تھیں اور سنجیدہ بھی...... سب کے سب تجسس اور حیرت کے عالم میں ہمیں دیکھ رہے تھے اور ہماری طرف اشارہ کر کے عجیب و غریب آوازیں نکال رہے تھے...... میں نے علی جاہ سے کہا۔

"علی جاہ! ان کا انداز بہت عجیب ہے...... تم اسے یقینی طور پر جانتے ہو گے کہ اس وقت ان کا موضوع کیا ہے۔" علی جاہ نے میری طرف دیکھا اور مدہم لہجے میں بولا۔

"ان کا اس وقت کا موضوع نہ پوچھو تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

"کیوں۔" میں نے حیرانی سے علی جاہ کی صورت دیکھی تو وہ مسکرا دیا، پھر بولا۔

"ان کا موضوع جو کچھ بھی ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ وقت نے، قدرت نے تقدیر نے ہمیں سمندر کے خوفناک طوفان سے بچا کر یہ زمین دکھائی ہے تو آگے بھی صورت حال بہتر ہوگی...... وہ خوش ہیں کہ دیوتاؤں نے ان کے لئے قربانی کے بکرے بھیجے ہیں...... وہ ہمیں قربان کرنے کی بات کر رہے ہیں سمجھے...... علی جاہ کے الفاظ پر واقعی ایک لمحے کے لئے میرے اندر خوف بیدار ہوا لیکن علی جاہ خود کو ہی مسلمان سمجھ رہا تھا...... قصور اس نام کا تھا جو مجھ سے چپک گیا تھا اور چونکہ اس نام سے عارضی طور سے مجھے بہت سے معاملات سرانجام دینے تھے، اس لئے ابھی میں نے یہ نام قائم ہی رہنے دیا تھا...... غرض یہ کہ ہم لوگ آگے بڑھتے رہے اور آخر کار ایک بڑے جھونپڑے کے قریب آکر رُک گئے...... ہمیں لانے والوں میں سے ایک آدمی اندر گیا اور کچھ دیر کے بعد وہ ہمیں اندر لے گئے...... جھونپڑے میں ایک بڑی سی چٹائی بچھی ہوئی تھی، جس پر سردار کچھ قبائلیوں کے درمیان موجود تھا...... یہ نمایاں اور ممتاز نظر آرہا تھا، لمبے چوڑے بدن کا مالک اس نے قدیم طرز کا لباس پہن رکھا تھا...... سر پر تیلیوں سے بنی ہوئی ایک ٹوپی تھی، جس پر پرندوں کے بے شمار رنگین پر لگے ہوئے تھے...... جسم اور چہرے پر بھی سفید لکیریں بنی ہوئی تھیں...... چوڑے بدن کے ساتھ ساتھ ہی اس کے جبڑے بھاری پیشانی کشادہ اور آنکھیں بہت بڑی اور خون میں ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی تھیں...... اسے غالباً بتا دیا گیا تھا کہ سمندر کے راستے کوئی اجنبی جزیرے پر پہنچا ہے، چنانچہ وہ غصے کے عالم میں کھڑا ہو گیا...... اس نے باری باری ہم دونوں کو دیکھا...... پھر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک اس کی گردن گھوم گئی اور وہ دوبارہ میری طرف دیکھتے دیکھتے علی جاہ کی طرف دیکھنے لگا...... تب علی جاہ نے اپنے دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھائے انہیں سیدھا کیا، تھوڑا سا جھکا اور پھر مسرور لہجے میں بولا۔

"سردار ویرائن مجھے پہچانو...... غور سے دیکھو، تم شاید میرے بدلے ہوئے حلیئے کی بنا پر مجھے پہچان نہیں پا رہے۔"

"کون ہو تم...... کیا علی جاہ؟" سردار نے کسی قدر حیران لہجے میں کہا اور علی جاہ زور زور سے گردن ہلانے لگا۔

"ہاں...... دیوتاؤں کے چہیتے تمہارا کہنا بالکل درست ہے...... میں تمہارا پرانا دوست علی جاہ ہی ہوں۔"

"مگر تم نے یہ اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے...... پہلے تو تم کبھی اس طرح جزیرے پر نہیں آئے۔"

"ہاں...... ویرائن اس بار بس زندگی تھی، میں بچ گیا ورنہ موت نے اپنا جال پھینکنے کی بڑی کوشش کی تھی۔"

"کیا ہوا آخر...... کیا ہو گیا تمہیں، واقعی تم تو علی جاہ ہی ہو۔" سردار کے چہرے پر آہستہ آہستہ نرمی پھیلتی جا رہی تھی...... علی جاہ نے ایک گہری سانس لی اور دُکھ بھرے انداز میں بولا۔

"ہم یعنی میں اور میرا یہ ساتھی شدید سمندری طوفان میں گھر گئے تھے...... ہمارا جہاز جس میں بے حد قیمتی مال و اسباب لگا ہوا تھا، سمندر میں غرق ہو گیا...... ہمارے تمام ساتھی ڈوب گئے اور ہم دونوں بہت مشکل سے جان بچانے میں کامیاب ہوئے۔"

"افسوس...... افسوس۔" سردار سر ہلاتا ہوا بولا۔

"یہ دوسرا آدمی کون ہے؟"

"آہ...... یہ میرا دوست ہے، بہت ہی بڑا آدمی ہے، یہ اگر عام حالات میں یہاں آتا تو تمہارے لئے اتنے تحفے لے کر آتا سردار کہ رکھنے کی جگہ نہیں ہوتی...... یہ اسی بدنصیب جہاز کا مالک ہے جو سمندر میں غرق ہو گیا ہے۔"

"بہت افسوس ہوا...... اب کیا چاہتے ہو۔" سردار اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

"مجبوری ہے ویرائن! ہم لوگ کچھ دن جزیرے پر ٹھہرنا چاہتے ہیں، اگر تم اجازت دو،

کیونکہ تازہ دم ہو کر ہم دوبارہ سفر کے قابل بن جائیں اور یہاں سے جا سکیں۔"

"ہاں ہاں...... کیوں نہیں بے شک تم میرے دوست ہو، مگر تمہارے دوست کا
بنے گا۔"

"اس کے علاوہ اور کیا ہو گا سردار! کہ وہ میرے ساتھ ہی رہے۔" علی جاہ نے جواب دیا۔

"تمہارے ساتھ رہے۔" سردار بولا۔

"ہاں بس چند روز کی بات ہے، ہم جلدی واپس چلے جائیں گے۔"

"نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، پروہت کو پتا چل گیا تو قیامت آجائے گی...... تمہارے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا...... تم میرے دوست ہو، میرے محسن ہو، تم نے میرے بچے کی جان بچائی تھی، اس لئے جزیرے پر آنے کی اجازت دیتا ہوں اور تمہاری اس آمد کو بھی بہت خفیہ رکھا جاتا ہے...... پروہت کو بھی علم نہیں ہوا، لیکن تمہارے علاوہ کسی دوسرے شخص کو جزیرے پر ٹھہرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"یہ ایک بہت بڑی مجبوری ہے سردار! ذرا سا غور کرو...... چاروں طرف سمندر ہے اور یہ میرا اتنا گہرا دوست ہے کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا، آخر اسے کہاں پناہ ملے گی۔"

"لیکن تم میری مجبوریوں کو بھی تو سمجھنے کی کوشش کرو، تم پروہت کے قہر و غضب سے واقف نہیں ہو...... اگر اسے جزیرے پر تم لوگوں کی موجودگی کا علم ہو گیا تو ہم میں سے کسی کی خیر نہیں ہے...... تم جانتے ہو سردار کی سرداری پروہت کی وجہ سے قائم رہتی تھی...... اصل سردار پروہت ہی ہوتا ہے۔"

"جزیرے پر ہمارا قیام بالکل خفیہ ہو گا...... ہم اپنی موجودگی کو ظاہر نہیں کریں گے، تم جانتے ہو ویرائن کہ میں نے تم سے کبھی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا...... اس کو تم میری پہلی اور آخری خواہش کہہ سکتے ہو اور اس طرف سے اطمینان رکھو کہ ہم تمہارے لئے کسی مصیبت کا باعث نہیں بنیں گے۔" سردار ویرائن نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا، کچھ دیر کے بعد اس نے سر اٹھایا اور کہنے لگا۔

"تم مجھے مجبور کر رہے ہو...... دوستی کے حوالے سے تم نے ایسی خواہش کا اظہار کیا ہے، جو میرے لئے مصیبت بن سکتی ہے، لیکن میں اس بات کو کبھی نہیں بھول سکوں گا کہ تم ے سب سے بڑے محسن ہو...... تم نے میرے جگر کے ٹکڑے کو زندگی دی ہے اور ہم ئلیوں کا دستور ہے کہ احسان کے بدلے جان دینے سے کبھی گریز نہیں کرتے، چنانچہ مجھے ہاری اس خواہش کا احترام کرنا ہو گا، مگر تمہیں اس سلسلے میں دو وعدے کرنا ہوں گے۔"

"تم جیسا کہو گے میں ویسا ہی کروں گا، عظیم سردار۔" علی جاہ نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں پہلے میری بات سن لو...... پہلی بات تو یہ ہے کہ میری اجازت کے بغیر تم کہیں ہیں جاؤ گے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم میرے قیدی بن کر رہو گے، بلکہ احتیاط کے ر پر یہ ہدایت کر رہا ہوں...... دوسرا وعدہ یہ کرنا ہو گا کہ چند روز کے اندر اندر جزیرے سے لے جاؤ گے، میں تمہیں زیادہ عرصے تک رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا، کچھ روز میں جشن روع ہونے والا ہے...... اس موقع پر بڑا پروہت پورے سال بعد ٹیمپل سے برآمد ہو گا...... ں چاہتا ہوں کہ اس وقت یہاں، تم لوگ موجود نہ رہو۔"

"ہم تمہاری ہدایت پر عمل کریں گے سردار۔" علی جاہ نے جواب دیا۔

"تمہیں جشن شروع ہونے سے پہلے جزیرہ چھوڑنا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے ہم جزیرہ چھوڑ دیں گے۔" سردار نے پر اطمینان انداز میں سر ہلایا اور پھر بولا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" یہ مسئلہ اس شکل میں کافی حد تک حل ہو گیا تھا، پھر وہ ہمیں اتھ لے کر جھونپڑے کے عقبی حصے سے باہر نکل آیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک ھوٹے سے جھونپڑے پر پہنچ گئے، جو بے حد غلیظ اور تاریک تھا...... جھونپڑے کے اندر کچھ ویشی بندھے ہوئے تھے، جن کے باعث بدبو کی وجہ سے دماغ اڑا جا رہا تھا...... بے شک یہ یک انتہائی پریشان کن صورت حال تھی، لیکن بہرحال ہم نے یہاں کون سے عیش و عشرت رنے تھے...... وقت ہی گزارنا تھا اور پھر میں تو جن درندوں کی قید سے نکل کر آیا تھا...... نہوں نے مجھے دنیا کی ہر پریشانی کی عادت ڈال دی تھی، لیکن علی جاہ بہت پریشان نظر آرہا

تھا......اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر سردار نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا خیال ہے یہ جگہ کیسی ہے تمہارے لئے۔"

"اس جگہ رہنے سے بہتر ہے کہ ہمیں قتل کردو۔"

"نہیں دوست! ایسی بات نہیں کرو...... میں تمہیں اس جھونپڑے میں رکھنا نہیں چاہتا۔"

"پھر ہمیں یہاں کیوں لائے ہو۔"

"صبر کرو...... میں، تمہیں بہت محفوظ مقام پر پہنچانا چاہتا ہوں، جہاں تم ہر شخص نظروں سے اُوجھل رہو گے۔" نجانے کیوں مجھے سردار کے یہ الفاظ بڑے عجیب سے لگے ان کے پس منظر میں کہیں وہ ہماری موت کا سامان تو کرنے نہیں جا رہا ہے...... بہر حال ا جو ہوگا دیکھا جائے گا...... موت، موت، موت، ایک وقت ایسا آتا ہے جب انسان موت اتنے قریب رہ کر موت کے تصور سے بھی دُور ہو جاتا ہے...... سردار جھونپڑے کے آخ حصے میں چلا گیا تھا، جہاں ایک گوشے پر گھاس پھوس کا ڈھیر نظر آ رہا تھا...... اس نے گھ اُٹھائی تو نیچے ایک تختہ برآمد ہوا، اس نے تختہ بھی اُٹھالیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ کرنے لگا، ہم دونوں تعجب سے اسے دیکھ رہے تھے...... پھر جب ہم اس کے قریب پہ ہمیں تختے کے نیچے گہرائی میں جاتی ہوئی کچی سیڑھیاں نظر آئیں، جنہیں مٹی سے ڈھک گیا تھا...... سردار نے ہماری طرف دیکھا اور نیچے اُترنے کا اشارہ کیا۔

"شاید تہہ خانہ ہے۔" علی جاہ انگریزی میں بولا۔

"ایسا ہی لگتا ہے، کیا خیال ہے اندر چلیں؟"

"جانا ہوگا۔" علی جاہ نے پُراعتماد لہجے میں کہا، پھر بولا۔

"سردار کی طرف سے دھوکے کا امکان نہیں، اگر دل میں کوئی ایسا اندیشہ ہے تو نکال دو۔"

"اگر تم سمجھتے ہو علی جاہ! تو بالکل ٹھیک ہے، ویسے بھی اندیشہ اندیشہ ہی رہ سکتا ہے۔"

کر بھی کیا سکتے ہیں، اس بے بسی کے جزیرے میں۔" پھر ہم سردار کے ساتھ سیڑھیوں پر گئے...... سردار ہمیں لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، اس نے کہا۔

"میرے اور ایمن کے علاوہ اس تہہ خانے کے بارے میں اور کوئی نہیں جانتا۔"

"ایمن کون ہے۔"

"میری بیٹی...... اس تہہ خانے کو میں نے اور میری بیٹی نے مل کر ہی بنایا ہے اور ہم رف دو افراد ہیں جو یہاں آتے جاتے ہیں، کسی اور کو اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"اوہ...... اس کا مطلب ہے کہ۔"

"ہاں...... اس کا مطلب ہے اب ایمن ہی تمہارے لئے یہاں آیا کرے گی...... میں بھی قفے وقفے سے چکر لگاتا رہا ہوں گا، مگر تمہاری دیکھ بھال ایمن ہی کرے گی...... جیسے تمہیں کھانا وغیرہ دینے کا معاملہ ہوگا...... اس کے علاوہ تم لوگ اپنی ضروریات بلا تکلف اس سے کہہ دینا...... میں اسے مکمل طور پر تمہارے بارے میں ہدایت کردوں گا...... وہ بہت اچھی لڑکی ہے، کچھ لمحے تک ویرائن کھڑا تشویش ناک انداز میں ہم دونوں کو دیکھتا رہا...... اس دوران میری نگاہیں اس تہہ خانے کا جائزہ لے رہی تھیں...... یہ تہہ خانہ ایک کشادہ کوٹھڑی پر مشتمل تھا، جو زمین کو تراش کر بنائی گئی تھی...... کوٹھڑی میں گھاس بچھی ہوئی تھی اور عجیب بات یہ تھی کہ اس میں ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی...... کہیں سے تازہ ہوا کے جھونکے بھی اندر آ رہے تھے...... بظاہر اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ یہ جھونکے کس طرف سے آ رہے ہیں، لیکن یہ ایک یقینی امر تھا کہ تہہ خانے میں کہیں کہیں خفیہ سوراخ ہیں جو تازہ ہوا اور روشنی پہنچانے کا کام دے رہے ہیں...... پھر ویرائن چلا گیا تو علی جاہ نے چاروں طرف دیکھا اور تھکے تھکے سے انداز میں ایک جگہ بیٹھ گیا، اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آؤ میرے دوست! زندگی میں ایسے شب و روز کا استقبال تو کرنا ہی پڑتا ہے...... سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق نہیں ہو جاتا، وقت سے تعاون ہی ہمارے لئے بہتر ہے...... وقت کبھی کبھی بالکل ہماری مرضی کے خلاف فیصلے کرتا ہے اور اب یہ بعد میں سوچیں گے کہ

اب ہمیں آگے کیا کرنا ہے...... ویسے جگہ کافی محفوظ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں یہ کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔"

"لیکن ایک اور بات بھی تو ہے۔"

"کیا؟"

"بہت سے قبائلیوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے، کیا ان میں سے کوئی پروہت کو ہما موجودگی کی اطلاع نہیں دے دے گا۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔"

"کیوں۔"

"اس لئے کہ پروہت کا عام لوگوں سے کوئی رابطہ نہیں ہوتا، وہ سال میں صرف ا مرتبہ باہر نکلتا ہے اور جشن میں شرکت کرنے کے بعد خانقاہ میں واپس چلا جاتا ہے۔"

"مگر ہم اس تہہ خانے میں قید تو ہوگئے ہیں اور اس طرح علی جاہ! ہمارا اس جزیرے رہنے کا مقصد فوت ہوگیا ہے...... بھلا ہم اس طرح بلیک ٹیمپل کے بارے میں کیا معلومات حاصل کرسکیں گے، جبکہ میرا تو مقصد ہی یہی تھا اور راج کمار بھی یہی چاہتا تھا۔" علی جاہ نے آنکھیں بند کرلیں...... تھوڑی دیر تک سوچتا رہا، پھر اس نے کہا۔

"آہ...... راج کمار اسی سلسلے میں مارا گیا، لیکن خیر بددل ہونے کی ضرورت نہیں ہے...... کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیا جائے گا...... ویسے راج کمار کو شاید کبھی یہاں جشن میں شرکت کا موقع نہیں ملا...... اس وقت ہماری سب سے بڑی جیت یہ ہے کہ سالانہ جشن شروع ہونے والا ہے اور اس سے ہمیں بڑی مدد ملے گی۔"

"وہ بھی ٹھیک ہے، لیکن علی جاہ! تم یہ بھول رہے ہو کہ سردار ویرائن نے ہمیں یہاں چند روز ٹھہرنے کی اجازت دی ہے اور کہا ہے کہ جشن شروع ہونے سے پہلے ہمیں یہ جزیرہ چھوڑ دینا ہوگا...... اب بھی علی جاہ کوئی جواب ہی دینے والا تھا کہ اچانک سیڑھیوں پر ایک ہلکے قدموں کی آواز سنائی دی اور ہم دونوں کی نگاہیں اس کی جانب اُٹھ گئیں...... چند لمحوں کے

بعد نیم تاریکی میں ایک سایہ نمودار ہوا اور پھر وہ ان کے قریب آکر رُک گیا، وہ ایک قبائلی لڑکی تھی...... گول چہرہ، آنکھیں انتہائی خوب صورت، قد لمبا اس نے جو قبائلیوں کا روایتی لباس پہنا ہوا تھا وہ اس کا بدن ڈھانپنے کے لئے ناکافی تھا اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی دیکھا تھا کہ بہترین ورزشی جسموں کی مالک یہ لڑکیاں بے حد حسین ہوتی تھیں، اس لڑکی کا رنگ بھی کھلتا ہوا گندمی تھا...... بال اس قدر لمبے کہ پنڈلیوں تک آرہے تھے...... اگر اس وقت حسن و جمال کا تجزیہ کرنے کا موقع ہوتا تو میں اسے دُنیا کی حسین ترین لڑکی قرار دیتا، وہ حسن وجمال کا مرکز تھی اور ترقی یافتہ دور کی حسین سے حسین عورت کے مقابلے میں اسے ایک تروتازہ گلاب کی مانند کھڑا کیا جاسکتا تھا...... وہ میرے قریب آکر رُکی تھی اور نیم تاریکی میں کسی رُوح کی مانند لگ رہی تھی...... اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا برتن تھا جو شاید لکڑی کا بنا ہوا تھا...... یہ برتن اس نے ہمارے سامنے رکھا...... جھکنے کی وجہ سے اس کے سیاہ بال زمین پر بکھر گئے...... بڑا سا لکڑی کا برتن رکھ کر وہ سیدھی ہوگئی اور پھر اس کی آواز کمرے میں گونجی...... کیا حسین آواز تھی، اگر ایسی کسی آواز کو گلوکاری کی تربیت دے دی جائے تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کا کوئی بدل ممکن نہ ہو، اس نے کہا۔

"میرا نام ایمن ہے اور میں سردار ویرائن کی بیٹی ہوں...... تم لوگوں کے لئے کھانا لائی ہوں۔" میں نے صرف اس آواز کا مفہوم نکالا تھا اور نجانے مجھے یہ کیوں لگا تھا جیسے میں اس کے منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو سمجھ رہا ہوں...... ایمن کہنا ہی اس بات کی نشانی تھی کہ سردار نے جو کچھ کہا تھا یہ اس کا ثبوت ہے...... بہرحال میں اس بات کا جواب نہیں دے سکتا تھا، لیکن فوراً ہی علی جاہ نے کہا۔

"سردار نے تمہارے بارے میں مجھے بتادیا تھا، میرا نام علی جاہ ہے اور میں سردار کا دوست ہوں اور یہ میرا ساتھی دیپک ہے۔"

"مگر تم کہاں سے آئے ہو۔"

"باہر کی دُنیا سے...... ہماری دُنیا تمہارے اس جزیرے سے باہر پھیلی ہوئی ہے...... تم

اس دُنیا کے بارے میں کچھ جانتی ہو۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"کیا تم کبھی جزیرے سے باہر گئی ہو۔"

"کبھی نہیں...... اس جزیرے میں رہنے والا کوئی بھی باہر نہیں جاتا اور نہ باہر کی دُنیا کا کوئی فرد جزیرے پر آسکتا ہے۔"

"ایمن! کیا تم نے کبھی باہر کی دُنیا دیکھنے کی خواہش کی ہے۔"

"باہر کی دُنیا کے بارے میں میں نے عجیب عجیب باتیں سنی ہیں، مگر میں وہاں جا نہیں سکتی۔"

"کیا عجیب باتیں سنی ہیں۔"

"سنا ہے وہاں لوہے کا جادو چلتا ہے...... وہ لوہے کی جادو کی دُنیا ہے، وہاں ہر چیز جادو کے زور سے چلتی ہے۔"

"ٹھیک سنا ہے تم نے، واقعی، وہ لوہے کی دُنیا ہے، وہاں کے انسان بھی لوہے کے ہیں۔"

"کیا کہا...... لوہے کے انسان۔" ایمن حیرت سے بولی، میری نگاہیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں...... اس کی ایک ایک ادا دل کو کھینچ لینے والی تھی اور میں آنکھیں پھاڑے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا...... میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ اس پر سے آنکھیں ہٹاؤں، حالانکہ تاریکی تھی لیکن اس تاریکی میں بھی وہ اس قدر حسین نظر آرہی تھی کہ اس پر سے آنکھیں ہٹانے کو دل نہ چاہے، وہ کچھ لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

"تمہاری باتیں بہت اچھی لگ رہی ہیں مجھے، میرے دل میں بڑی آرزو ہے کہ میں تم سے تمہاری دُنیا کی بہت سی باتیں کروں...... کیسا عجیب لگتا ہے یہ سوچ کر کہ جہاں ہم رہتے ہیں، وہاں کے علاوہ بھی کوئی اور جگہ ایسی ہے جہاں ہم جیسے لوگ رہتے ہیں، جیسے تم۔" وہ اچانک رُکی اور میری طرف دیکھنے لگی اور پھر بولی۔

"یہ کچھ نہیں بولتا۔"

"نہیں وہ تمہاری زبان نہیں سمجھتا...... جو کچھ تم بولتی ہو اس کی سمجھ میں نہیں آتا۔"

"کیوں۔" وہ حیرت سے بولی۔

"اس لئے کہ وہ تمہاری زبان نہیں جانتا۔"

"اس کی زبان کچھ اور ہے۔"

"ہاں۔"

"کیا تمہاری دنیا میں الگ زبان بولی جاتی ہے۔"

"ہاں۔" علی جاہ نے جواب دیا اور وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے ہم دونوں کو دیکھتی رہی، پھر ایک دم چونک کر بولی۔

ارے...... تم لوگ کھانا تو کھاؤ...... میں تو بھول ہی گئی تھی...... ہم کھانے میں مصروف ہو گئے...... ابلے ہوئے چاول اور مچھلی تھی جو ہم نے بڑے شوق سے کھائی...... وہ دلچسپی کی نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی...... اچانک اس نے پوچھا۔ اس کا نام کیا ہے...... تم نے مجھے بتایا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا۔

"دیپک...... علی جاہ نے جواب دیا۔" وہ خاموش ہو گئی...... کھانے سے فراغت ہوئی تو وہ برتن اٹھا کر وہاں سے چلی گئی...... میں اور علی جاہ باتیں کرنے لگے...... جیسیکا کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے میں بہت اُداس ہو گیا تو علی جاہ نے کہا۔

"کیا تم اس لڑکی سے محبت کرتے تھے۔"

"کیوں؟"

"ایسے ہی پوچھ رہا ہوں۔"

"بس ایک انسان کی حیثیت سے مجھے اس کی موت کا غم ہے۔" خیر چھوڑو ان باتوں کو میں اس جشن کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں اور خاص طور سے اس پراسرار پجاری کو۔"

"ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔" علی جاہ بولا۔

"کیا۔"

"کیوں نہ ہم انہی قبائلیوں جیسی شکل بنا کر جشن میں شامل ہو جائیں...... میں آسانی سے یہ حلیہ اختیار کر سکتا ہوں......اس کے علاوہ ایک......اور بات بھی ہے۔"

"وہ بھی بتاؤ۔"

"ایمن۔"

"کیا مطلب۔"

"میرے تجربے نے مجھے کچھ اور بتایا ہے۔"

"وہ کیا۔"

"لڑکی کی نظروں میں تمہارے لئے پسندیدگی کے جذبات تھے۔"

"اوہ...... تو پھر۔"

"اسے اپنی محبت کے جال میں پھنساؤ۔"

"کیا فضول بات کر رہے ہو۔"

"بہت سی فضول باتیں بڑی کار آمد ہوتی ہیں اور انہیں کرنا پڑتا ہے...... میں ایک منصوبہ بندی کر رہا ہوں اور اس منصوبہ بندی میں میں تنہا ہی سب کچھ نہیں کر سکتا، تمہیں بہر حال میرا ساتھ دینا پڑے گا۔"

"لیکن میں تو اس کی زبان تک نہیں سمجھتا اور نہ وہ میری گفتگو کا مقصد جانتی ہے۔" میں نے کہا تو علی جاہ ہنس پڑا پھر بولا۔

"محبت کی کوئی زبان نہیں ہوتی...... انسان کچھ نہ کر کے بھی کچھ کر ڈالتا ہے، آنکھوں کی زبان کافی ہوتی ہے۔"

"میرے لئے یہ ایک مشکل کام ہے، لیکن بہر حال میں اس سلسلے میں کوشش کروں گا، ہو سکتا ہے میں اس میں کامیاب ہی ہو جاؤں۔"

"اور میں مسلسل ترکیبیں سوچ رہا ہوں، کیونکہ جو کچھ میں نے ویرائن سے کہا ہے اس کے مطابق ویرائن نے عارضی طور پر ہمیں یہاں رکھنے کی اجازت دے دی ہے، وہ ہماری

روانگی کا پورا پورا بندوبست کرے گا اور علی جاہ کا یہ کہنا بالکل درست نکلا...... ویرائن ہم سے ملنے آیا تھا...... پہلے اس نے ہم سے ہماری خیریت پوچھی اور اس کے بعد کہنے لگا۔

"میں تمہارے لئے کشتی کا انتظام کر رہا ہوں اور تمہیں اس کشتی سے روانہ ہونا ہوگا، جشن سے پہلے تمہیں یہ جگہ چھوڑ دینی پڑے گی۔"

"ویرائن! میں اپنے آپ کو تمہارا دوست سمجھتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ اگر تم اپنے عمل میں آزاد ہوتے تو کبھی مجھے اس طرح یہاں سے بھگانے کی کوشش نہ کرتے، لیکن میرے دوست تھوڑی سی مجبوری ہو گئی ہے...... میرے پیر میں شدید موچ آگئی ہے اور میں چلنے کے قابل نہیں ہوں......ان حالات میں سفر کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے، جہاں تک جشن کا تعلق ہے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم لوگ اس تہہ خانے سے باہر نہیں نکلیں گے اور پجاری کو ہمارے یہاں موجود ہونے کا احساس نہیں ہوگا۔" سردار سوچنے لگا اور پھر بولا۔

"حالانکہ میں بڑی پریشانی کا شکار ہو گیا ہوں...... مجھے صرف یہ خطرہ ہے کہ تمہاری سلامتی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی، پجاری کو اگر پتہ چل گیا تو تم اپنی موت کے خود ذمے دار ہو گے۔"

"میں نے کہا نا ہم لوگ کوئی ایسا عمل نہیں کریں گے جس سے ہماری یہاں موجودگی کا پتہ چل سکے۔" ویراتن نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور اس بات پر آمادہ ہو گیا...... بہر حال جب وہ چلا گیا تو علی جاہ نے کہا۔

"یہ مسئلہ حل ہو گیا اور میرے دوست اب تمہارا کام شروع ہوتا ہے...... تم اس لڑکی کو شیشے میں اتارو، میں اپنی تیز نگاہوں پر پورا یقین رکھتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم اس میں بڑی آسانی سے کامیاب ہو جاؤ گے، بلکہ اب جس وقت وہ آئے گی میں یہاں سے چلا جاؤں گا، تاکہ تم اس سے کھل کر بات چیت کر سکو۔" میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا...... حقیقت یہ ہے کہ زندگی نے کبھی ایسا موقع نہیں دیا تھا کہ حسن و عشق کے کھیل میں

پڑوں...... نینسی بے چاری بھی یاد آتی تھی...... مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ نینسی کے دل میں میرے لئے کیا گنجائش ہے...... لیکن وقت نے اسے موقع نہیں دیا، بہر حال میں اس بارے میں سوچتا رہا، پھر جب ایمن کھانا لے کر آئی تو یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ اس نے خود کو آراستہ کرنے میں بہت اہتمام کیا تھا...... اس کے بال خوب صورت انداز میں بنے ہوئے تھے...... آنکھوں میں کاجل نما کوئی چیز لگی ہوئی تھی...... مجموعی طور پر وہ بے حد حسین نظر آرہی تھی...... میری نگاہوں کے جواب میں اس نے شرمائے ہوئے انداز میں کچھ کہا اور میں اپنی زبان سے اس کا جواب دینے لگا...... حیرت کی بات یہ تھی کہ آنکھوں کی زبان مکمل طور پر سمجھ میں آرہی تھی، لیکن ہم دونوں باتیں کررہے تھے، ایک دوسرے کی باتیں سوچے اور سمجھے بغیر۔

غرضیکہ وقت آگے بڑھنے لگا اور تیسری ملاقات میں ہم لوگ اچھے خاصے ایک دوسرے کے الفاظ سمجھنے لگے، میں نے کہا۔

”ہمیں یہاں سے بہت جلد جانا پڑے گا، کیونکہ اگر پجاری کو ہماری موجودگی کا پتہ چل گیا تو ہماری خیر نہیں ہوگی۔“

”تم فکر مت کرو، میں اسے سنبھال کر رکھوں گی، کسی کو پتہ نہیں چلے گا میرے باپ کو بھی نہیں۔“

”جزیرے کے لوگ پجاری کی بہت عزت کرتے ہیں ناں۔“

”ہاں...... وہ ہمارا دیوتا ہے، پرسوں اس کا جشن ہورہا ہے اور وہ ایک سال کے بعد مندر سے باہر نکلے گا...... جشن رات بھر جاری رہے گا اور صبح سے پہلے ایک نوجوان لڑکی کا انتخاب کرکے وہ ایک سال کے لئے دوبارہ مندر میں چلا جائے گا۔“

”لڑکی کا وہ لوگ کیا کرتے ہیں؟“

”اسے قربان کردیتے ہیں...... ہر سال دیوتا کے قدموں میں کنواری لڑکی کو قربان کیا جاتا ہے اور اس طرح دیوتا خوش ہوجاتا ہے۔“

”ایمن کیا ہم لوگ بھی جشن کو دیکھ سکتے ہیں؟“

”ہرگز نہیں...... اگر پجاری کو تمہاری موجودگی کا پتہ چل گیا تو وہ تمہیں بھسم کردے ...... اس جزیرے پر کوئی اجنبی قدم نہیں رکھ سکتا، وہ تو بس میرے باپ نے تمہیں یہاں چھپالیا ہے۔“

”آہ، جشن کا منظر کتنا دلچسپ ہوتا ہے...... کاش میں بھی قربانی کو اپنی نگاہوں سے دیکھ سکتا۔“

”نہیں قربانی کا منظر کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔“

”کیوں؟“

”اس لئے کہ دیوتا کی مورتی مندر میں ہے اور لڑکی کو مندر کے اندر لے جایا جاتا ہے اور پروہت خود اپنے ہاتھوں سے اسے قربان چڑھاتا ہے، گرباجگت یہ کام اپنے ہاتھوں ہی سے کرتا ہے۔“ میں نے یہ نام دوبارہ اپنے کانوں سے سنا تھا اور اس پر غور کرتا رہا تھا، پھر میں نے لڑکی سے کہا۔

”ایمن جس طرح بھی بن پڑے تم مجھے یہ جشن دکھادو۔“

”آہ...... بڑا مشکل ہوگا یہ لیکن خیر میں تمہارے لئے مقامی لباس لے آؤں گی اور ایسی چیزیں بھی کہ تم ہماری ہی طرح بن جاؤ۔“

پھر سارے کام مکمل ہوگئے...... جشن کی رات آگئی...... پورن ماشی کا چاند آسمان کے درمیان چمکنے لگا...... بلیک ٹیمپل کے سامنے ہزاروں قبائلی جمع تھے جن کے چہرے چاند کی طرح زرد روشنی میں بڑے عجیب لگ رہے تھے...... کوڑیوں کی اور سیپیوں کی مالاؤں سے لدے ہوئے وہ سب مختلف قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھے...... لڑکیوں نے بھی جنگلی پھولوں کے ہار پہن رکھے تھے اور رنگین پروں سے اپنے بالوں کو سنوارا ہوا تھا۔

جس جگہ یہ سب جمع تھے وہاں سے چالیس سیڑھیاں بلیک ٹیمپل کے ایک ایسے حصے کی جانب جاتی تھیں جہاں ایک بڑا سا چبوترہ بنا ہوا تھا...... عمارت بہت ہی قدیم تھی اور انتہائی

ہیبت ناک نظر آ رہی تھی...... بہر حال ہم لوگ قبائیلیوں کے بھیس میں وہاں موجود تھے... سارے کام ایمن نے ہی کئے تھے اور اس تمام کارروائی کی تکمیل کے لئے مجھے ایمن کے ساتھ محبت کا کھیل کھیلنا پڑا تھا، جو میرے لئے بڑا تکلیف دہ عمل تھا، لیکن وہ لڑکی میرے لئے دیوانی ہو گئی تھی اور میں کبھی کبھی یہ سوچتا تھا کہ کتنا بڑا گناہ ہو گا جب میں اسے دھوکہ دے کر یہاں سے واپس جاؤں گا...... بہر حال یہ ہنگامہ آرائی بڑھتی ہی چلی گئی...... مرد ناچ رہے تھے. عورتیں گا رہی تھیں، ہر شخص جشن کی رنگینیوں اور ہنگامہ آرائیوں میں کھو کر رہ گیا تھا۔

پھر آدھی رات گزر گئی...... یکا یک بلیک ٹیمپل کے اندر سے ایک بڑا سا گھنٹہ بجنے کی آواز سنائی دی اور باہر پھیلا ہوا شور ایک دم ختم ہو گیا...... یوں لگا جیسے وہاں موجود انسانوں کو سانپ سونگھ گیا ہو...... ایسا سناٹا طاری ہو گیا جیسے ساری کائنات ختم ہو گئی ہو، پھر وہ سب سجدے میں گر گئے اور کسی گوشے سے ایک پراسرار آواز اُبھری...... ہم لوگ بھی انہی لوگوں کی طرح عمل کر رہے تھے...... میں نے سجدے میں پڑے پڑے علی جاہ سے پوچھا۔

”کیا کہہ رہے ہیں یہ سب لوگ؟“

”یہ سب اپنے مقدس پروہت کو پکار رہے ہیں، اس سے اپنے لئے برکتیں مانگ رہے ہیں۔“

ایک بار پھر گھنٹے کی آواز اسی طرح سنائی دی اور پھر ایک شخص باہر نکلا...... سجدے میں پڑے ہوئے لوگ احترام کے ساتھ کھڑے ہو گئے تھے اور میں نے بھی ادھر دیکھا تھا...... مندر کی سب سے بلند سیڑھی پر شاہانہ اور پروقار انداز میں سفید لبادے میں ملبوس ایک نوجوان برآمد ہوا تھا...... اس نے اپنی زبان میں کچھ کہنا شروع کر دیا تھا...... علی جاہ اس کے الفاظ کی ترجمانی کر رہا تھا...... وہ کہہ رہا تھا۔

”میرے قبیلے کے لوگو! جشن کا آغاز ہو گیا ہے...... قربانی کے لئے لڑکی منتخب کر لی گئی ہے...... اسے تمہارے سامنے رات کو پیش کیا جائے گا...... میں تم لوگوں کو برکتوں کی دعائیں دیتا ہوں۔“

بہر حال یہ کہنے کے بعد وہ واپس مندر میں چلا گیا اور قبائلی بے سدھ ہو کر ناچنے لگے...... ہر طرف ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا، کسی کو ایک دوسرے کا ہوش نہیں تھا...... وہ بے ہنگم آوازوں میں چیخ و پکار کر رہے تھے اور میرا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا...... بہر حال پورا دن اسی ہنگامہ آرائی میں گزرا اور اس کے بعد رات ہو گئی...... یہ رات بھی چاند کی روشنی سے سجی ہوئی تھی ..... اس کے علاوہ چاروں طرف مشعلیں روشن تھیں...... جنگلی پھولوں اور درختوں کی سرسبز ٹہنیوں سے ایک جگہ کو خوب سجایا گیا تھا...... رات کا آغاز ہوا، خوب صورت لڑکیوں کی ایک ٹولی رقص کرنے لگی...... میں نے ان میں ایمن کو بھی دیکھا تھا، وہ کبھی کبھی مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ لیا کرتی تھی...... واقعی اس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے...... پھر اچانک گھنٹہ بجا اور اس آواز کے ساتھ ہی ٹیمپل کا دروازہ کھلا اور سفید لباس میں ملبوس پجاری سیڑھیوں پر نمودار ہو گیا...... اس کا انداز انتہائی باوقار اور شاہانہ تھا اور شعلوں کی روشنی میں اُونچائی پر کھڑا ہوا وہ اس وقت بے حد پراسرار نظر آ رہا تھا...... اس نے سرسری نگاہ ان لوگوں پر ڈالی اور پھر ایک ایک سیڑھی نیچے اترنے لگا اور اس کے بعد اس نے اپنی آواز میں کہنا شروع کر دیا۔

”اور اب وہ عظیم لڑکی تمہارے سامنے آ رہی ہے، قبیلے والو! جس کی آمد موسم بہار کے چاند کی طرح دلفریب اور ستاروں کی روشنی کی طرح تابناک ہے، جس کے سانس میں پھولوں کی خوشبوئیں بسی ہوئی ہیں اور اسے مقدس دیوتا نے اپنی قربانی کے لئے قبول کیا ہے۔“

اس نے یہ جملے ختم کئے تھے کہ ایک جانب سے چار عورتیں آگے بڑھیں اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ ایک لڑکی کو گھسیٹتی ہوئی جھونپڑے سے باہر لے آئیں...... لڑکی ان کی گرفت میں بری طرح مچل رہی تھی، لیکن اسے دیکھ کر میرے پورے وجود میں ایسا خوفناک زلزلہ آیا کہ میں شدت دیوانگی سے پاگل ہو گیا...... یہ جیسیکا تھی جو چیخ چیخ کر انگریزی زبان میں کسی کو مدد کے لئے طلب کر رہی تھی...... میرے ذہن میں ایک دیوانگی پیدا ہو گئی اور پھر اچانک ہی میں نے اس دیوانگی میں ایک ایسا عمل کر ڈالا کہ علی جاہ شدت حیرت سے دیوانہ ہو گیا...... میں

مندر کی سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا اور جنون کے سے عالم میں آگے بڑھ کر میں نے اس بلند و بالا قامت کے مالک پروہت پر حملہ کر دیا...... میرا ایک زوردار گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا اور وہ گرتے گرتے بچا، اسی وقت بے شمار افراد میری جانب دوڑ پڑے...... اس دوران باقی جو کچھ ہوا تھا، مجھے سوچنے سمجھنے کا وقت ہی نہیں ملا تھا...... مجھے تو بس یہ وحشت سوار تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے جیسیکا کو ان کے قبضے سے نکال لوں...... میں تو یہ سمجھا تھا کہ جیسیکا مر گئی ہے، لیکن وہ زندہ تھی اور ان لوگوں کے قبضے میں تھی اور اب وہ سب اسے ختم کرنا چاہتے تھے۔

ناممکن تھا یہ سب کچھ ناممکن تھا...... میری زندگی میں یہ سب کچھ ممکن نہیں ہو سکتا...... میں ان لوگوں سے لڑ رہا تھا اور شاید میں نے بہت سوں کے سینوں میں سوراخ بھی کر دیئے تھے...... میں نہیں جانتا کہ علی جاہ کا کیا ہوا...... دوسرے لوگوں کے ساتھ کیا ہوا، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد میرے ہوش و حواس رخصت ہو گئے تھے۔

اس کے بعد ہوش آیا تو بس یہی سوچا کہ مر چکا ہوں اور کسی نیکی کے صلے میں جنت مل گئی ہے...... بے حد خوب صورت جگہ تھی...... ایک عظیم الشان محل نما جگہ جہاں ایک عالی شان بستر پر میں دراز تھا...... ہر طرف رنگین پردے لہرا رہے تھے...... ایک ٹھنڈی اور پراسرار روشنی پھیلی ہوئی تھی...... پھر اچانک دو خوب صورت لڑکیاں کہیں سے نمودار ہوئیں۔ یہ مقامی تھیں اور مسکراتی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں...... ایمن کے ساتھ وقت گزار کر میں تھوڑی بہت مقامی زبان سیکھ گیا تھا...... میں نے اسی کا سہارا لے کر لڑکیوں سے پوچھا کہ میں کہاں ہوں۔

"آپ ہماری عبادت گاہ میں ہیں اور ہمارے مالک کے مہمان ہیں...... لڑکیوں نے جواب دیا، مجھے شدید حیرت ہوئی تھی، لیکن پھر حیرتوں کے دائرے وسیع تر ہوتے گئے...... یہاں میری خوب خاطر مدارت کی جا رہی تھی...... یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ میں بلیک ٹیمپل میں ہوں...... گزری ہوئی باتیں بھی یاد آ گئی تھیں...... سب سے حیران کن بات یہی تھی کہ جو کچھ ہوا تھا اس کے نتیجے میں تو میری تکہ بوٹی ہو جانی چاہئے تھی...... اس کے برعکس یہ

خاطر مدارت ہو رہی تھی، کہیں ایسا تو نہیں کہ قربانی کا بکرا تیار کیا جا رہا ہو۔

لیکن پھر یہ حیرت رفع ہو گئی...... یہاں قید ہوئے تین دن گزرے تھے کہ ایک شخص مجھ سے ملنے آیا...... ایک دم یہ شکل جانی پہچانی لگی...... پھر مجھے یاد آ گیا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا تھا...... ارجن سنگھ تھا اور کشمیر کے قیدیوں کے کیمپ میں کچھ عرصہ میرے ساتھ رہا تھا...... وہ بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ملا اور پرجوش لہجے میں کہنے لگا۔

"پہچانا بھائی جی...... کیمپ میں ہماری ملاقات ہوئی تھی۔"

"اور تمہارا نام ارجن سنگھ ہے۔"

"اٹھو بھائی جی...... خوب نام یاد رکھا...... بڑی بات ہے بھئی...... او مگر تم نکل گئے...... تم نے تو ہلچل مچا دی اور بہت سوں کے راستے کھول دیئے...... اصل میں کیمپ والوں کا دعویٰ تھا کہ وہاں سے کوئی نہیں نکل سکتا...... کیا تم نے اس دعوے کی پول کھول دی...... اس کے بعد ہمت کرنے والوں نے ہمت کر لی...... بہت سے نکل گئے...... میں نے بھی اتفاق سے وہی راستہ اختیار کیا جو تم نے...... دریائے مولیا نے مجھے بھی سمندر میں لا پھینکا اور سمندر نے مجھے یہاں پہنچا دیا...... تم بھی مولیا کے راستے یہاں تک پہنچے ہو ناں۔

میرے فرشتے بھی مولیا کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے...... میں نے ارجن سنگھ کی ہاں میں ہاں ملائی پھر پوچھا۔

"لیکن ارجن سنگھ تم یہاں کیسے۔"

"لمبی کہانی ہے...... بس یوں سمجھ لو کیمپ سے فرار ہوئے تو دریا نے سمندر میں پھینک دیا اور سمندر کی لہروں نے یہاں نکال دیا...... اور یہاں اپنے یار کی حکومت ہے۔

"یار کی حکومت...... میں نے شدید حیرت سے پوچھا۔"

"لاگھو چوہان...... تم نے نام نہیں سنا ہو گا لیکن بہت سے جانتے ہیں، کوئی بارہ سال پہلے میں اور لاگھو لندن کے مکدرو کے گروہ میں تھے اور دنیا بھر میں ڈاکے ڈالتے تھے...... لاگھو نے مکدرو کو چوٹ دی اور مکدرو اس کا دشمن بن گیا...... تب لاگھو کو کسی طرح یہاں کے بارے

میں معلوم ہو گیا...... بلیک ٹیمپل ایک روایتی جگہ ہے...... ایک چالاک خاندان یہاں
بھولے بھالے قبائلیوں پر حکومت کرتا آیا ہے اور کچھ خاص روایات کے تحت صدیوں
اسی خاندان کے لوگ بلیک ٹیمپل کے پروہت ہی رہتے ہیں...... ہر سال قربانی کے نام
لڑکی حاصل کی جاتی ہے اور سال بھر عیاشی کر کے اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے...... اس عیا
کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہوتی ہے اس میں سے ایک لڑکے کو آگے کی نسل کے پجاری
حیثیت سے زندہ رکھا جاتا ہے...... باقی بچوں کو ہلاک کر دیا جاتا ہے...... لاگھو کو یہ داستا
معلوم ہوئی تو اس نے یہاں گھس کر نئے پجاری کی چھٹی کر دی اور خود اس کی جگہ سنبھال
میں یہاں پہنچا تو مجھے گرفتار کر کے پروہت کے سامنے پیش کیا گیا، مگر وہ لاگھو نکلا...... م
جگری یار...... بس سمجھ لو کیا ہوا ہو گا...... پھر میں نے تمہیں دیکھا...... مگر تمہیں کیا ہوا تھا۔

''یار وہ لڑکی میری دوست تھی...... یوں سمجھو میری وجہ سے وہ مصیبت میں پڑی تھ

''اوہ...... ویری گڈ...... اس نے خودکشی کر لی، حالانکہ لاگھو نے اسے کچھ دن کے
واپس بھجوانے کا فیصلہ کیا تھا، لیکن لڑکی صبر نہ کر سکی، اس نے اسی رات خودکشی کر لی۔

جیسیکا کی موت کی خبر سن کر میرا دل خون کے آنسو رویا، لیکن میں نے خود پر قابو
تھا...... پھر میں نے اپنے بچ جانے کے بارے میں پوچھا تو ارجن سنگھ نے بتایا کہ اس نے
دیکھا تھا...... اس نے کہا۔ ''ویسے بھی لاگھو ان معاملات میں اتنا سخت نہیں ہے...... و
صرف مکدرو سے بچنے کے لئے یہاں چھپا ہوا ہے، کیونکہ اس نے مکدرو کو زبردست چو
دی ہے...... بس یہاں کی روایات کے تحت پجاری بن کر وہ کئی سال سے عیش کر رہا ہے
مکدرو کا خطرہ دور ہو جائے گا تو وہ نکل جائے گا۔

''میرے بارے میں کیا پروگرام ہے۔''

''جب چاہو یہاں سے جا سکتے ہو...... تمہیں کون روکے گا۔'' ارجن نے کہا۔

پھر ارجن نے خاموشی سے مجھے ہنورا بھجوا دیا...... جیسیکا کی موت کی تصدیق ہو
تھی...... علی جاہ کے بارے میں مجھے اطمینان تھا کہ وہ قبائلی سردار ویرائن کی مدد سے نک

جائے گا اور ویسے بھی اب اس سے میرا کوئی کام نہیں تھا...... لیکن ہنورا کے ایک ہوٹل میں
سیما کو دیکھ کر میں چونک پڑا تھا۔

''ہریش جی تمہاری طرف سے غافل نہیں تھے، دیپک...... چنانچہ جیسے ہی تمہیں ہنورا
میں دیکھا گیا، مجھے یہاں بھیج دیا گیا، کیونکہ ایک اور مسئلہ درپیش ہو گیا۔''

''وہ کیا۔''

''ایک اور دشمن تمہاری خبر پا گیا ہے...... اس سے تمہارا بہت پرانا جھگڑا چل رہا ہے۔''

''میرا جھگڑا۔''

''ہاں...... سیما پر تشویش لہجے میں بولی اور پھر اس نے مجھے ایک پراسرار اور سنسنی خیز
کہانی سنائی اور میں چکرا کر رہ گیا...... الٰہی یہ ساری دنیا کے ہنگامے میرے ہی سر کیوں لگ گئے
ہیں...... میں نے سیما سے پوچھا۔''

''مسٹر ہریش کو بلیک ٹیمپل کی تفصیل کیوں درکار تھی۔

''کسی کے لئے...... ہماری تنظیم نے ایک بھاری رقم کے عوض یہ کام کیا ہے۔''

''کس کے لئے...... اور اس سے کسی کو کیا فائدہ ہوا۔

''شاید مسٹر مکدرو لاگھو چوہان کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے...... سیما نے کہا اور
میں دم بخود رہ گیا...... لاگھو سے میری کوئی دوستی نہ تھی نہ ہی ارجن سنگھ سے کوئی تعلق تھا،
بستی مراد کا ایک دیہاتی نوجوان تقدیر کے تھپیڑوں سے ریزہ ریزہ نہ جانے کہاں کہاں پھینک
دیا گیا اور بات ختم ہونے کو نہ آئی تھی، وہ کون تھے اور انہوں نے کیوں مجھے اغوا کیا تھا، مجھے
کچھ معلوم نہیں تھا...... سیما اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں تھی اور میں دوسرے کمرے میں
گیا تھا کہ کسی نے مجھے زخمی کیا اور اس کے بعد ہوش آیا تو میں سمندر کی لہروں کے رحم و کرم
پر تھا...... کسی نے ایک قدرتی کہانی کا آغاز کر دیا تھا۔

سمندر کی لہریں میرے بدن سے کھیلتی ہوئی نجانے کہاں سے کہاں آئیں...... نجانے
کتنا وقت گزرا، ہوش آیا تو اپنے گرد بے شمار آوازیں پھیلی ہوئی سنائی دی تھیں...... میرے سر

پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور میں کسی نرم چیز پر لیٹا ہوا تھا۔

احساس ہوا ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے نہیں تھے، بلکہ آزاد تھے...... بے یقینی کے اند
میں اِدھر اُدھر گردن گھمانے لگا، تب میری نگاہ ایک دراز قامت عورت پر پڑی۔

خالص مشرقی انداز کی عورت تھی...... سفید رنگ کی ساڑھی میں ملبوس مانگ میں
سیندور بھرا ہوا چہرہ، نہایت سادہ اور پاکیزہ عمر تقریباً پینتالیس پچاس سال کے قریب
ہوگی...... وہ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھی، مجھے آنکھیں کھولتے ہوئے دیکھ کر
دیوانہ وار اپنی جگہ سے اُٹھی اور میرے پاس آگئی۔

"شام...... میرا شام ہوش میں آگیا...... ارے سنتے ہو لالہ جی...... میرا شام ہوش میں
آگیا، لالہ جی...... ارے کہاں مر گئے تم سب، ارے جلدی آؤ، جلدی آؤ...... شام کو ہوش
آگیا۔" وہ چیخنے لگی اور اس نے میرا سر اپنے سینے سے لگالیا۔

ممتا کا ایک ہی رُوپ ہوتا ہے...... صرف ایک ہی رُوپ اور ممتا بھرے سینے کا لمس
جگہ یکساں ہوتا ہے...... یہ لمس شاید کبھی بچپن میں ملا ہو، لیکن اس کے بعد کبھی اس کا اندا
نہیں رہا تھا...... اس لمس نے میرے اندر ان گنت بے چینیاں جگادیں...... میرے رخسارو
پر اس معمر عورت کے آنسو ٹپک رہے تھے اور اس کی سسکیاں مجھے بے چین کر رہی تھیں
نجانے کیوں میری جلتی ہوئی آنکھوں کی کوریں بھی بھیگ گئیں اور طویل عرصے کے
مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری جلن اور تپش میری آنکھوں کے راستے باہر نکل رہی ہو۔

میرے دل کی گہرائیوں میں ایک نمی سی اُبھری...... ایک عجیب سی کیفیت میرے
میں پیدا ہوگئی...... معمر عورت کی آنکھوں کا سیل رواں میری آنکھوں کو بھگو رہا تھا
میرے دل میں میٹھی میٹھی کسک سی ہو رہی تھی...... ایک لمحے کے لئے مجھ کو یوں محسوس
جیسے میرے قرب وجوار میں خوشبوئیں اُٹھ رہی ہوں اور ایک چھوٹی سی ننھی سی جھونپ
میں میری ماں میرا سر آغوش میں لئے بیٹھی ہو...... دریا کے سوندے سوندے پانی کی ہلکی
بوان آنسوؤں میں رچی ہوئی ہو اور مجھے سکون بخش رہی ہو۔

ممتا بھری آغوش میں مجھے جو سکون محسوس ہوا میرا جی چاہا کہ اس کے بعد کی بقیہ
زندگی اسی آغوش میں گزر جائے...... اس نے مجھے شام کہہ کر لپٹایا تھا، اس سے کچھ کچھ اندازہ
بھی ہو رہا تھا کہ وہ میرے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہے اور مجھے اپنا شام سمجھ بیٹھی
ہے...... پتہ نہیں کیوں اسے یہ احساس ہوا تھا، میں سمجھ نہیں پا رہا تھا، لیکن قسمت کی ستم
ظریفی پر حیران ضرور ہوا تھا...... زندگی کس قدر دھوکے باز ہوتی ہے...... انسان کو کیسے کیسے
فریب دیتی ہے اور انسان کتنی معصومیت اور بے بسی سے یہ فریب کھاتا رہتا ہے...... میری
زندگی میں بے شمار موڑ آئے تھے، نجانے کیا کچھ ملا تھا مجھے، اتنا کچھ تھا کہ اب تو ان کرداروں
کے نام بھی یاد نہیں رہے تھے، جو مجھ میں آکر ختم ہوگئے تھے، لیکن ایسا کردار، ایسا کردار
میری زندگی میں کبھی نہیں آیا تھا...... میرا ذہن فیصلے کر رہا تھا، لمحوں میں، میں سوچ رہا تھا کہ
اب مجھے کیا کرنا چاہئے...... میں اس آغوش سے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا، یہ میری ایک ایسی
تڑپ بن گئی تھی جسے میں فریب اور دھوکے سے بھی جاری رکھنا چاہتا تھا، اب میرے لئے یہ
ممکن نہیں تھا کہ میں اپنی مرضی سے اس آغوش کو چھوڑ دوں...... ہاں اگر تقدیر کچھ نئی راہیں
دکھائے تو دوسری بات ہے۔

کچھ لوگ دوڑتے ہوئے اندر آگئے...... میری نگاہیں ان کا جائزہ نہیں لے رہی تھیں،
کیونکہ معمر عورت نے میرا سر اپنے سینے میں چھپایا ہوا تھا...... زخمی دل پرانے زخموں سے
تڑپ رہا تھا، ایک سہارا ملا اور وہ بھی ماں کے روپ میں، تو مجھے یہ احساس ہوا کہ میں بھی اسی
زمین کا انسان ہوں...... پتہ نہیں یہ لوگ کب مجھے اپنے آپ سے جدا کردیں گے...... زندگی
کی تڑپ ہمیشہ ہی دل میں باقی رہ جائے گی، میں نے آہستہ سے اس معمر عورت کے بدن سے
اپنے آپ کو الگ کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے سمندر نظر آرہے تھے...... اس کے
رُخساروں پر موتیوں کی قطاریں بہہ رہی تھیں۔

"شام...... میرے شام۔" بھرائی ہوئی آواز میرے دل میں اُتر گئی اور میں نے ڈبڈبائی
آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"ماں۔" میں نے بے قابو ہوتے ہوئے کہا اور ایک بار پھر اس نے میری گردن میں
اپنی بانہیں ڈال دیں...... آنے والوں میں سے ایک معمر شخص تھا جو خاصا پر رعب نظر آ
تھا...... ہندو ہی معلوم ہوتا تھا۔

کچھ اور لوگ بھی تھے جن میں دو نوجوان اور دو لڑکیاں بھی تھیں...... کل چھ افرا
تھے، جنہیں میں نے ایک ایک کر کے بغور دیکھا...... معمر عورت نے میری طرف دیکھ
اُدھیڑ عمر شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اپنے بابا کے سینے سے نہیں لگو گے...... یہ تمہارے بابا ہیں...... کہاں گم ہو گئے تھے
تم...... کیا ہو گیا تھا، کچھ تو بتاؤ کچھ تو ہمیں پتہ چلے۔"

میں خاموشی سے بوڑھے کو دیکھتا رہا...... بوڑھے کے چہرے پر بھی زلزلے کے آثا
نظر آ رہے تھے...... سب ہی کی کیفیتیں عجیب ہو گئی تھیں...... اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر
آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہے بھگوان...... ہے بھگوان تیری لیلا نیاری ہے۔" اس کے بعد بوڑھے نے بھی
مجھے اپنے سینے سے بھینچ لیا...... پھر معمر عورت بولی۔

"لالہ جی...... اب اسے آرام کرنے دو...... سر کا زخم بڑا گہرا ہے، آرام کرنے دو او
سن، تو سن، پوجا جا جلدی سے گرم دودھ لے آ...... میرا بیٹا دودھ پیئے گا۔" ایک جوان لڑکی
باہر نکل گئی اور تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑا گلاس لئے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔

گلاس میرے ہونٹوں سے لگا دیا گیا...... بھوک لگ رہی تھی...... اس لئے اس وقت اس
غذا کو غنیمت جانا اور گلاس پینے کے بعد اپنی جگہ لیٹ گیا۔

بوڑھی عورت اپنی ساڑھی کے پلو سے میری پیشانی پر ہلکا ہلکا مساج کرنے لگی اور
نجانے کیا لمس تھا اس مساج میں کہ میری پلکیں خود بخود ایک دوسرے سے جڑ گئیں...... شا
میں گہری نیند سو گیا تھا۔

پتہ نہیں یہ نیند تھی یا گہری بے ہوشی، کیونکہ ان حالات میں جب ذہن کے لئے کو

ون نہ ہو...... نیند کا تصور بڑا عجیب ہوتا ہے، لیکن میں تھوڑی ہی دیر کے بعد گہری نیند
گیا تھا اور بے خبری کا یہ عرصہ نجانے کتنا طویل رہا...... اس کے بعد مجھے ہوش آ گیا، لیکن
ش میں آنے کے بعد بھی ذہن میں ایک عجیب سی سنسناہٹ رہی تھی...... میں نے
نکھوں میں تھوڑی سی درز پیدا کر کے اطراف کے ماحول کو دیکھا اور مجھے سب کچھ یاد
یا...... ان لوگوں نے مجھے شام کے نام سے پکارا تھا...... میں زخمی ہونے کے بعد نجانے کتنا
ویل سفر کر کے، نجانے کہاں پہنچا تھا...... ویسے قرائن سے یہ جگہ کوئی تیرتھ یاترا ہی معلوم
وتی تھی، لیکن ان لوگوں کے الفاظ، ان کا انداز مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا...... یہ
سوس ہوتا تھا...... جیسے یہ خاندان اپنے کسی بچھڑے ہوئے کی تلاش میں سرگرداں ہو اور
یری شکل میں انہیں بچھڑا ہوا بیٹا مل گیا ہو...... ان کے نام بھی میرے ذہن میں آہستہ
ہستہ آ رہے تھے...... میں آنکھیں بند کئے ان کے بارے میں سوچتا رہا، اب کیا کروں مجھے کیا
رنا چاہئے...... یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ یہ خاندان کون ہے اور اس کے مسائل کیا ہیں......
ر خود کو اس خاندان میں ضم کرنے کی کوشش کروں تو ممکن ہے، وقتی طور پر کچھ آسانیاں
راہم ہو جائیں اور میں اپنے لئے کوئی بہتر راہ سوچ سکوں۔

موجودہ صورت حال تو دوسری تھی...... اس خاندان کو مطمئن کرنے کے لئے مجھے کیا
رنا چاہئے...... کیا میں اس بات کا اعتراف کر لوں کہ میرا ہی نام شام ہے اور اگر میں اس بات
کا اعتراف کر لوں تو مجھے کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں...... تھوڑی دیر غور و خوض کرنے کے
بعد میں نے یہی سوچا کہ ان کی بات مان لینی چاہئے، لیکن اپنے آپ کو ان حالات میں ضم کرنا
ذرا مشکل ہی ہے...... کم از کم اس وقت تک جب تک صورت حال کا صحیح طور سے اندازہ نہ
ہو جائے اور اس بات کا پتہ نہ چل جائے کہ قصہ کیا ہے۔

بہر طور ان باتوں پر غور کر لینے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اب مجھے ہوش میں آ جانا
چاہئے...... چاروں طرف جھٹپٹا سا پھیل چکا تھا...... دور کہیں سے مندروں کی گھنٹیاں بجنے کی
آوازیں سنائی دے رہی تھیں...... میں ایک انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا۔

وہ سب میرے اِرد گرد جمع تھے...... تھوڑی دیر تک میں خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا پھر معمر عورت میرے پاس آگئی۔

"بیٹا شام کچھ کھا پی لو، پتہ نہیں کب سے بھوکے ہو سر کی چوٹ کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے ماں۔" میں نے جواب دیا۔

"بیٹھو بیٹھو...... اری پوجا، او کرشمہ کچھ لے کر تو آ بھیا کے لئے...... دیکھتی نہیں کہ کمزور ہو رہا ہے۔" تھوڑی دیر کے بعد تھالی میں میرے سامنے کھانا رکھ دیا گیا...... نہایت عمدہ اور لذیذ کھانا تھا...... میں نے کھانا کھایا، معمر عورت خود ہی مجھے اپنے ہاتھوں سے کھلا رہی تھی۔

کھانا کھاتے ہوئے میں یہ سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں ان بے چاروں کا اور میرا ساتھ کب تک ہے...... بہر طور ان کی کہانی جاننے کی خواہش میرے دل میں بھی پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ میں سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا، کھانا ختم ہو چکا تھا۔

"بتائے گا نہیں بیٹا...... کہاں چلا گیا تھا تو ہمیں چھوڑ کر کہاں چلا گیا تھا؟"

"ماں مجھے کچھ یاد نہیں...... مجھے کچھ یاد نہیں آتا...... غور کرتا ہوں تو میرے سر میں تکلیف ہونے لگتی ہے۔" میں نے کرب زدہ انداز میں کہا اور معمر عورت کے قریب ہی بیٹھا ہوا شخص تڑپ اُٹھا...... شاید وہ اس عورت کا شوہر تھا اور شام کا باپ اس نے کہا۔

"ارے رہنے دو نا کرن کور، کیوں خواہ مخواہ کی باتیں کرتی ہو...... ابھی اتنی جلدی کیا ہے...... تم دیکھو نا تم یاترا پر آئی تھیں...... تم نے منت مانی تھی، اب پوجا پاٹ کرو تمہارا بیٹا تمہیں مل گیا ہے۔"

"ہاں بھگوان تیری کرپا ہے...... مجھے میرا بیٹا مل گیا ہے۔"

"مگر ماں میں گم کہاں ہو گیا تھا۔" میں نے سوال کیا۔

"ہم کیا جانیں بیٹا...... بس تو ناراض ہو کر گھر سے چلا گیا تھا...... اس کے بعد سے تو پتہ ہی نہ مل سکا کہاں...... کہاں نہ تلاش کیا ہم نے تجھے...... بڑی بڑی منتیں مانیں، یہاں بھی

یاترا پر آئے تھے اور بھگوان نے ہماری سن لی۔" معمر عورت نے کہا اور میں حیرت اور افسوس سے سوچنے لگا کہ کیا بھگوان نے واقعی اس کی سن لی ہے...... کہاں سنی ہے بھگوان نے اس کی، بھلا میری زندگی کا کیا ٹھکانہ، کب تک ان کے ساتھ ہوں اور کب یہاں سے کہیں چلا جاؤں گا، کوئی اندازہ نہیں تھا۔

بہر طور رات ہو گئی اور ان لوگوں نے یونہی مجھے محبتوں کی آغوش میں سلا دیا، چونکہ کافی نیند بھر کے سو چکا تھا، اس لئے کوئی خاص نیند نہیں آ رہی تھی۔

میں بہت دیر تک جاگتا رہا...... پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا...... میں نے سونے کی بہت کوشش کی اور ایک ہلکی سی غنودگی مجھ پر طاری ہو گئی...... نجانے کتنی دیر گزری تھی کہ دفعتاً میرے کانوں سے ایک دلدوز چیخ ٹکرائی۔

اس نسوانی چیخ نے میرے بدن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا...... میں اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پہلے تو صورت حال میری سمجھ میں نہیں آئی، کیونکہ میری آنکھیں کسی قدر خمار آلود ہو گئیں، اطراف میں تیز چاندنی پھیلی ہوئی تھی...... پھر میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا اور میری آنکھیں ایک شخص پر جم گئیں۔

"یہ سادھو ہی کے لباس میں تھا، لیکن اس کے ہاتھ میں ایک ریوالور نظر آ رہا تھا اور ریوالور کی نال بوڑھے گووند لعل کی جانب اُٹھی ہوئی تھی...... یہ منظر میرے لئے انتہائی تعجب خیز تھا...... گووند لعل کھڑے تھر تھر کانپ رہے تھے۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ اس سادھو کے کچھ اور ساتھی تو اِدھر اُدھر چھپے ہوئے نہیں ہیں...... میں نے دیکھا کہ وہ تنہا نہیں تھا، اس کے ساتھ کم و بیش سات آدمی تھے...... سارے کے سارے سادھوؤں کے لباس میں تھے اور مختلف سمتوں میں کھڑے ہوئے تھے۔

ان کے آس پاس کچھ چٹانیں بھی تھیں اور ان میں سے ایک درخت کی آڑ میں کھڑا تھا...... بہر طور وہ شخص جو گووند لعل پر پستول تانے کھڑا ہوا تھا...... کافی خطرناک صورت کا

مالک نظر آتا تھا...... گٹھا ہوا سر، بڑی بڑی مونچھیں اور کڑی آنکھیں...... میری سمجھ میں یہ صورت حال نہیں آئی، میں گووند لعل کے خاندان کو جو کچھ سمجھا تھا یہاں تو اس کا کچھ مختلف معاملہ نظر آتا تھا...... بہر طور میں غیر محسوس انداز میں آگے بڑھنے لگا اور پستول والا سادھو چونک کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

”اے تو اپنی جگہ کھڑا رہ...... ورنہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔“ سادھو نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا، لیکن جونہی میں نے ایک قدم آگے بڑھایا، اس نے فائر جھونک دیا۔

گولی کی آواز دُور تک گونج اُٹھی تھی اور مجھے اپنے پیروں سے تھوڑے فاصلے پر مٹی اُڑتی نظر آئی، میں وہیں رُک گیا جہاں تھا...... اس کا مطلب تھا کہ مزید میری کوئی کوشش میری موت کا سبب بھی بن سکتی تھی...... دل کی دھڑکنیں کچھ بے ترتیب سی ہو گئی تھیں...... گووند لعل کے خاندان والے اس فائر کی آواز سے جاگ اُٹھے اور خوفزدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے، ان کے چہروں پر بھیانک خوف پھیلا ہوا تھا...... تب ریوالور والے نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”گووند لعل...... کب تک چھپتے رہو گے، ہم سے اب بولو کیا فیصلہ کیا ہے تم نے۔“

”تت تم...... تم کون ہو...... میں تمہیں نہیں جانتا۔“ گووند لعل نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

”جاننا ضروری ہے لالہ جی...... ہاں یا نہیں میں جواب دو۔“

”میں نے...... میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا...... آخر تم کون ہو۔“ گووند لعل جی آہستہ آہستہ اپنے خوف پر قابو پاتے جا رہے تھے۔

”دیکھو گووند لعل جی زندگی بڑی قیمتی چیز ہوتی ہے...... اگر اِدھر اُدھر کی باتیں کیں تو میرے لئے تمہیں مار دینا مشکل نہیں ہو گا۔“ اس نے پستول والا ہاتھ سیدھا کر لیا۔

”آخر تم چاہتے کیا ہو۔“ معمر عورت نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور آگے بڑھ آئی۔

”کیا تم ڈاکو ہو...... لوٹنا چاہتے ہو ہمیں...... ہائے رام رام...... رام سادھو کے بھیس میں ڈاکو، بھگوان کے لئے اپنا یہ چولہ تو اتار دو...... اس چولے کی آڑ میں تم دھرم کو بدنام

رہے ہو۔“ پستول والے سادھو نے بھیانک قہقہہ لگایا...... وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور رن کور کے سامنے آ کھڑا ہوا، اس کے انداز میں بے حد شیطنیت تھی اور یہ عورت جس نے چند لمحات کے لئے مجھے ماں کا سکون دیا تھا، میرے لئے بہت بڑی حیثیت اختیار کر گئی تھی اور میں اس کی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا...... دل کے گوشوں میں چھپی ہوئی چند آرزوئیں زندہ ہو گئی تھیں اور ماں کے رُوپ میں اس عورت کا احترام میرے دل کی گہرائیوں میں اُتر چکا تھا۔

میں نے ایک لمحے میں اس ریوالور والے شخص کو سبق دینے کا فیصلہ کیا، لیکن پھر مجھے احساس ہوا کہ اس کے اطراف میں پھیلے ہوئے لوگ دوسرے ہی لمحے مجھے زخمی کر دیں گے۔ اگر میں اس وقت کوئی جذباتی اقدام کر لیتا تو اس کے نتیجے میں فوری موت میرا مقدر بن جاتی، لیکن وہ بد بخت سادھو آگے بڑھا اور کرن کور کے پاس پہنچ گیا، جو میری ماں کی حیثیت رکھتی تھی۔

”بڑھیا فضول باتوں سے گریز کر، ورنہ۔“

”ورنہ کیا پاپیو! کم از کم اس شبھ لباس کو تو بدنام نہ کرو...... ڈاکو لٹیرو۔“ بوڑھی غرائی اور اسی وقت ریوالور والے کا ہاتھ اس کے جبڑے پر پڑا، وہ ایک تیز چیخ کے ساتھ اُلٹ کر گر گئی۔

میرا خون کھول اُٹھا تھا، لیکن صورت حال ایسی تھی کہ میں کوئی فوری قدم نہیں اُٹھا سکتا تھا...... ابھی تک تو میرے ذہن میں یہی خیال تھا کہ ممکن ہے یہ ریوالور والا اور اس کے ساتھی۔“ میرے لئے یہاں پہنچے ہوں لیکن اب قرائن سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ بوڑھا گووند لعل خود کسی مصیبت کا شکار تھا...... میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں! کرن کور تھپڑ کھانے کے بعد پستول والے کی جانب بڑھی...... انداز سے ہی یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے وہ پستول کی پرواہ کئے بغیر اس پر حملہ کر دے گی، لیکن اس شخص نے چند قدم پیچھے ہٹ کر پوری قوت سے اپنا پاؤں کرن کور کے پیٹ پر مارا اور وہ ہائے رام کہہ کر نیچے گر پڑی...... وہ تکلیف سے تڑپ رہی تھی، لیکن کم بخت پستول بردار نے آگے بڑھ کر اپنا پاؤں پوری قوت

سے اس کی پسلیوں پر رکھ دیا۔

ایک لمحے کے لئے میرا دم گھٹنے لگا تھا...... سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں...... زندگی کی بازی لگا کر ان لوگوں پر ٹوٹ پڑوں یا مصلحت سے کام لوں، لیکن سینے میں چھپے ہوئے جذبوں نے سکون نہ لینے دیا اور میں نے چھلانگ لگا دی...... جب میں ریت پر گرا تو کئی گولیاں میرے آس پاس ٹکرائیں، اس کے ساتھ ساتھ ہی کچھ چیخیں بھی سنائی دی تھیں...... میں ریوالور والے کے نزدیک پہنچ گیا تھا، لیکن مجھے اُٹھنے کی مہلت نہیں ملی، کیونکہ وہ شخص میرے اندازے سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا تھا...... اس کا پاؤں میرے پیٹ پر جم گیا اور اس قوت سے اس نے اپنے جوتے کی ایڑی میرے پیٹ پر گھمائی کہ میں بل کھا کر رہ گیا...... بے پناہ طاقتور آدمی تھا اور اس کے پاؤں کا وزن ناقابل برداشت تھا، لیکن اس دوران میں سمجھ چکا تھا کہ صورت حال بالکل تبدیل ہو گئی ہے...... یقینی طور پر چلی ہوئی گولیوں نے ان لوگوں کو زخمی یا ہلاک کر دیا ہے...... مجھ سے کچھ فاصلے پر ہی کرن کور خون میں لت پت تڑپ رہی تھی، اس کے بدن میں کئی گولیاں پیوست ہو گئی تھیں اور اس پر تشنجی کیفیت طاری تھی۔

میں نے اس کے پاؤں کو پکڑ کر اپنے پیٹ پر سے ہٹانے کی کوشش کی اور پھر اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا...... میں نے اسے پوری طاقت سے گھمایا اور وہ شخص گھوم گیا، لیکن اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر گولیاں برسائی گئی تھیں...... اب مجھ پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی اور میں بھول گیا تھا کہ میرے اطراف میں کیا کچھ ہے...... میں نے اُٹھنے کی دیوانہ وار کوشش کی، لیکن دوسرے لمحے مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا...... کسی نے رائفل کا بٹ میرے سر پر دے مارا تھا...... میں نے فضا میں ہاتھ پاؤں مار کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، لیکن نہ سنبھال سکا...... تاریکی میرے اطراف میں پھیلتی گئی، کیونکہ سر پر پہلے ہی زخم تھا اور اسی زخم پر دوبارہ ضرب پڑی تھی...... اس لئے فوراً ہی مجھے بے ہوش ہونے کے لئے کوئی دقت نہیں ہوئی۔

بہر طور نجانے کب تک بے ہوش رہا...... اس کے بعد پھر ہوش آ گیا...... میں نے

آسمان کی طرف دیکھا...... میرا ذہن میرا ساتھ نہیں دے پا رہا تھا...... نجانے کب تک میں اسی طرح لیٹا رہا اور اس کے بعد میری ذہنی قوتیں آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگیں...... آسمان کی وسعتوں میں پرندے پرواز کر رہے تھے...... ہر فکر، ہر غم سے بے نیاز پنچھی، جن کی اُڑان میں کوئی کمزوری نہیں تھی...... یہ معصوم پرندے جو بظاہر چند لمحات کی زندگی لے کر آتے ہیں اور اس کے بعد موت کی آغوش میں جا سوتے ہیں...... کس قدر آزاد اور بے فکر ہیں...... انسان اس زمین پر سب سے مضبوط مخلوق ہے، لیکن اس کی ذات کے لئے، کتنی اُلجھنیں، کتنی مصیبتیں، متعین کر دی گئی ہیں، کاش میں ایک چھوٹا سا ننھا سا پرندہ ہوتا۔

ذہن انہی سوچوں میں گم رہا اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے گزرے ہوئے واقعات یاد آئے جنہیں یاد کر کے میں چونک کر اُٹھ بیٹھا...... سر میں بڑی زور کا چکر آیا تھا، لیکن حالات ایسے ہی تھے کہ مجھے اُٹھنا تھا، میں نے اُٹھ کر اطراف کے ماحول کو دیکھا اور میری آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں...... میرے اِرد گرد لاشیں بکھری ہوئی تھیں...... کرن کور کی لاش، گووند لعل کی لاش اور ان دو نوجوانوں کی لاشیں، قریب ہی ان میں سے ایک لڑکی کی لاش پڑی ہوئی تھی، جو اس خاندان کی دو لڑکیوں میں سے ایک تھی...... اطراف میں نگاہیں گھما کر میں نے دوسری لڑکی کو تلاش کیا...... شاید وہ جس کا نام پوجا کہہ کر پکارا گیا لیکن وہ مجھے نظر نہ آئی...... یہ مظلوم خاندان یہ بدنصیب خاندان ابھی چند لمحات قبل ہی تو مجھ سے روشناس ہوا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کس طرح اپنے آپ کو ان سے چھپاؤں، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے وہ خود ہی میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے۔

دوسری لڑکی کی لاش...... میں نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں اور میرے ذہن میں معاً یہ خیال اُبھرا کہ کہیں وہ کم بخت سادھو اسے اُٹھا کر نہ لے گئے ہوں...... اپنی حالت خود ہی خراب تھی، اس وقت جذبہ انتقام یا جذبہ جوش کام نہیں دے سکتا تھا، چنانچہ میں نے ہوش و حواس کو سنبھال کر اس کی تلاش شروع کر دی اور دفعتاً مجھے زمین پر کوئی چیز نظر آئی۔

یہ ایک لمبی لکیر تھی، جو مٹی میں کسی کے گھسٹنے کی وجہ سے بن گئی تھی اور یہ لکیر
درختوں کی جھنڈ میں جاکر غائب ہو جاتی تھی...... میں نے اس لکیر پر خون کے دھبے بھی
پڑے ہوئے دیکھے تھے اور معاً میرے ذہن میں خیال اُبھرا کہ ممکن ہے پوجا یہاں سے گھسٹتی
ہوئی درختوں کے اس جھنڈ کی جانب گئی ہو، اپنی جان بچانے کے لئے، چنانچہ میں آہستہ
آہستہ اس لکیر کے سہارے جھنڈ کی جانب بڑھنے لگا۔

جب میں جھنڈ میں پہنچا تو مجھے درختوں اور گھاس کے درمیان ایک پاؤں باہر نکلا ہوا
نظر آیا...... گورا سا خوب صورت یقیناً یہ پوجا ہی تھی۔

میں بے اختیار اندر گھس گیا اور پھر میں نے اس کے بدن کو اُٹھا کر اپنی آغوش میں لے
لیا...... وہ بے ہوش تھی، گولی اس کی پنڈلی میں لگی تھی باقی جسم صحیح سلامت تھا، گویا یہ اس
بدنصیب خاندان کی واحد لڑکی تھی جو دنیا کے غم اٹھانے کے لئے زندہ بچ گئی تھی۔

اس کا جوان بدن اپنی آغوش میں لیتے ہوئے میرے سینے میں کوئی سفلی جذبہ نہیں
اُبھرا تھا، حالانکہ وہ بے حد حسین تھی اور اس سے قبل بھی میں نے اس کی طرف دیکھ کر یہ
سوچا تھا کہ یہ لڑکی بلاشبہ ہزاروں میں ایک ہے، لیکن اس وقت میرے دل میں اس لڑکی کے
لئے صرف مخلصانہ جذبہ اور محبت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

میں نے اس کے بال صاف کئے، پیشانی سے مٹی جھاڑی اور اس کے پاؤں کے زخم کی
طرف متوجہ ہو گیا...... میں نے اسے درختوں کے جھنڈ سے باہر نکال لیا تھا...... گولی پنڈلی کا
گوشت پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی...... زخم سے خون کافی بہہ چکا تھا...... صرف
کمزوری تھی، ورنہ اور کچھ بات نہیں تھی۔

اس کی سانس مناسب چل رہی تھی...... میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور اس کے لباس
سے ایک پٹی پھاڑ کر اس کی پنڈلی کے زخم پر کس دی...... خون بہنا تو ویسے ہی بند ہو گیا تھا
کیونکہ خون خود زخم کا مرہم بن چکا تھا اور اس نے سخت ہو کر اندر سے نکلنے والے مزید خون کو
روک دیا تھا۔

میں نے اطراف میں دیکھا، مندر دور تھے اور یہ جگہ نسبتاً سنسان تھی اور چونکہ ساحل
کے قریب تھی، اس لئے لہروں کے شور کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی...... اب
کیا کروں اس لڑکی کے لئے کیا بندوبست کروں...... میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس
خاندان پر کیا مصیبت نازل ہوئی...... بہر طور اس بات کا تو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی وجہ میں
نہیں ہوں۔

کھانے پینے کی اشیاء ان لوگوں کے پاس موجود تھیں جنہیں یونہی چھوڑ دیا گیا تھا......
پتہ نہیں یہ کم بخت سادھو گوند لعل سے کیا چاہتے تھے اور انہوں نے بھرے پرے خاندان کو
کیوں اس طرح برباد کر دیا تھا...... بہرحال کھانے پینے کی چیزوں سے پانی تلاش کیا اور پانی ایک
پیتل کی گڑوی میں لے کر اس کے پاس پہنچ گیا...... پھر میں نے پوجا کے چہرے پر پانی کے
چھینٹے دیئے اور آہستہ آہستہ وہ ہوش میں آ گئی، میں نے اس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا
تھا...... پوجا نے اپنی بڑی بڑی حسین آنکھیں میری آغوش میں کھولیں اور اندھوں کی طرح
میرے چہرے کو گھورتی رہی...... غالباً اس کا ذہن اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا، پھر آہستہ
آہستہ اس کی ذہنی قوتیں واپس آئیں تو اس کے چہرے پر عجیب سی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔

وہ ایک دم بڑبڑا اُٹھی، اس نے میرے گریبان کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور اس کے
دانت بھنچ گئے۔

پوجا...... پوجا...... مم...... میں شام ہوں...... ہوش میں آؤ پوجا...... ہوش میں آؤ، میں
شام ہوں...... وہ بری طرح اپنی مٹھی میں میرے گریبان کو بھینچ رہی تھی اور پھر آہستہ آہستہ
اس کی حالت اعتدال پر آ گئی...... دوسرے لمحے اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان
اُمنڈ پڑا...... وہ سسک سسک کر رونے لگی...... اس نے اپنا چہرہ میرے سینے میں چھپا لیا......
لمبے لمبے سیاہ بال میرے سینے پر بکھر گئے تھے...... میں نے اسے سینے میں بھینچ لیا۔

"صبر کرو پوجا...... صبر کرو، جو کچھ ہوا ہم اسے ٹال نہیں سکتے تھے...... صبر کرو پوجا......
صبر کرو۔"

"ہے رام سب مر گئے...... سب مر گئے، ہے رام، ہے رام۔"

"ہاں...... پوجا ان بد معاش سادھوؤں نے ہمارے پورے پریوار کو ختم کر دیا۔

لیکن پوجا تمہیں ہمت سے کام لینا چاہئے...... تمہیں ہمت سے کام لینا چاہئے۔"

"ہے رام ہے رام۔" وہ روتی رہی اور دفعتاً میں نے محسوس کیا کہ وہ روتے روتے ایک دم خاموش ہو گئی ہے...... اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں...... اس کے چہرے پر ایک عجیب سی دیوانگی نظر آ رہی تھی...... پھر اس نے اپنے آنسو خشک کئے اور آہستہ سے اُٹھ بیٹھی...... پاؤں کی پنڈلی جتنی زخمی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کھڑی بھی نہ ہو سکے گی، لیکن دوسرے لمحے میں نے اسے تن کر کھڑا ہوتے دیکھا۔

"شام سب مر گئے ناں۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا اور میں اس کی شکل دیکھتا رہا، پھر اس نے نگاہیں گھما کر دور پڑی لاشوں کو دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ ان کی جانب بڑھ گئی۔

اس نے تمام لاشوں کو دیکھا، پھر میری طرف دیکھنے لگی، پھر آہستہ سے بولی۔

"ہم انہیں نہ بچا سکے...... شام ہم انہیں نہ بچا سکے۔"

"ہاں پوجا میرا وجود ہی منحوس ہے، جو تم لوگوں کے درمیان پہنچتے ہی تمہیں اس حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔"

"نہیں شام ایسی باتیں مت کرو...... تم نہیں جانتے...... تم نہیں جانتے۔"

"کیا نہیں جانتے۔"

"بس خاموش ہو جاؤ...... شام ہمیں ان کا کریا کرم کرنا ہے۔"

"مم مگر پوجا۔"

"نہیں کوئی بات نہیں...... تم چلے جاؤ مندر جا کر پجاری کو بتاؤ کہ ہم پر یہ بپتا پڑی ہے...... میں یہاں موجود ہوں...... تم یہی کہنا کہ ہمیں ڈاکوؤں نے گھیر لیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے پوجا سے کہا اور اس کے کہنے کے مطابق وہی کچھ کہا اور چند ہی لمحات کے بعد ان لاشوں کے گرد ایک بڑا مجمع جمع ہو گیا۔

پولیس نے ان لاشوں کو تحویل میں لینے کے بعد تمام کارروائیاں کیں...... ہندو دھرم کے مطابق ان لاشوں کا کریا کرم کیا گیا اور پتہ نہیں کیا کیا ہنگامے ہوئے، لیکن میں ان ہنگاموں سے متاثر نہیں تھا...... میں نے خود کو وقت کے دھاروں پر چھوڑ دیا تھا...... یہ مظلوم خاندان میری آنکھوں کے سامنے فنا ہو گیا تھا...... ابھی تک مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ پوجا سے میرا کیا رشتہ ہے، یعنی یہ کہ وہ شام کی سگی بہن تھی یا کوئی رشتے کی بہن، تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد پوجا میرے ساتھ ساتھ واپس آ گئی، ہم اپنی اسی خیمہ گاہ میں پہنچ گئے، جو یاتریوں کے لئے لگائی گئی تھی...... پوجا خاموش اور ویران بیٹھی ہوئی تھی، اس کی آنکھوں کے سوتے خشک تھے اور اب اس کی آنکھوں میں ایک آگ سی جلتی محسوس کر رہا تھا...... دفعتاً اس نے کہا۔

"شام کیا ہم اب بھی خاموش رہیں گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"چاچا جی میرے سرپرست بھی تھے اور میرے باپ بھی...... میرے ماتا پتا کے دیہانت کے بعد چاچا جی نے مجھے جس طرح پرورش کیا میں اسے نہیں بھول سکتی...... شاید صورت حال تمہارے ذہن سے بالکل ہی نکل چکی ہے شام۔"

"ہاں پوجا میں بہت کچھ بھول چکا ہوں...... بس تم لوگوں کے چہرے مجھے یاد تھے، اس کے علاوہ کچھ مجھے یاد نہیں ہے۔" میں نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"بڑی بپتا پڑی ہے...... تم یہ کہتے ہو کہ تمہیں اپنے گزرے ہوئے واقعات یاد نہیں ہیں، لیکن شام میں تمہیں بتا سکتی ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا کیا ہوا ہے۔" پوجا نے کہا۔

"پوجا مجھے میری شخصیت سے روشناس کرا دو...... میں اپنے آپ کو بھول چکا ہوں، میں خود کو یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن یاد نہیں کر پاتا۔" میں نے کہا اور پوجا خاموشی سے گہری سوچ میں ڈوب گئی...... کافی دیر تک وہ کچھ سوچتی رہی، میں اس کے چہرے پر پھیلتے ہوئے مدوجزر کو بخوبی محسوس کر رہا تھا، لیکن میں نے اسے بیچ میں ٹوکنا پسند نہیں کیا اور انتظار

کرتا رہا کہ وہ خود ہی بولے، پھر اس نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔

”اتنا تو تمہیں یاد ہوگا شام کہ ہم دہلی میں رہتے تھے۔“

”ہاں مجھے کچھ کچھ یاد ہے۔“

”میں جانتی ہوں کہ تم انہی پاپیوں کے ہتھے چڑھ گئے تھے...... خود چاچا جی کا بھی یہی خیال تھا کہ تمہیں انہی نے اغوا کیا ہے اور انہی نے چاچا جی کے سینے میں چھرا گھونپا ہے۔“

”کون ہے وہ۔“

”بھگوان جانے کون ہیں وہ پاپی، بہت بڑا گروہ ہے ان کا...... بھگوان جانے انہوں نے کہاں کہاں چکر چلا رکھا ہے...... چاچا جی کے پیچھے وہ بہت عرصے سے پڑے ہوئے تھے...... میں نہیں جانتی کہ وہ کیا چاہتے تھے...... یہ بھی تمہیں یاد ہوگا شام کہ میرے ماتا پتا مرتے سمے بہت بڑی دولت چھوڑ گئے تھے...... ہمارے چاچا جی چاچا گووند لعل بھی معمولی انسان نہیں تھے...... دولت کا ایک بڑا حصہ انہیں بھی ملا تھا، لیکن میری وجہ سے باقی دولت بھی چاچا جی کو ہی مل گئی تھی...... پھر انہوں نے میری دولت، میرے لئے سنبھال کر رکھ دی تھی اور مجھے اپنی پر-یتما کی طرح ہی پروان چڑھایا تھا...... تمہارے دونوں بھائی شام مجھے بہن ہی کی طرح چاہتے تھے، کبھی انہوں نے مجھے یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں کوئی دوسری شخصیت ہوں، پھر تمہیں اغوا کر لیا گیا...... تم اچانک ہی غائب ہو گئے...... اس کے بعد تم پر پتہ نہیں کیا بیتی، میں جانتی ہوں کہ انہوں نے تمہیں شدید ذہنی اذیتیں دی ہوں گی...... تمہارے سر کا زخم بھی یہی بتاتا ہے...... ہم لوگ تمہاری تلاش میں نجانے کہاں کہاں پھرے، بڑی بڑی تیرتھ یاترا کیں، منتیں مانگیں، پر تمہارا کہیں پتہ نہیں چلا، تب ہم یہاں پہنچے اور تمہارے بارے [illegible] یہاں منتیں مانیں اور تم اچانک مل گئے، لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا تمہارے سامنے ہے، [illegible] شام تمہارا کیا خیال ہے...... کیا ہمارے پریوار کو ختم کرنے کے بعد ہمارے دشمن ہمارا پیچھا چھوڑ دیں گے۔“

”میں نہیں جانتا پوجا کہ وہ لوگ کیا کریں گے، میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ لوگ

کون ہیں۔“

”کچھ یاد کرنے کی کوشش کرو...... تم نے کسی کو دیکھا ہو تم پر کیا بیتی، کچھ تو یاد کرو، اگر تمہیں یاد آ جائے شام تو پھر ہم اپنے دشمنوں سے اپنا بدلہ لے سکتے ہیں۔“

”ابھی مجھے کچھ یاد نہیں پوجا لیکن، لیکن میں جانتا ہوں کہ مجھے سب یاد آ جائے گا، بھگوان نے ہم سے سب کچھ چھین لیا، ہم سے...... لیکن پوجا۔“

”ہاں شام یہی میں تم سے کہنا چاہتی تھی۔“

”کیا پوجا۔“

”یہی کہ ہم جیتے ضرور ہیں لیکن مر چکے ہیں، ہمارے من میں اب صرف بدلہ ہے، دشمنوں سے بدلہ۔“

”میں تمہارا ساتھ دوں گا پوجا...... ماتا جی نے مجھے سینے سے لگایا تھا تو مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے سارا سنسار ہی مجھے مل چکا ہو، لیکن میرا سنسار مجھ سے ایک بار پھر چھین لیا گیا ہو اور میں اب اس چھینے ہوئے سنسار کو دوبارہ نہیں پا سکوں گا جنہوں نے مجھے میرے سنسار سے دُور کر دیا ہے۔“ میں نے کہا اور پوجا کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

”میں بھی یہ چاہتی ہوں شام ہم دونوں بس انتقام ہیں، صرف انتقام۔“

”ہاں پوجا...... میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

اس کے بعد ہم مستقبل کا پروگرام بناتے رہے...... پوجا نے مجھے پیش کش کی کہ میں اب دہلی چلوں اور میں اس کے لئے تیار ہو گیا...... یہ پہلا موقعہ تھا کہ مجھے اپنے اطراف میں بکھرے ہوئے ماحول کا پوری طرح سے اندازہ تھا ورنہ اب تک میں صرف بھٹکتا ہی رہا ہوں، اب یہ بات پایہ تکمیل تک پہنچ گئی تھی کہ میں ہندوستان آ چکا ہوں۔

کس طرح میں یہاں تک آیا، اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا، بس تقدیر تھی جس نے مجھے گھیر گھار کر ان علاقوں میں لا پھینکا تھا...... غور کرتا تو بڑی عجیب سی کیفیت کا شکار ہو جاتا تھا...... بہر طور اس تیرتھ یاترا سے ہم دہلی کی جانب چل پڑے...... فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ

میں پوجا میرے ساتھ تھی، یہ حسین لڑکی اب پہلے سے زیادہ شگفتہ نظر آرہی تھی...... ہر چند کہ اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں نظر آتی تھیں، لیکن جب اس احساس سے نکلتی تو کافی شگفتہ مزاج ہوتی تھی...... فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا...... مجھے علم تھا کہ وہ میرے تایا کی بیٹی ہے، یعنی میری وہ حیثیت جو شام کی تھی، اس کے رشتے سے وہ میرے تایا کی بیٹی لگتی تھی...... بہر طور اس کے دل میں میرے لئے کیا تھا، اس کا مجھے ابھی تک اندازہ نہیں ہوسکا تھا، راستے میں ہم مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔

"کیا تم اس بات کو نظر انداز کردو گے، شام کہ اس خطرناک گروہ کے لوگ اس کے بعد ہمارا پیچھا چھوڑدیں گے۔"

"نہیں میرا خیال ہے کہ جس مقصد کے لئے انہوں نے یہ سب کچھ کیا ہے، اسے پورا کئے بغیر وہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

"تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"میرا خیال ہے پوجا ہم اپنے طور پر ان کے خلاف ایک محاذ بناتے ہیں، تم دہلی چلنے کے بعد مجھے اس کے سلسلے میں کچھ اور تفصیلات بتاؤ گی۔"

"مجھے جتنا معلوم تھا میں نے تمہیں بتادیا...... ظاہر ہے چاچا جی کے معاملات میں، میں بہت زیادہ دخل نہیں رکھتی تھی، ہماری جائیداد لاکھوں روپے کی ہے...... بہت سے لوگوں سے ہماری نسل چلتی ہے، مگر ہم کیا کرسکتے ہیں یہ بتاؤ۔"

"پوجا میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"ہمیں اصل حیثیت سے دہلی نہیں پہنچنا چاہئے۔"

"کیا مطلب؟"

"دشمنوں کو ہم تک پہنچنے میں آسانی ہوگی، لیکن ہمیں کچھ ایسی کارروائی کرنا چاہئے کہ

ہماری شکلیں تبدیل ہوجائیں۔"

"اگر تم ایسا سمجھتے ہو شام تو ضرور ایسا کرو۔"

"دہلی پہنچ کر ہم اپنی کوٹھی میں نہیں جائیں گے، بلکہ کسی ہوٹل میں قیام کریں گے اور وہاں آرام سے رہ کر ماحول کا جائزہ لیں گے...... میں اس تنظیم کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا جو ہمارے ماتا پتا کی موت کا سبب بنی ہے۔"

"ٹھیک ہے اب میں تمہارے ساتھ ہوں، جس طرح من چاہے کرو۔" پوجا نے جواب دیا۔

ٹرین دہلی کے شاندار اسٹیشن پر پہنچ گئی اور ہم لوگ نیچے اتر آئے، ہم نے عام مسافروں کی طرح ہوٹل کا رخ کیا اور ایک شاندار ہوٹل میں ہم نے ایک کمرہ حاصل کرلیا۔

بڑا سا کمرہ تھا جس میں ہم دونوں پہنچ گئے...... پوجا نے اور میں نے یہاں اپنے نام غلط لکھوائے تھے...... یہاں پہنچنے کے بعد ہم سکون سے بیٹھے اور مستقبل کے پروگراموں پر غور کرنے لگے...... پوجا نے کہا کہ ہم دوہری شخصیت گزاریں گے...... ہم ایسے سمے کوٹھی جائیں گے جب ہمیں اندازہ ہو کہ ہمارے دشمن ہم سے ناواقف ہوں گے...... میں نے اس کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

چنانچہ اس رات تقریباً گیارہ بجے ہم اپنی کوٹھی میں داخل ہوئے...... بہت عالی شان کوٹھی تھی، سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی...... اندر کی بتیاں بند تھیں، باہر البتہ روشنی تھی اور نوکر ادھر اُدھر آجارہے تھے...... ایک موٹے پستہ قامت آدمی نے ہمیں دیکھا اور دوڑتا ہوا ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"ہے رام بٹیا...... ہے رام شام جی...... کیا ہوگیا...... کیا ہوگیا آپ مل گئے...... ہم نے سنا تھا اور ہم نے یہ بھی سنا کہ لالہ جی اور لالائن۔" وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا...... تمام نوکروں نے رونا پیٹنا مچادیا تھا...... پوجا نے انہیں ڈانٹا۔

"بس جتنا تمہارا کام ہے اتنا ہی کرو جو کچھ ہوا ہے وہ تمہارے کانوں تک پہنچ گیا...... اب

اس میں کچھ کہا نہیں جا سکتا...... جاؤ اپنا کام کرو۔“ ہم اندر پہنچ گئے۔

اندر پہنچنے کے بعد پوجا نے مجھے کوٹھی دکھائی، تمام صورت حال سے آگاہ کیا...... کچھ اہم دستاویزات اور کاغذات اپنے قبضے میں کیے اور آہستہ سے بولی۔

”اب ہمیں خاموشی سے یہاں سے نکلنا چاہیے۔“

”نوکروں کو کچھ نہیں بتاؤ گی پوجا۔“

”بتانا مناسب نہیں ہے، یہ سارے کاغذات دولت اور جائیداد کے ہیں جو میرے علم میں تھے...... بھگوان کا شکر ہے کہ یہ ابھی ہمارے دشمنوں کے ہاتھ نہیں لگے۔“

”مگر پوجا ان کی حفاظت کیسے کرو گی۔“

”انہیں کسی بنک کے لاکر میں رکھوا دیں گے اور آہستہ آہستہ اپنا کام کریں گے۔“

ہم ابھی یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، پوجا نے آگے بڑھ کر فون اُٹھالیا، پھر وہ آہستہ سے بولی۔

”ہیلو۔“

”کون بول رہا ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی...... میں نے بھی پوجا کے کان سے کان ملا دیا۔

”پوجا بول رہی ہوں۔“

”اوہ...... بیٹا تم ہو...... تم اپنے پتا کے دوست ہری چند کو تو جانتی ہو گی۔“

”ہری چند۔“

”ہاں بیٹا بڑا لمبا چکر چل رہا ہے، میرے اور تمہارے پتا جی کے درمیان اور دیکھ لو اس چکر میں تمہارے پتا جی مارے گئے۔“

”تو تم...... تو تم ہری چند، تم...... تم نے میرے پتا کو مارا ہے۔“

”نہ بٹیا نہ ہم کہاں مار سکتے ہیں...... اصل میں تمہارے پتا بڑے غلط لوگوں کے جال میں پھنس گئے تھے...... تم کو معلوم نہیں بٹیا کہ ہری چند کیا چیز ہے...... ہم یلو چینل سے تعلق

رکھتے ہیں...... یلو چینل کے بارے میں اگر تم چاہو تو تمہیں تمہارے پتا کے کاغذات میں معلوم ہو جائے گا...... بڑا لمبا ادھار سودھار ہے اپنا اور اس کے نتیجے میں تمہارے پتا کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے، مگر ہم ایک بات تم سے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔“

”کیا۔“ پوجا نے پوچھا۔

”یہ بتاؤ کہ کیا ہم نے جو سنا وہ سچ ہے۔“

”کیا سنا ہے تم نے؟“

”گووند لعل کا بیٹا شام تمہارے پاس جیتا جاگتا پہنچ گیا ہے۔“

”اگر ایسا ہے تو؟“

”نہ ہی بیٹا...... نہ ہی تمہیں دھوکا ہو رہا ہے، شام تو ہمارے ہاتھوں مارا جا چکا ہے...... ہم نے اپنے ہاتھوں سے اس کے ٹکڑے کیے ہیں...... پھر بھلا وہ تمہارے پاس کیسے پہنچ گیا۔“

”اس کی رُوح ہمارے پاس آ گئی ہے اور وہی رُوح اب تمہیں موت کے گھاٹ اتارے گی، ہری چند۔“

”ارے رام رام...... ہری چند تو بڑا ہی بھرم چاری آدمی ہے، اسے مارنا اتنا آسان کام نہیں ہو گا، لیکن تم سن لو اگر وہ جیتا جاگتا تمہارے پاس پہنچ گیا ہے تو پھر وہ، وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو...... وہ کوئی اور ہی ہو گا۔“

”ہو گا...... تمہیں کیا؟“

”بس بٹیا ہم تم سے ایک سودا کرنا چاہتے ہیں...... زندگی بڑی قیمتی چیز ہوتی ہے اور اگر تم اسے بچانا چاہتی ہو تو غور کر لینا...... میں تمہیں پھر فون کروں گا۔“

دوسری طرف سے فون بند ہو گیا اور پوجا کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔

”آؤ شام...... ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہیے۔“ وہ بولی...... میں چونکہ اس کے کان سے کان لگائے ساری گفتگو سن رہا تھا، اس لیے ساری آوازیں میرے کانوں میں آ رہی

تھیں...... ایک لمحے کے لئے میرا دل دھڑکا تھا کہ کہیں پوجا میری طرف سے بدگمان نہ ہو جائے، لیکن یوں لگتا تھا، جیسے پوجا کو ان تمام باتوں کا یقین نہ آیا ہو...... بہر طور اس کے بعد ہم خاموشی سے وہاں سے نکل آئے اور پھر ایک گاڑی میں بیٹھ کر ہوٹل کی طرف چل پڑے، ہوٹل میں اپنے کمرے میں پہنچ کر پوجا نے وہ سارے کاغذات کھول کر سامنے رکھ لئے جو وہ اپنے چاچا جی کے سیف سے لائی تھی...... ان کاغذات میں ہم ہری چند کے بارے میں کوئی تفصیل تلاش کرنے لگے۔

کاغذات میں ہمیں ہری چند اور ییلو چینل نامی تنظیم کے بارے میں ساری معلومات حاصل ہو گئیں...... یہ تنظیم بہت وسیع پیمانے پر سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی اور اس کے کارندے بڑے بڑے سیٹھوں کو بلیک میل کر کے ان سے دولت سمیٹا کرتے تھے...... ہری چند کا اور پوجا کے باپ کا کوئی لمبا جھگڑا چل رہا تھا اور ہری چند اس تنظیم کا نمائندہ تھا۔

لیکن اب فی الحال تو اس نئی تنظیم ییلو چینل کے بارے میں دیکھنا تھا، اس عورت کا لمس میں زندگی بھر نہیں بھول سکتا تھا اور اس لمس کا خراج مجھے ادا کرنا ہی تھا...... پوجا نے تمام کاغذات سمیٹے اور پھر بولی۔

ان کاغذات کو اگر ہم چاہیں تو پولیس کے حوالے کر سکتے ہیں...... لیکن یہ بات بھی تم جانتے ہو شام کہ پولیس اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتی ہے...... تنظیم کے بارے میں جو معلومات اس تھوڑی سی مدت میں ہمیں حاصل ہوئی ہے ان سے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ بہت ہی خطرناک لوگ ہیں اور ان پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں ہوگا، چنانچہ کیوں نہ ہم آرام اور سے کام کریں...... ہم لوگ اپنا حلیہ تبدیل کئے لیتے ہیں...... بھگوان کا شکر ہے کہ دولت کی ہمارے پاس کوئی کمی نہیں ہے، جہاں بھی ضرورت ہوگی ہم اپنے اپنے طور پر کام کریں گے بلکہ میں تو یہ کہتی ہوں کہ ہم لوگوں کو ہوٹل بھی بدل لینا چاہئے تاکہ ہمیں ساتھ نہ دیکھا جاسکے۔ ہم لوگ اپنے اپنے طور پر کام کرتے ہیں، جو کچھ میں چاہوں گی میں کروں گی، جو تم

چاہو تم کرنا...... جب بھی ہمیں ایک ساتھ رہنے کی ضرورت ہو ہم لوگ ساتھ رہ جائیں گے...... ویسے میرا خیال ہے کہ میری یہ بات قابل غور ہے۔"

"نہیں پوجا...... بات تو قابل غور ہے لیکن ہمارا دُور دُور رہنا مناسب نہیں ہے۔"

"انتقام کے لئے، صرف انتقام کے لئے ورنہ ہم لوگ دُور کہاں ہیں۔" اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے شرم کی سرخی لہرا گئی۔

"ٹھیک ہے...... پوجا وقتی طور کے لئے میں یہ دوری قبول کئے لیتا ہوں، لیکن زیادہ عرصے کے لئے نہیں...... ہاں جو کچھ تم کرو اس کے بارے میں مجھے اطلاع ضرور دے دینا۔"

"اور جو کچھ تم کرو اس کے بارے میں مجھے اطلاع دے دینا۔" پوجا نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... میں اس سلسلے میں تمہیں ہر بات سے آگاہ رکھوں گا۔"

دوسرے دن ہم نے سب سے پہلے یہ کیا کہ وہ تمام کاغذات ایک بنک کے لاکر میں رکھوا دیئے اور اس کے بعد ہم نے اپنا حلیہ تھوڑا تھوڑا تبدیل کر لیا...... پوجا اسی ہوٹل کی نچلی منزل میں ایک کمرے میں مقیم ہو گئی...... یہ وقتی بات تھی، اس نے کہا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے سے زیادہ رابطہ نہ رکھیں تاکہ ہم پر کسی کو شبہ نہ ہو...... ہری چند یقیناً ہماری تلاش میں ہوگا۔" پوجا نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ ہری چند نے مجھے فراڈ ثابت کرنے کی کوشش کیوں کی تو میں نے اسے جواب دیا کہ ممکن ہے اس میں اس کا کوئی مفاد وابستہ ہو۔"

زندگی انہی حالات سے عبارت ہو گئی تھی تو پھر اس پر جمود طاری رکھنا کیا معنی رکھتا تھا...... میں ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتا تھا اور اس میں اب تساہل برتنا میرے بس میں نہیں تھا...... ییلو چینل تنظیم کو منظر عام پر لانا آسان کام نہیں ہوگا، لیکن میرے ذہین دماغ نے اس کا ایک حل سوچ ہی لیا اور میں نے اس پر عمل کرنے کے لئے کارروائیاں شروع کر دیں...... پوجا سے دُور رہنے کے لئے ہم دونوں نے کوششیں کی تھیں، لیکن ہمیں چند ہی روز کے اندر یہ احساس ہو گیا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے دُور نہیں رہ سکتے...... پہلے یہ طے کیا گیا تھا کہ ہم الگ الگ ہوٹلوں میں رہیں گے، اس کے بعد صرف دوسری منزل تبدیل

کرلی گئی، لیکن دو ہی دن گزرے تھے کہ ہماری حالت درست ہوگئی...... پوجا خود ہی میرے پاس آگئی اور عجیب سے لہجے میں بولی۔

"یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے، میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا شام! میں تم سے دُور رہ کر ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے اب سنسار میں میرا کوئی نہیں ہے۔"

میں تمہارا ہوں پوجا، فکر مند کیوں ہوتی ہو...... آرام سے رہو، کوئی تکلیف ہو تو مجھے بتاؤ بلکہ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ تمہارا ان حالات میں پڑنا ٹھیک نہیں ہے...... تم لڑکی ہو ارمانوں بھری، جب تمہارے سلسلے میں، میں کام کرنے کو تیار ہوں تو پھر تم کیوں پریشانی اُٹھاؤ۔

"پوجا...... میری خواہش ہے کہ تم کوئی شاندار مکان لے کر اس میں کسی نئی حیثیت سے رہنے لگو، مجھے جب بھی تمہاری ضرورت ہوگی میں تمہیں ضرور تکلیف دوں گا۔"

"نہیں شام...... مجھے اپنے ساتھ ہی رکھو...... پلیز مجھے اپنے ساتھ ہی رکھو۔" پوجا نے کہا اور میں خاموش ہو گیا، لیکن دل ہی دل میں، میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ پوجا کو ان معاملات سے جس حد تک ہو سکا دُور ہی رکھوں گا...... وہ میرے اتنے قریب آگئی تھی کہ اب مجھے اسے دھوکا دیتے ہوئے شرمندگی محسوس ہوئی تھی، لیکن کر بھی کیا سکتا تھا...... پھر ایک دن میں نے اپنے پروگرام کا آغاز کر دیا...... میں نے اس کی تفصیل پوجا کے سامنے رکھ دی تھی۔

"دیکھو پوجا...... یلو چینل تنظیم کو سامنے لانا آسان کام نہیں ہوگا...... میں اس کے لئے ایک پروگرام بنا چکا ہوں اور آج سے اس پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"پروگرام کیا ہوگا۔"

"تمہیں اس سلسلے میں، میری سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرنا ہوگا۔"

"میں بخوشی تیار ہوں۔"

"تو مجھے ایسے چند لوگوں کے نام اور پتے دو جو یہاں کے دولت مند لوگ ہیں اور جن

سے اپنے کام کا آغاز کرسکوں۔"

"ان سے کیسے آغاز کرو گے۔"

"بس تم دیکھتی جاؤ...... مجھے پہلے کوئی ایسا نام بتاؤ جو بہت دولت مند ہو۔"

"بہت سے لوگ ہیں...... سیٹھ نانا پٹیل، سیٹھ بلوند راج، سیٹھ حاجی سمیع اللہ، رما ٹھاکر ایسے بہت سے نام ہیں میرے ذہن میں۔"

"نانا پٹیل کے بارے میں مجھے تفصیل بتاؤ۔"

"یہاں کی کپڑا ملوں کا مالک ہے...... کروڑ پتی آدمی ہے۔"

"بس ٹھیک ہے اس کا فون نمبر۔"

"میں تمہیں ڈائریکٹری میں تلاش کر کے دے دیتی ہوں۔" پوجا نے کہا اور اس نے نمبر ڈائریکٹری میں سے دیکھ کر مجھے نانا پٹیل کا فون نمبر بتایا۔

ہم نے ہوٹل سے باہر نکل کر ایک ایسی جگہ منتخب کی جہاں ٹیلی فون موجود تھا...... یہاں سے یہ پتہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ یہ ٹیلی فون کہاں سے کیا جا رہا ہے...... میں نے فون پر نانا پٹیل کے نمبر معلوم کئے...... پہلے نمبر پر وہ نہیں ملا، وہیں سے میں نے دوسرا نمبر لیا اور دوسرے کے بعد تیسرا نمبر جس پر نانا پٹیل موجود تھا...... اس وقت مجھے پتہ چلا کہ نانا پٹیل ایک میٹنگ میں مصروف ہے، لیکن میں اپنے کام کو ادھورا نہیں چھوڑ سکتا تھا...... چند لمحات کے بعد مجھے دوسری طرف سے ایک پھٹی پھٹی سی آواز سنائی دی۔

"ارے کون ہے، اے بوا کا بات ہے...... ہمار سیکرٹری نے تم کو بولا نہیں کہ ہم میٹنگ میں ہیں...... اس کے بعد بھی تم ہمیں پھون پر پھون کئے جا رہے ہو۔"

"نانا پٹیل...... یلو چینل کے لئے کوئی ایک جگہ مخصوص نہیں ہوتی...... تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

"کا بکت ہو بھائی کون یلو چینل ہم کا تو یلو چینل کو نہیں جانتا ہے۔" نانا پٹیل نے کہا اور میں سمجھ گیا، یہ میرے کام کا آدمی نہیں ہے۔

چنانچہ میں نے فون بند کر دیا اور پوجا سے دوسرا نمبر مانگا، دوسرا نمبر رما ٹھاکر کا تھا
سیٹھ رما ٹھاکر سے پہلی ہی کوشش میں بات ہو گئی اور میں نے بھری لہجے میں کہا۔

"کون سیٹھ رما ٹھاکر بول رہے ہیں۔"

"ہاں تم کون ہو۔"

"یلو چینل۔" میں نے کہا اور دوسری طرف چند لمحات کے لئے خاموشی چھا گئی۔

"کیا مطلب؟ ابھی چند روز قبل ہی تو تم نے مجھ سے ایک لاکھ روپے وصول
ہے۔"

"چند روز بہت وسیع ہوتے ہیں سیٹھ رما ٹھاکر۔" میں نے مسرت بھرے لہجے میں
کہا۔

"مگر تم نے کہا تھا کہ اب مجھ سے رقم آئندہ ماہ کی دو تاریخ کو وصول کی جائے گی۔"

"اگلے ماہ کی دو تاریخ بہت دُور ہے سیٹھ جی...... مجھے دو لاکھ روپے فوری چاہئے۔"

"بکواس بند کرو...... میں اب تمہیں ایک پیسہ بھی نہیں دوں گا۔"

"آپ سوچ لیں سیٹھ جی۔"

"میں نے سوچ لیا...... میں موہن لال سے ملوں گا...... اس سے بات کر کے کو
جواب دوں گا...... موہن لعل تمہارا ایجنٹ ہے اور اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اس کے بعد
تاریخ ہی کو پیسے مانگے جائیں گے۔"

"مل لو سیٹھ جی! مگر تمہیں نقصان ہو گا۔"

"جو کچھ بھی ہو مگر میں موہن لعل سے ملے بغیر کوئی وعدہ نہیں کر سکتا ہوں۔"

"کب مل رہے ہو موہن لعل سے۔"

"آج ہی شام کو میں آٹھ بجے کلیامائی پہنچ جاؤں گا...... مجھے پتہ ہے کہ موہن لعل سے
کلیامائی ہی میں ملاقات کی جا سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ جی...... مل لیں موہن لعل سے لیکن سوچ لیں کہیں آپ کو

ان نہ ہو جائے۔"

"ارے اب میں کسی نقصان سے نہیں ڈرتا...... تم نے مجھے کنگال کر دیا ہے، تمہیں کیا
وم کہ میری اپنی کاروباری حالت کیا ہے...... میں خود پریشان ہوں۔"

"آپ کی مرضی سیٹھ جی۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا...... پھر میں نے پوجا کی
ف دیکھ کر آہستہ سے گردن ہلائی، پوجا میری چالاکی پر عش عش کر رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں کہ اب تم کیا کرو گے۔"

"مثلاً۔"

"تم یقیناً اب رما ٹھاکر کا پیچھا کرو گے اور پھر اس کے ذریعے یلو چینل تک پہنچو گے،
ں یہی بات ہے نا۔"

"اس کا مطلب ہے پوجا کہ تم تو واقعی شاندار ساتھی ثابت ہو سکتی ہو۔"

"تم مجھے کیا سمجھتے ہو...... دیکھنا میں کیا کر کے دکھاتی ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے...... رات کو ہماری کار تم ہی ڈرائیو کرو گی۔" میں نے کہا اور پوجا
مسکرادی۔

"رما ٹھاکر کے بارے میں ہم نے دن میں کافی معلومات حاصل کر لیں اور پھر ٹھیک
پانچ بجے ہم نے اسے اس کے آفس سے باہر نکلتے دیکھا...... پوجا نے بتایا کہ یہی رما ٹھاکر۔"
پوجا نے ایک خوب صورت کار حاصل کر لی تھی اور یہی کار ہمارے استعمال میں آ رہی
تھی۔

چنانچہ اس وقت جب رما ٹھاکر کی کار وہاں سے آگے بڑھی تو ہم اس کے ساتھ ساتھ
چل پڑے...... تھوڑی دیر کے بعد رما ٹھاکر کی کار ایک خوب صورت عمارت میں داخل
ہو رہی تھی۔

"یہ رما ٹھاکر کی کوٹھی ہے۔"

"اس کا مقصد ہے کہ ہمیں اب اس کوٹھی کی چوکیداری کرنا ہو گی۔"

"ہاں...... یہ تو ہے...... وہ رات کو آٹھ بجے ہی موہن لعل سے ملے گا۔"

"چلو کوئی بات نہیں ہے، ہم دونوں بات چیت کرتے رہیں گے۔" میں نے کہا اور کار ایک ایسی جگہ کھڑی کر دی جہاں سے یہ اندازہ نہ ہو سکے کہ وہ کوئی تعاقب کرنے والی کار ہے۔ پتہ نہیں ہمارے فون کے بعد رماٹھاکر کی کیا حالت ہے اور پھر رماٹھاکر نے کسی اور سے رابطہ قائم کیا یا نہیں۔"

بہر طور تقریباً ساڑھے سات بجے رماٹھاکر اپنی کار میں بیٹھ کر باہر نکلتا ہوا نظر آیا اور پوجا نے کار آگے بڑھا دی...... ہم لوگوں نے اس دوران تمام معاملات کی تیاری کر لی تھی اور ہمیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ہمارے یہ انتظامات ہمارے لئے کافی سود مند ثابت ہو سکتے ہیں۔

کار دوڑتی رہی...... کلیامائی کے بارے میں پوجا بھی جانتی تھی...... مجھے اس کے بارے میں تفصیل نہیں معلوم تھی، جمنا کنارے ایک چھوٹی سی بستی تھی جسے کلیامائی کہا جاتا تھا، چنانچہ کلیامائی پہنچ کر رماٹھاکر نے اپنی کار ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے روک دی...... میں نے پوجا کی طرف دیکھا اور پوجا نے میری طرف پھر میں نے پوجا سے کہا۔

"پوجا میں اندر جاؤں گا۔"

"ہوشیاری سے شام! کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان کے درمیان پھنس جاؤ...... ظاہر ہے خطرناک لوگ ہیں۔"

"تم فکر مت کرو۔" میں نے کہا اور خاموشی سے باہر نکل آیا...... میرے پاس ہتھیار موجود تھے، پستول جو چھ گولیوں سے بھرا ہوا تھا۔

میں نے اس چھوٹے سے مکان کا احاطہ عبور کیا...... رماٹھاکر اس دوران مکان میں داخل ہو چکا تھا اور پھر میں خاموشی سے رینگتا ہوا اس کمرے کی جانب بڑھ گیا جس کے بارے میں میرا خیال تھا کہ ڈرائنگ روم ہو سکتا ہے...... یہیں پر رماٹھاکر اور موہن لعل موجود تھے، موہن لعل کسی قدر پستہ قامت زیادہ سے زیادہ پانچ یا سوا پانچ فٹ کا آدمی ہوگا لیکن اس کا بدن پھیلا ہوا تھا...... چہرہ خاصا کالا تھا اور نقوش تیکھے تھے...... ٹھاکر اس کے

سامنے بیٹھا ہوا تھا...... میں نے اس کھڑکی سے کان لگا دیئے، جہاں سے اندر کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں رماٹھاکر...... یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔"

"ہوا ہے...... میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"اگر ایسا ہے تو میرا خیال ہے کسی کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے...... ٹھہریئے، میں ہری چند سے بات کرتا ہوں۔" موہن لعل نے کہا۔

میری انتہائی خواہش تھی کہ کسی طرح ہری چند کا فون نمبر مجھے معلوم ہو جائے، لیکن ظاہر ہے اتنی دُور سے فون نمبر دیکھنا میرے لئے ممکن نہیں تھا...... بہر طور اس پر صبر کرنا پڑا، چند لمحات کے بعد موہن لعل نے ریسیور اُٹھا لیا۔

"ہیلو...... ہر چند جی ہیں۔"

"نہیں ہیں...... کہاں گئے ہیں۔"

"اچھا کب تک واپسی ہو جائے گی۔" وہ باتیں کرتا رہا اور پھر فون بند کر دیا...... اس کے بعد اس نے رماٹھاکر سے کہا۔

"سیٹھ جی آپ اطمینان رکھیں، جب تک میں ہری چند جی سے اس بارے میں معلومات حاصل نہ کر لوں...... آپ کسی کو ایک پیسہ بھی نہ دیں، چاہے آپ کو کتنی ہی دھمکیاں دی جائیں بلکہ اگر ایسا ہو تو آپ ان سے صاف صاف کہہ دیں کہ میں موہن لعل سے بات کر چکا ہوں اور موہن لعل کا جواب ملے بغیر کچھ نہیں کروں گا۔"

"مگر کہیں وہ لوگ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا دیں موہن لعل خوفزدہ لہجے میں بولا۔"

"سیٹھ جی...... میرے ہوتے آپ کو کس بات کی چنتا ہے، آپ بالکل چنتا نہ کریں، جب تک میں آپ سے نہ کہوں...... آپ انہیں ایک پیسہ بھی نہ دیں...... بس اس بات کا خیال رکھیں۔"

"تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے، مگر یقین کرو موہن لعل میں آج کل ویسے ہی بڑا پریشان

ہوں...... میں کہاں سے انہیں دو لاکھ روپے دوں گا اور پھر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے بعد وہ کب مجھ سے دوبارہ پیسے مانگنے لگیں۔"

"آپ کسی کو ایک پیسہ نہ دیجئے سیٹھ جی...... بس اس کا سارا انتظام میں کرلوں گا۔"

"تو پھر میں جاؤں۔"

"جی...... آپ آرام سے جایئے اور چین کی نیند سویئے...... موہن لعل آپ کا دوست ہے، آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دے گا۔" رما ٹھاکر نے عجیب و غریب نگاہوں سے موہن کو دیکھا اور پھر باہر نکل گیا...... میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

میں پراطمینان نظروں سے موہن لعل کو باہر جاتے دیکھتا رہا اور پھر جب وہ دُور نکل گیا تو میں ایک فیصلہ کر کے اندر داخل ہو گیا...... چند لمحات کے بعد میں اس کے سامنے پہنچ گیا۔

موہن لعل مجھے دیکھ کر چونک پڑا۔

"کون ہو تم؟ بغیر اجازت اندر کیوں گھس آئے۔"

"تم سے کچھ کام ہے موہن لعل۔" میں نے جواب دیا اور موہن لعل کا ہاتھ جیب کی طرف بڑھا لیکن میں نے فوراً اپنا پستول نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔

"نہیں موہن لعل جی...... تمہاری بدقسمتی سے میرے پاس بھی اس کا انتظام ہے، ہاتھ اُوپر رکھو ورنہ۔"

موہن لعل کے ہاتھ اُوپر اُٹھ گئے...... میں نے آگے بڑھ کر اس کی جیب سے پستول نکال لیا...... اسے اپنی جیب میں ڈال کر میں نے اس کے باقی لباس کی تلاشی لے ڈالی، لیکن اس پستول کے علاوہ اس کے پاس کچھ اور ہتھیار نہیں تھا، جسے وہ میرے خلاف استعمال کر سکتا، اس کے بعد میں نے اسے دھکا دے کر ایک کرسی پر بٹھا دیا...... موہن لعل خونی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تو موہن لعل جی پہلے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں آپ سے، امید ہے آپ صحیح صحیح جواب دیں گے۔"

"تم جو کوئی بھی ہو اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو۔"

"دعوتیں دیتے رہنا چاہئیں موہن لعل جی اس طرح سے محبتیں بڑھتی ہیں...... مجھے اپنی موت سے بہت محبت ہے، ہاں اگر آپ کو اپنی زندگی سے محبت ہے تو پھر سچ بولئے، صرف سچ۔" موہن لعل بدستور اسی انداز میں مجھے دیکھتا رہا...... پھر اس نے کہا۔

"کیا چاہتے ہو؟"

"پہلا سوال یہ ہے مہاراج کہ آپ کے علاوہ اس عمارت میں اور کون کون ہے؟"

"کوئی نہیں ہے۔"

"اور اگر کوئی ہوا تو۔"

"میں نے تم سے کہا نا اور کوئی نہیں ہے۔"

"چلو...... یہ میری خوش قسمتی ہے، موہن لعل جی کہ یہاں آپ سے باتیں کرنے کا ایک بہترین موقع مجھے نصیب ہو گیا تو صورت حال یہ ہے موہن لعل جی کہ یلو چینل میں آپ کتنے عرصے سے شامل ہیں اور کیا کیا کام آپ نے انجام دیئے ہیں۔" میں نے سوال کیا اور موہن لعل بری طرح چونک پڑا تھا...... وہ ایک لمحے کے لئے یہ سن کر بدحواس ہوا لیکن دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا اور پھر غرائے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔

"چور ہو...... چوری کرو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ...... یہ فضول باتیں کیوں کر رہے ہو۔"

"کیوں موہن لعل جی ان فضول باتوں سے خوف محسوس کر رہے ہو۔"

"میں ڈروں گا تم جیسے چوہے سے جو پستول کے زور سے مجھ سے بکواس کر رہا ہے۔"

"ارے ارے موہن لعل جی! آپ کا خیال ہو گا کہ اب مجھے فلمی قسم کا جوش آجائے گا اور میں پستول جیب میں رکھ کر کہوں گا...... آؤ موہن لعل میں تجھے نہتے ہاتھوں مارنا چاہتا ہوں...... آ میرے مقابلے پر آ...... نہیں موہن لعل جی میں دراصل کوئی فلمی ہیرو نہیں ہوں اور نہ ہی آپ ولن چنانچہ سیدھے سیدھے میری باتوں کا جواب دیجئے...... ورنہ آپ کو ختم کرنے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔"

موہن لعل نے بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر بے بسی سے بولا۔

"مگر تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔"

"یلو چینل کو سب جانتے ہیں۔"

"کیا یلو چینل۔"

"موہن لعل جی! میں صرف تین تک گنتی گنتا ہوں، اس کے بعد مجھے میرے سوال کا جواب چاہیئے۔"

"ایک۔" میں نے کہا اور موہن لعل خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"دو۔" میں پھر بولا۔

"ارے ارے تمہارا دماغ خراب ہوا ہے آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"یلو چینل کے بارے میں معلومات۔"

"کیوں۔" موہن لعل نے پوچھا۔

"یہ سوال کرنے کا حق آپ کو نہیں ہے موہن لعل جی۔"

"یلو چینل کے بارے میں تم کیا جانتے ہو...... پہلے اس بات کا جواب دو۔"

"اچھا...... اچھا چلئے یونہی سہی وہ ایک خطرناک تنظیم ہے۔"

"اور تم کون ہو؟"

"پھر بکواس پر اتر آئے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ کر اس کی پنڈلی پر ایک زوردار لات رسید کی، موہن لعل کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی تھی...... وہ جھکا لیکن میرے گھونسے نے ایسے پھر سیدھا کر دیا اور وہ کرسی کی پشت سے جا ٹکا...... اس گھونسے ہی سے اسے معلوم ہو گیا ہو گا کہ صورت حال اس کے حق میں کتنی خوفناک ہے، چنانچہ اب وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں شروع ہو جاؤ...... وہ تنظیم ہے اور کیا جاننا چاہتے ہو اس کے بارے میں۔"

"تمہارا اس سے کیا تعلق ہے۔"

"میں اس کا ایک رکن ہوں، اس کے لئے کام کرتا ہوں۔"

"کیا کام۔"

"لوگوں سے بلیک میلنگ کی رقم وصول کرنا میری ذمہ داری ہے۔"

"گڈ...... گڈ...... موہن لعل جی خوشی ہوئی آپ کی یہ بات سن کر، بہتر یہ ہے کہ جب انسان بے بس ہو جائے تو وہ سچ سچ اُگل دے...... ہاں تو موہن لعل جی اس تنظیم کے افراد کے بارے میں تفصیلات۔"

اگر تم تنظیم کے بارے میں تھوڑا بہت بھی جانتے ہو تو تمہیں اس بات کا علم ہو گا کہ یلو چینل کے ارکان کے بارے میں تفصیلات کسی کو نہیں معلوم ہوتیں...... وہ انتہائی پوشیدہ تنظیم ہے اور اپنے آپ کو انتہائی محفوظ رکھتی ہے۔

"واہ موہن لعل جی واہ...... گویا آپ کا مطلب ہے کہ آپ اس تنظیم کے اور کسی آدمی کو نہیں جانتے۔"

"نہیں بس ٹیلی فون وغیرہ پر ہم ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔" موہن لعل نے کہا۔

"نہیں مانتا بالکل نہیں مانتا...... صحیح صحیح صورت حال بتا دو، ورنہ جان سے جاؤ گے...... کیوں بلاوجہ ایڑیاں رگڑ رہے ہو۔" میں نے کہا...... میرے انداز گفتگو نے اب موہن لعل کو بالکل نروس کر دیا تھا...... وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا، پھر اس نے کہا۔

"تم یقین کرو ہم لوگ بس ایک دوسرے سے ضرورت پڑنے پر ہی رابطہ قائم کر سکتے ہیں...... ہمیں ایک دوسرے کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں معلوم ہوتیں۔"

"جو کچھ تفصیلات معلوم ہوتی ہیں وہ ہی بتا دیجئے، موہن لعل جی۔" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"مثلاً کیا پوچھنا چاہتے ہو تم۔"

"مثلاً یہ کہ آپ وصول شدہ رقومات کسی نہ کسی کو تو دیتے ہوں گے۔"

"ہاں۔"

"کسے دیتے ہیں۔"

"پنک ہاؤس کے کاؤنٹر مین کو۔"

"پنک ہاؤس۔"

"ہاں...... پنک ہاؤس۔" موہن لعل نے جواب دیا۔

"گرین روڈ پر ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔"

"کچھ نہیں...... مجھے تنخواہ ملتی ہے باقاعدہ میرا تعلق پنک بار ہی سے ہے، پنک بار کا کاؤنٹر مین بھی ان لوگوں کا ایجنٹ ہے...... میری طرح اور اس طرح ہم ایک دوسرے سے رابطہ قائم کر لیتے ہیں۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی موہن لعل۔" میں نے سوال کیا۔

"نہیں تم یقین کرو...... اس کے علاوہ میری اور کسی سے واقفیت نہیں ہے، اگر کوئی کام ہوتا ہے تو کچھ اجنبی چہرے میرے سامنے آجاتے ہیں اور اس کے بعد دوسری بار ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"یلو چینل کا سربراہ کون ہے۔"

"یہ ایک مزاحیہ سوال ہے۔" موہن لعل نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ یلو چینل کے سربراہ کے بارے میں بھلا کون جان سکتا ہے...... پھر کوئی ایک سربراہ ہو اس کا ہر شخص پتہ نہیں کیا کیا نظر آتا ہے۔" اس نے کہا اور میں گہری سانس لے کر اسے گھورنے لگا...... پھر میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہری چند کون ہے؟" میرے اس سوال پر موہن لعل میری آنکھوں میں دیکھتا رہا، پھر بولا۔

"شہر کا ایک بڑا آدمی۔"

"یلو چینل سے اس کا کیا تعلق ہے؟"

"وہ بھی یلو چینل کا ایجنٹ ہے۔"

"تم تو کہتے تھے کہ تم کسی کو نہیں جانتے۔"

"ایسے کچھ اور نام بھی میں تمہیں بتا سکتا ہوں، لیکن ان کی حیثیت بھی بس میری ہی طرح ہے...... بہت بڑی حیثیت کے مالک نہیں ہیں وہ۔" موہن لعل نے کہا۔

"چلو وہ نام ہی بتاؤ۔" اور موہن لعل نے میرے سامنے کئی نام دہرائے جنہیں میں نے اپنے ذہن میں نوٹ کر لیا...... پنک ہاؤس کے بارے میں بھی تفصیلات معلوم ہو گئی تھیں، اس کے علاوہ موہن لعل سے کچھ اور معلومات حاصل کرنا میرے لئے ممکن بھی نہیں تھا، کیونکہ سچی بات یہ ہے کہ یلو چینل نامی تنظیم کے بارے میں تفصیلات مجھے بھی نہیں معلوم تھیں، چنانچہ اب یہاں پر میرا کام ختم ہو گیا تھا اور اگر میرا کام ختم ہوا تھا تو پھر موہن لعل کا کام بھی ختم ہو جانا چاہئے تھا، چنانچہ میں نے اس کی پیشانی کا نشانہ لے کر پستول کا ٹریگر دبا دیا...... اس کی کھوپڑی تڑخی، گولی اندر گھس گئی اور موہن لعل دونوں ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا، پھر اسی طرح اوندھے منہ فرش پر آ رہا...... ایک ہی گولی نے اس کا کام تمام کر دیا تھا...... میں اطمینان سے پستول جیب میں رکھ کر باہر نکل آیا۔

پوجا میرا انتظار کر رہی تھی...... اس کی آنکھوں میں امید و بیم کی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں...... جب میں کار میں بیٹھا تو اس نے کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"کیا رہا؟" اس نے سوال کیا۔

"کام ہو گیا پوجا۔" میں نے جواب دیا۔

"اندر کون تھا۔"

"موہن لعل...... تم نے رما ٹھاکر کو واپس جاتے دیکھا ہو گا۔"

"ہاں دیکھا تھا، مگر موہن لعل سے کچھ معلومات حاصل ہوئیں...... اس سلسلے میں۔"

"ہاں پوجا...... ایک عمارت کا پتہ لگا ہے جس کا نام پنک ہاؤس۔"

"پنک ہاؤس...... شاید یہ تو کوئی ریستوران ہے۔" وہ بولی۔

"تم نے دیکھا ہے؟"

"ہاں...... گرین روڈ پر ہے۔"

"موہن لعل کا تعلق پنک ہاؤس سے ہے، پنک ہاؤس کو وہ بلیک میلنگ کی رقم ادا کرتا ہے، وہاں کاؤنٹر مین ہمارے کام کی چیز ہے۔" میں نے کہا اور پوجا عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی...... پھر گہری سانس لے کر خاموش ہوگئی۔

"ہوٹل واپس چلو پوجا...... ہم کچھ نئے فیصلے کریں گے۔"

"پنک ہاؤس نہیں چلو گے۔"

"ابھی نہیں...... ابھی انتظار کرنا پڑے گا۔" میں نے جواب دیا اور پوجا خاموش ہوگئی، تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل پہنچ گئے...... میں نے پروگرام کے تحت کچھ نئے فیصلے کیے تھے، چنانچہ میں نے پوجا کے ساتھ چائے پیتے ہوئے کہا۔

"ہمارے لئے اب یہ ہوٹل، بالکل موزوں نہیں ہے، کیا تم ایسی کسی عمارت کا انتظام نہیں کر سکتیں، جہاں رہ کر ہم اپنے کام کا آغاز کر سکیں۔"

"دہلی میں بے شمار عمارتیں ہماری اپنی ہیں، لیکن ان میں سے کسی میں جانا ٹھیک تو نہیں ہوگا، کیونکہ لوگ ہمیں پہچانتے ہیں۔"

"ہاں پوجا ایسی کسی عمارت میں ہم نہیں جائیں گے۔"

"تو پھر کوئی عمارت خرید لیتے ہیں۔"

"خریدنے کی ضرورت نہیں، کرائے پر بھی تو مکانات مل جاتے ہوں گے۔"

"ارے ہاں کیوں نہیں۔" پوجا نے کہا۔

"تو پھر کسی مناسب سی جگہ کوئی مکان کرائے پر حاصل کر لو...... بات یہ ہے پوجا کہ اب تو اس تنظیم کے خلاف ہمارے مشن کا آغاز ہو ہی گیا ہے، اس کے بعد تو بڑے ہنگامے

ہوں گے۔"

"یہ کام ہم آج ہی کیے لیتے ہیں۔"

"ہاں...... ہمارے پاس ابھی کافی وقت ہے۔" میں نے کہا اور پوجا خاموش ہوگئی، پھر دفعتاً اس نے چونک کر کہا۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ موہن لعل کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا۔"

"وہی جو کرنا چاہئے تھا۔" میں نے جواب دیا اور پوجا چونک کر مجھے دیکھنے لگی، پھر آہستہ سے بولی۔

"میں نہیں سمجھی۔"

"مجھے بتاؤ تو سہی شام...... تم نے کیا کیا آخر۔"

"اسے آسمانوں کی طرف روانہ کر دیا۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ...... ختم کر دیا۔"

"ہاں پوجا...... کیا تمہیں اس بات سے افسوس ہوا۔"

"افسوس اور مجھے ان لوگوں کی موت پر جو میرے پورے خاندان کے قاتل ہیں، تم کیسی باتیں کرتے ہو شام...... ہم ان کے ہاتھوں ستائے ہوئے ہیں، ہمیں بھلا ان سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔"

"پوجا میں یلو چینل تنظیم کے دل میں ایسی دہشت بٹھاؤں گا کہ تم بھی یاد کرو گی...... یلو چینل کے لوگ اپنے آپ کو ناقابل تسخیر سمجھتے ہیں ناں...... میں انہیں بتاؤں گا کہ ناقابل تسخیر کون ہے۔"

"شام ایک سوال کروں تم سے۔" پوجا نے کہا۔

"ہاں ضرور۔"

"تم پہلے تو ایسے نہ تھے۔"

"پہلے یہ سب کچھ ہوا بھی تو نہیں تھا، پوجا، ان لوگوں نے مجھے ایک بار پھر ویران

کر دیا ہے...... محبت کرنے والی ماں جس کی آغوش کے ایک لمس کے لئے میں ساری زندگی تڑپا ہوں، وہ ماں صرف ایک لمس مجھے دے کر اس دنیا سے رخصت ہو گئی...... وہ خود نہیں گئی، اسے مجھ سے چھین لیا گیا...... میں اس ماں کو کیسے بھول سکتا ہوں...... پوجا جس نے میری پیاسی زندگی میں پہلی بار سکون کے کچھ لمحات دیئے تھے، میں تو اپنی ساری زندگی اس کی آغوش میں بسر کر دینا چاہتا تھا، مگر وہ آغوش مجھے کتنی دیر کے لئے ملی، کیا اس کے بعد وہ لوگ قابل رحم ہیں...... نہیں پوجا نہیں...... انہیں زندہ در گور کرنا اب میرا کام ہے...... تم دیکھتی رہو میں ان کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔'' پوجا خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی، پھر بولی۔

''چلو...... اب ہمیں اپنے باقی کام کر لینا چاہئیں۔'' اور ہم دونوں ایک بار پھر کار میں بیٹھ کر نکل آئے۔

میں نے اپنے بارے میں غلط نہیں کہا تھا...... میری زندگی اب ایک کٹی پتنگ کی مانند تھی، جو کبھی اس طرف گرتی تھی اور کبھی دوسری طرف ایک بے سہارا زندگی جس کی ڈور کسی سے نہیں بندھی تھی...... راستے میں ہم سفر آجاتے تھے...... ان کے ساتھ کچھ لمحات گزر جاتے اور اس کے بعد میں آگے بڑھ جاتا...... میں نے اپنے آپ کو ہوا کے دوش پر چھوڑ دیا تھا، یہ ہوا مجھے بہا کر جدھر بھی لے جائے...... میری اپنی کوئی منزل نہیں تھی...... کوئی راستہ نہیں تھا، اس دنیا میں بے کار کسی گوشے میں کہیں تنہا بیٹھ کر زندگی نہیں گزاری جاسکتی تھی۔

چنانچہ اپنے آپ کو با عمل رکھنا چاہتا تھا...... اس وقت تک جب تک دشمن کی گولی میرے سینے میں سوراخ نہ کر دے...... ہاں میں نے اپنے سینے کو کشادہ چھوڑ دیا تھا...... ان لوگوں کے لئے جس کا دل چاہے مشق ستم کرے، ایک مصرف آدمی کے لئے اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

اب یہ سب راستے میں آگئے تھے، البتہ اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ معمر عورت نے جو محبت مجھے دی تھی وہ کسی کے طفیل ہی سہی لیکن اس لمس کو میں اپنی زندگی کا سب سے قیمتی لمحہ کہہ سکتا تھا...... جب مجھے ایک ماں کا پیار ملا تھا آہ...... میں کتنا ترسا ہوا تھا...... ان ساری چیزوں کو پوجا کے ساتھ میں نے کوشش کر کے ایک عمدہ سا مکان حاصل کر لیا تھا۔

یہ مکان ہماری توقع کے عین مطابق تھا اور یہاں رہ کر ہم اپنی کارروائیوں کا آغاز

کر سکتے تھے...... اس کے ساتھ ساتھ ہی ہم نے مختلف ذرائع سے کچھ اور خریداریاں بھی کی تھیں...... پوجا بھی میری طرح انتقام کی بھٹی میں سلگ رہی تھی اور اس کے سینے میں یلو چیپل کے ایک ایک فرد کے خلاف نفرت تھی، وہ چاہتی تھی کہ یلو چیپل کے ایک ایک فرد کا خاتمہ ہو جائے...... ابھی تک ہمیں ہری چند کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم ہو سکی تھیں لیکن اس سے پہلے پنک ہاؤس میرے لئے قابل توجہ تھا۔

موہن لعل نے مرتے ہوئے بتایا تھا کہ ہری چند اس شہر کا بڑا آدمی ہے، اس سلسلے میں بھی ہم نے معلومات حاصل کی تھیں، لیکن کسی ایسے ہری چند کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا تھا جو کسی بڑی شخصیت کا مالک ہو اور کاروباری حیثیت رکھتا ہو...... بہر حال اس کے بعد پنک ہاؤس ہماری نگاہوں کا مرکز تھا۔

میں نے خاصا سوچ سمجھ کر چند فیصلے کئے اور پھر ایک دن ہم دونوں تیار ہو کر پنک ہاؤس کی جانب چل پڑے، ایک خطرناک مہم کا آغاز ہو گیا تھا اور زندگی کے اس انوکھے موڑ پر میں خود کو آزمانا چاہتا تھا۔

پوجا خاموشی سے کار ڈرائیو کر رہی تھی اور ہماری کار گرین روڈ کی جانب دوڑ رہی تھی۔ تب میں نے پوجا سے کہا۔

"ایک بات میرے ذہن میں بار بار آ رہی ہے پوجا۔"

"کیا؟"

"تمہارا ہر لمحہ میرے ساتھ دیکھا جانا مناسب نہیں ہو گا...... بے شک ہم دونوں مل کر کام کر رہے ہیں، لیکن کیا ضروری ہے کہ ہم ہر جگہ ایک ساتھ دیکھے جائیں۔"

پوجا کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"بات کسی حد تک ٹھیک ہے۔"

"تو پھر کیا فیصلہ کیا تم نے اس بارے میں۔"

"جیسا تم پسند کرو، ظاہر ہے ہمیں کسی سلسلے میں کوئی اعتراض تو نہیں ہو سکتا۔"

"میرا خیال ہے...... پوجا کہ تم مجھے پنک ہاؤس کے قریب چھوڑ کر کہیں اور نکل جاؤ۔"

"کہیں اور کیوں میں باہر تمہارا انتظار کیوں نہ کروں۔"

"نہیں میرا انتظار کرنا مناسب نہیں ہو گا۔"

"اگر تم اسے بہتر سمجھتے ہو تو مجھے اس پر بھی اعتراض نہیں ہے، لیکن اچانک تم نے اپنے فیصلے میں یہ تبدیلی کیوں پیدا کی۔"

"اس لئے کہ ہم میں سے ایک پھنس جائے تو دوسرا اس کی مدد کر سکے...... اگر دونوں ایک ساتھ پھنس گئے تو پھر یہ مصیبت بن جائے گی...... اس کے علاوہ ایک اور بات بھی میرے ذہن میں ہے...... وہ یہ کہ اگر ان لوگوں کو ہماری تلاش ہوئی تو ہم دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھ لیا جائے گا...... ہونا یہ چاہئے کہ ہم دونوں الگ الگ رہیں۔"

"یہ تم نے پہلے بھی کہا تھا، لیکن اس کے بعد اپنا پروگرام تبدیل کر دیا تھا۔"

"اس وقت کی بات اور تھی پوجا اب صورت حال ذرا مختلف ہے۔"

"تو اس میں کوئی حرج نہیں، میں تمہیں تنہا چھوڑ سکتی ہوں، لیکن حالات سے مجھے آگاہ رکھنا ضروری ہے۔"

"تم فکر مت کرو، میں تمام صورت حال سے تمہیں باخبر رکھوں گا۔" پوجا نے گرین روڈ پر پہنچ کر پنک ہاؤس سے تھوڑے فاصلے پر کار روک دی اور کہنے لگی۔

"کار کی یہ چابی تم رکھ لو، میں ٹیکسی سے جاؤں گی اور بے فکر رہو دوسری کار کا انتظام با آسانی ہو جائے گا۔"

"ٹھیک...... ہو سکتا ہے مجھے اس کی ضرورت پیش آ جائے۔" میں نے کہا اور پوجا مجھ سے رخصت ہو کر چلی گئی...... میں کار کو پنک ہاؤس کے سامنے والے پارکنگ لاٹ پر لے آیا...... یہاں میں نے ایک ایسی جگہ کار پارک کی جہاں اسے نکالنے میں دشواری نہ ہو اور اس کے بعد چابی ہلاتا ہوا پنک ہاؤس کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا۔

خاصی عمدہ جگہ تھی...... بڑا خوب صورت سا ریسٹوران تھا...... میں اندر پہنچ گیا......

ریستوران میں رش نہیں تھا، اندر داخل ہو کر میں نے اندر کا جائزہ لیا...... ایک ایک چہرے کو گہری نگاہ سے دیکھا...... میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں میں خود تو کسی کی نگاہ کا مرکز نہیں ہوں، لیکن ایسا کوئی اندازہ مجھے نہیں ہو سکا اور میں ایک میز پر جا بیٹھا۔

موہن لعل کی موت کے اثرات کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا...... بہر طور میز پر بیٹھ کر میں نے کاؤنٹر مین کی جانب دیکھا...... چہرے ہی سے خاصا خطرناک آدمی نظر آتا تھا...... گھنی مونچھیں بہت بڑی تھیں...... تھوڑی پر زخم کا ایک نشان تھا، وہ انتہائی شریف آدمی نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن کافی خطرناک آدمی محسوس ہوتا تھا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دفعتاً میری نگاہیں ایک چہرے کی جانب اُٹھ گئیں...... بڑی اچھی شکل کی عورت تھی اور میری ہی جانب دیکھ رہی تھی...... میری نگاہیں اس سے چار ہوئیں تو اس نے منہ پھیر کر دوسری طرف کر لیا...... میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

مقامی ہی معلوم ہوتی تھی، لیکن انتہائی پر کشش، سادہ سے لباس میں ملبوس تھی...... چند لمحات میں اسے دیکھتا رہا اور پھر دوسری طرف متوجہ ہو گیا، زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ عورت اپنی جگہ سے اُٹھی اور میرے نزدیک پہنچ گئی۔

"ایکسکیوزمی...... اگر آپ اجازت دیں تو میں تھوڑی دیر۔"

"تشریف رکھئے...... میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" میں نے اجنبی انداز میں کہا۔

"ضروری نہیں ہے کہ دو ملنے والے پہلے سے آپس میں شناسا ہوں۔" اس نے کہا۔

"اوہ...... یقیناً آپ نے صحیح کہا...... شناسائی کے لئے قدم آگے تو بڑھانا ہی پڑتے ہیں۔"

"بے شک۔" وہ مسکرا کر بولی...... اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کشش تھی۔"

"آپ کے لئے کیا منگواؤں۔"

"جو دل چاہے منگوا لیجئے...... اب تو آپ کی مہمان ہوں۔" اس نے کہا اور میں نے ویٹر کو بلا کر ایک مشروب کا آرڈر دے دیا...... اس کے بارے میں، میں گہرے انداز میں سوچ رہا تھا...... عمر ستائیس اٹھائیس کے درمیان ہو گی، چنانچہ اسے لڑکی نہیں کہا جا سکتا تھا، لیکن چہرا

پر کشش اور جسم انتہائی متناسب اور بھرا بھرا تھا...... لباس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں تھی جو کوئی خاص اشارہ کرتی ہو۔

اس کی آمد کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی تھی...... نجانے کیوں وہ مجھ سے شناسائی حاصل کرنا چاہتی تھی، مشروب کا گھونٹ لیتے ہوئے اس نے مسکرا کر مجھے مخاطب کر کے کہا۔

"میں خود ہی اپنا تعارف کراؤں یا آپ مجھ سے میرے بارے میں پوچھیں گے۔"

"اوہ سوری...... بس آپ کی شخصیت میں گم ہو کر میں رسمیات بھول گیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا نام کاجل ہے۔"

"اور مجھے شام کہتے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔

"کیوں۔"

"ہمارے نام کے کچھ الفاظ آپس میں ملتے جلتے ہیں۔"

"ہاں۔" میں گہری سانس لے کر بولا...... اب میرے ذہن میں یہ بھی خیال آیا تھا کہ ممکن ہے وہ کوئی کاروباری عورت ہو اور اس طرح اپنے لئے شکار تلاش کرتی ہو...... بہر حال میں اس کا شکار کسی قیمت پر نہیں بن سکتا تھا...... وہ میری آنکھوں میں دیکھتی رہی اور پھر آہستہ سے بولی۔

"مسٹر شام آپ کے مشاغل کیا ہیں۔"

"بس آوارہ گرد ہوں...... کوئی مشغلہ نہیں ہے۔"

"براہ کرم ہاتھ آگے بڑھایئے۔" اس نے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"پلیز۔" وہ آہستہ سے بولی اور میں نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا...... چند لمحات میرے ہاتھ کی طرف دیکھتی رہی اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"اوہ...... گویا میرا خیال درست ہی تھا، آپ کے بارے میں۔"

"کیا مطلب۔"

"مسٹر شام حالانکہ کسی سے کوئی ایسی بات نہیں کہنی چاہئے...... میں اپنے فن کو بار بار آزماتی ہوں...... اپنے آپ کو آزماتے رہنا چاہتی ہوں اور بعض اوقات مجھے اس سلسلے میں نقصانات بھی اٹھانے پڑتے ہیں...... کیا آپ اس بات پر یقین کریں گے کہ آپ کا چہرہ دیکھ کر ہی اس طرف آئی تھی اور آپ کے چہرے پر میری نگاہ کسی خاص وجہ سے نہیں اٹھی تھی...... بلکہ اتفاق محض اتفاق۔"

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں مس کاجل۔"

"مجھے مس نہ کہیں، بیوہ ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"اوہ بہت افسوس ہوا یہ سن کر لیکن میں پھر اپنا سوال دہراتا ہوں...... آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔" میں نے کہا۔

"آپ قاتل ہیں مسٹر شام آپ قاتل ہیں...... آپ کے چہرے کی لکیریں اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ آپ نے اپنی زندگی میں لاتعداد نشیب و فراز دیکھے ہیں...... بڑے بڑے خطرناک لمحات سے گزرے ہیں آپ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی آپ کے ہاتھ کی بناوٹ بتاتی ہے کہ آپ کے ہاتھوں بے شمار قتل ہوئے ہیں اور شاید حال ہی میں آپ نے کسی کو قتل کیا ہے۔ یہ ایک انتہائی خطرناک بات ہے مسٹر شام...... کیونکہ میرا یہ کہنا میرے لئے بھی موت کا سبب بن سکتا ہے، لیکن مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں، میں اپنے فن سے انصاف برتنا جانتی ہوں کہ آپ نے حال ہی میں ایک اور قتل کیا ہے۔" میرے رگ و پے میں سنسنی دوڑ گئی تھی...... میں اس جادوگر عورت کی جادوگری کو تو خیر تسلیم نہیں کر سکتا تھا، لیکن ایک بات میں نے اپنے طور پر ضرور سوچی...... یقیناً اس کا تعلق یلو چینل سے ہے۔

میں نے گہری نگاہوں سے اس خوب صورت عورت کو دیکھا اور سوچا...... بے وقوف لڑکی تیری یہ غیب دانی ہی تیری موت بن جائے گی، غلط آدمی سے ٹکرا گئی ہے، لیکن اب کیا قصور جو کچھ تیرے مقدر میں ہے۔

وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی...... پھر اس نے کہا۔

"کس سوچ میں ڈوب گئے مسٹر شام۔"

"تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"یہی کہ کتنی بے وقوف عورت ہے...... کسی قاتل کو یہ بتا کہ وہ قاتل ہے، اپنی جان مصیبت میں پھنسا بیٹھی ہے۔" اس نے کہا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"نہیں کچھ اور۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"بتانا پسند کرو گے۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم نے کتنی آسانی سے ایک شریف آدمی کو قاتل بنادیا۔"

"میں نے نہیں مسٹر شام حالات نے۔"

"کیا ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی اچھی چیز ہوتی ہے۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی۔"

"میرے خیال میں اس میں اچھائی کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"بعض اوقات نفع نقصان نظر انداز کرنا پڑتا ہے مسٹر شام۔" اس نے کہا میری آنکھیں گہرائی سے کاجل کا جائزہ لے رہی تھیں...... یہ عورت مجھ سے کیا چاہتی ہے، میں نے اس سے کہا۔

"بہر حال اگر آپ بہت ذہین ہیں تو میں اس سے متاثر نہیں ہو سکتا۔"

"مگر میں تمہیں متاثر کرنا چاہتی ہوں۔" اس بار وہ سنجیدہ ہو گئی۔

"بہت خوب...... اس سے آپ کیا حاصل کریں گی۔"

"ساری باتیں ایک ساتھ پوچھ لو گے۔" وہ انداز معصومیت سے بولی اور میں دل ہی دل میں ہنس پڑا...... میں نے سوچا کہ محترمہ آپ بہت بڑی مزاج شناس ہیں، چہروں کو دیکھ کر ہی یہ اندازہ لگا لیتی ہیں کہ کس نے کیا کیا ہے، دل ہی دل میں میں نے اس کی اس بات کو ضرور سراہا تھا کہ اس نے مجھے قاتل سمجھ لیا تھا اور یہ تک کہہ دیا تھا کہ میں نے حال ہی میں کوئی قتل

کیا ہے...... چہرہ شناسی کے عجوبات کا میں قائل تھا...... ساری زندگی ہی تجربات میں گزری تھی...... بھانت بھانت کے لوگ اپنی صلاحیتوں کے ساتھ میرے سامنے آئے تھے، چنانچہ میں اس فن کو مانتا تھا اور میں نے کاجل کی اس قیافہ شناسی کو مان لیا تھا، لیکن میرے سلسلے میں وہ مار کھا گئی تھی...... یہ انداز محبوبیت میرے سینے میں اب کوئی جگہ نہیں رکھتا تھا...... میں نے تو اتنا کچھ دیکھا تھا کہ اب دیکھنے کی ہوس بھی نہیں رہی تھی۔

وہ چند ساعت پر خیال انداز میں میز کی سطح کھٹکھٹاتی رہی پھر اس نے میری آنکھوں میں دیکھا اور دیر تک دیکھتی رہی، پھر ایک گہری سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹک گئی۔

"تم لمحہ لمحہ میرے مزاج پر حاوی ہوتے جا رہے ہو۔"

"کیا یہ کمال کی بات نہیں ہے کاجل۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں کچھ لوگوں کو کسی پر قابو پا لینے میں کمال حاصل ہوتا ہے اور تم ان ہی میں سے ایک ہو۔"

"میں نے کس پر قابو پا لیا۔" میں نے سوال کیا۔

"مجھ پر۔"

"اوہو...... اتنے مختصر وقت میں۔"

"قابو پانے کے لئے ایک لمحہ کافی ہوتا ہے۔" اس نے کہا۔

"میرے لئے یہ انکشاف ہے کاجل۔"

"مذاق اڑائے جاؤ گے میرا...... کیا سمجھتے ہو مجھے یہ بتاؤ۔"

"اوہ میں آپ کو ایک قابل احترام خاتون سمجھتا ہوں اور بس۔"

"ظاہر ہے ابتدائی ملاقات میں کسی کے بارے میں صرف اتنا ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔"

"دیکھو شام...... یہ صرف اتفاق ہے کہ یہاں پنک ہاؤس میں ہماری ملاقات ہو گئی، مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے میرے قدم اسی وجہ سے مجھے پنک ہاؤس لائے تھے کہ تم سے ملاقات ہو جائے۔"

"مگر محترمہ اس مختصر ملاقات میں مجھے آپ سے اور آپ کو مجھ سے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔"

"بہت کچھ۔" وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

"تو ذرا فرما دیجئے۔"

"میری صلاحیتوں کا امتحان لینا چاہتے ہو اپنے شبہے کی تصدیق کر لینے کے خواہش مند ہو۔"

"شبہ۔"

"ہاں شبہ۔"

"کیسا شبہ۔"

"یہ میں نہیں جانتی، لیکن مجھے یوں اندازہ ہوتا ہے جیسے تم میرے بارے میں کچھ سوچ رہے ہو...... ذرا ایک بار پھر اپنے ذہن میں وہ باتیں لاؤ، جو تم ابھی میرے بارے میں سوچ رہے تھے۔" اس نے کہا اور میں تعجب سے اس کی شکل دیکھنے لگا...... میرے ذہن میں وہی خیالات آئے تھے، میں نے سوچا تھا کہ یہ عورت یلو چینل سے متعلق ہے اور پھر جب وہ بولی تو میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"دیکھو میں جادوگر نہیں لیکن میں نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ دنیا کے مختلف علوم سیکھنے میں گزارا ہے...... میں جانتی ہوں کہ ایک کمزور عورت ہونے کی وجہ سے میں ان علوم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکی اور اپنے طور پر ہی انہیں استعمال کرتی رہی ہوں، لیکن شاید تمہیں یہ سن کر تعجب ہو کہ ان علوم کے حصول کی وجہ سے ہی مجھے اپنے تمام قیمتی سرمائے کھو دینا پڑے۔"

"دلچسپ گفتگو ہو رہی ہے...... ایک کے بعد ایک نیا انکشاف کر رہی ہیں آپ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں شام ہاں...... تم پر یہ انکشافات نئے ہیں میرے دل سے پوچھو ان کی حقیقت۔"

"کاجل...... آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔" اس بار میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"شام مجھے تمہارے وجود میں ایک بھٹکا ہوا انسان نظر آتا ہے، میں تمہارے تجربہ کی زندگی کو چیلنج نہیں کر سکتی...... میں جانتی ہوں تمہاری آنکھوں کا انداز تمہارے چہرے کی ایک ایک شکن بتاتی ہے کہ اس میں تجربات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں، لیکن نجانے کیوں تم میری طرف سے لاپرواہی برت رہے ہو تو میں کہہ رہی تھی کہ میں تمہیں ایک بھٹکا ہوا انسان سمجھتی ہوں...... وہ جو کسی کی تلاش میں سرگرداں ہے وہ جو کچھ چاہتا ہے شام انسان اس دُنیا میں کسی کو کچھ نہیں دے سکتا، لیکن سب ایک دوسرے کی مدد کے سہارے زندہ رہتے ہیں...... انسانی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لو یہ جذبہ یہ احساس تمہیں ہر جگہ ملے گا، اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اتفاق سے یہ ملاقات کے لمحات میرے لئے ایک مقصد کا باعث بن گئے ہیں تو کیا تم اسے فریب کہو گے...... مجھے بتاؤ کہ تم میرے بارے میں اپنے ذہن میں کیا شبہ رکھتے ہو...... اگر تم اس بات کا جواب دے دو گے تو میں اس کے بعد آگے کی بات بتاؤں گی۔

"تم نے ابھی مجھے قاتل کہا۔"

"ہاں کہا اور اس سے کبھی بھی انحراف نہیں کروں گی۔"

"جبکہ میں قاتل نہیں ہوں۔"

"اگر تم قاتل نہیں ہو تو میں اپنے اس فن پر لعنت بھیجتی ہوں جس نے مجھے غلط راستوں پر بھٹکایا اور اگر ہو تو مجھ سے آگے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ میں اپنے ذہن میں وہ باتیں دہراؤں جو میں نے تمہارے بارے میں سوچی تھیں یا جو کچھ. میرے ذہن میں ہے، کیا اندازہ لگایا اس احساس سے تم نے، کیا تم ٹیلی پیتھی کی ماہر ہو۔"

"نہیں قطعی نہیں ٹیلی پیتھی ایک الگ فن ہے اور میرا فن اس سے مختلف ہے۔"

"مطلب۔"

"ذہن میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں...... چہرے کے عضلات ان کا اثر قبول کرتے

ہیں، وہ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو اپنے چہروں کو سپاٹ رکھنے پر قدرت حاصل کر لیتے ہیں، ورنہ ذہنی سوچ کا عکس چہرے کی لکیروں پر پڑتا ہے اور میں ان ہی لکیروں کو پڑھنے کی ماہر ہوں۔"

"کیا یہ ایک نیا اور اجنبی فن نہیں ہے۔"

"ہاں ہے...... ابھی دنیا اس سے قطعی روشناس نہیں ہوئی، لیکن اس کی حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔"

"میں تسلیم کرتا ہوں...... بات واقعی درست ہے، چہرے تاثرات دماغی سوچ سے متعلق ہوتے ہیں، میرے بارے میں کیا اندازہ لگایا ہے تم نے۔"

"سنو گے تو بھڑک اُٹھو گے...... میں تمہیں بھڑکانا نہیں چاہتی۔"

"چلو وعدہ کاجل...... نہیں بھڑکوں گا، اب کہو۔"

"تم میرے بارے میں شک و شبہات رکھتے ہو...... یہاں پنک ہاؤس میں تم کسی خاص مقصد سے آئے ہو...... تم اپنی زندگی کے کسی ایسے مشن میں مصروف ہو جس میں تمہیں مکمل ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔" اس نے کہا اور اب میری چونکنے کی باری تھی۔

"کون ہے یہ عورت کون ہے...... کتنا جانتی ہے یہ میرے بارے میں...... کیا اس کا فن اس کو سب کچھ بتا رہا ہے، یا یہ صرف مجھے بے وقوف بنا رہی ہے...... اگر ایسی بات ہے تو اس بے وقوف بنانے والی عورت سے اچھی طرح نمٹنا ضروری ہو گا۔"

"نہیں...... ہرگز نہیں...... میں تمہیں بے وقوف ہرگز نہیں بنا رہی...... میں تم سے فراڈ نہیں کر رہی، جس طرح چاہو آزما لو...... انتقامی کارروائی یا کوئی غلط ذہنی جذبہ رکھ کر میرے بارے میں برے انداز میں سوچنا مناسب نہیں ہو گا۔" وہ بولی اور میں نے ایک لمحہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں...... گویا اب میرا چہرہ اس کے سامنے کھلی کتاب کی مانند تھا اور وہ اسے پڑھ کر اس کے سامنے تفصیل دہرا رہی تھی۔

"آنکھیں بند کرنے سے کچھ نہیں ہوتا...... چہرے کی لکیریں جوں کی توں رہتی

ہیں۔" وہ بولی اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔

"تم واقعی خطرناک عورت ہو۔"

"نہیں ہرگز نہیں مجھے آزما کر تو دیکھو۔"

"اچھا چلو ٹھیک ہے مجھ سے کیا چاہتی ہو۔"

"اتفاق سے مجھے اپنی پسند کا ایک شخص مل گیا ہے...... میں تم سے امداد کی خواہاں ہوں۔"

"کس سلسلے میں۔"

"ان لوگوں سے انتقام لینے کے سلسلے میں جنہوں نے میری زندگی برباد کر کے رکھ دی ہے۔"

"تمہاری زندگی کے ساتھ کیا کیا گیا ہے۔"

"ایک لمحہ میں اتنی تفصیل معلوم کر لینا مناسب نہیں ہو گا...... مجھے تمہارے جیسے کسی شخص کے تحفظ کی ضرورت ہے۔"

"تمہیں یہ کیسے یقین ہو گیا کہ میں اتنا ہی فارغ آدمی ہوں۔"

"پھر وہی سوال کر رہے ہو جس کا جواب ابھی ابھی دے چکی ہوں۔"

"اوہ...... اچھا اچھا...... کیا تم یہ بھی بتا سکتی ہو کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔"

"نہیں...... میں نے کہا نہ لفظ بلفظ تو نہیں بتا سکتی کچھ بھی...... البتہ کوئی ایسا جذبہ کوئی ایسا احساس تمہیں یہاں لایا ہے جو انتقامی کیفیت رکھتا ہے اور جس میں تم ایک الگ انداز میں کچھ کرنا چاہتے ہو۔" اب میں نے دل میں اس عورت کو تسلیم کر لیا تھا، پھر میں نے کہا۔

"میرے دل میں تمہارے بارے میں ایک خیال آیا تھا۔"

"ہاں...... وہ یہ کہ شاید میرا تعلق بھی تمہارے انہی دشمنوں سے ہے جن سے تم نبرد آزما ہو۔"

"بالکل ٹھیک ہے یہی سوچا تھا۔"

"میں ان میں سے نہیں ہوں، بس یوں سمجھ لو کہ پنک ہاؤس اکثر آتی رہتی ہوں......

اپنے ان خطرناک دشمنوں کی تلاش میں جو میری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں، ممکن ہے ہم دونوں مل کر اپنے اپنے دشمنوں کا خاتمہ کر لیں...... بولو کیا تم میری اس حیثیت کو قبول کر لو گے، کیا تم مجھ سے دوستی کر سکتے ہو؟"

"ہم دوست تو بن چکے ہیں کاجل میرا خیال ہے یہ کافی ہے۔" میں نے کہا۔

"تم ایک بات کو ذہن میں رکھو، میری ذات سے تمہیں کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، بلکہ اگر ہم دونوں کا مقصد ایک ہو جائے تو پھر ہم ایک دوسرے کے لئے کارآمد ہو سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے پنک ہاؤس میں...... میں ایک خاص مقصد کے لئے آیا تھا، لیکن میرا خیال ہے کہ تم سے ملاقات کرنے کے بعد میرا کوئی اور مقصد نہیں رہا، میرے ذہن میں۔"

"تو پھر آؤ اُٹھیں یہاں سے۔"

"کہاں۔"

"میری کوٹھی پر چلو۔"

"ٹھیک ہے جیسا تم پسند کرو...... میرے پاس میری کار موجود ہے۔" میں نے کہا۔

"میری کار کا تعاقب کرنا۔" وہ بولی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں وہاں سے اُٹھ گئے۔

"باہر نکل کر میں نے پوجا کے بارے میں سوچا...... پوجا بے شک ایک بہترین معاون تھی، لیکن ذہنی طور پر وہ اتنی برتر نہیں تھی کہ میرے قدم بہ قدم چل سکے...... میرے ذہن میں اب جو منصوبہ آیا تھا...... وہ مختلف قسم کا تھا اور میں اس سلسلے میں اعلیٰ پیمانے پر کام کرنا چاہتا تھا...... پوجا کے ذریعے مالی مسئلے حل ہو جاتے تھے...... اس کے علاوہ اور کوئی ایسی بات نہیں تھی...... پوجا کو الگ رکھ کر میں زیادہ موثر انداز میں کام کر سکتا تھا...... پہلے بھی میں نے اس بارے میں سوچا تھا، لیکن پھر یہ سوچ کر نظرانداز کر دیا تھا کہ پوجا بے چاری تنہا کہاں رہے گی، لیکن اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ کاجل اگر واقعی میرے لئے کارآمد ثابت ہو سکتی ہے تو یہ زیادہ خطرناک عورت ثابت ہو گی اور اس کے ذریعے میں اپنے مسائل حل کر سکوں گا۔

پوجا سے اس سلسلے میں معذرت کر لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا...... اسے بس یہ بتانا کافی

ہو گا کہ میں یلو چینل کے راستے پر پڑ گیا ہوں اور اب اس سے علیحدگی ہی مناسب ہے...... پوجا کے سینے میں انتقام کی آگ روشن ہے، جہاں بھی اس کی ضرورت پیش آئی میں اسے ضرور تکلیف دوں گا، لیکن یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں کاجل کے ساتھ مقیم ہوں...... عورت کا معاملہ ذرا مختلف ہوتا ہے...... پوجا اچھی خاصی راستے پر چل رہی ہے، لیکن جب اسے یہ معلوم ہو گا کہ میں کاجل کے ساتھ وقت گزار رہا ہوں تو شاید وہ مجھ سے برگشتہ ہو جائے...... تمام تر تجربات یہی کہتے تھے کہ ہمیشہ انسان کو ذہانت سے کام لینا چاہئے۔

کاجل کی کوٹھی میری توقع سے کہیں زیادہ شاندار تھی...... وسیع و عریض گیٹ سے گزرنے کے بعد ہم پورچ میں پہنچ گئے...... دونوں نے کاریں روکیں اور میں کاجل کے ساتھ اندر کی جانب چل پڑا، چند ملازم قسم کے لوگ نظر آ رہے تھے، اس کے علاوہ کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی، جو کاجل پر حاوی ہوتی...... وہ مجھ کو لئے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی۔

"یہ میری رہائش گاہ ہے۔"

"تمہارے ذرائع آمدنی کے بارے میں پوچھ سکتا ہوں کاجل۔"

"ہاں...... میرے مرحوم شوہر کی چھوڑی ہوئی کروڑوں روپے کی جائیداد میری ملکیت ہے...... لوگ مجھے ایک عیاش بیوہ سمجھتے ہیں، مختلف پارٹیوں اور فنکشنوں میں آتی جاتی رہتی ہوں...... زندگی کے کئی روپ اپنا رکھے ہیں...... میں نے جس میں سے ایک تم نے اس وقت دیکھا، اگر مجھے کوئی اس حالت میں پنک ہاؤس جیسی بدنام جگہ دیکھ لیتا تو کبھی یقین نہ کرتا کہ میں کاجل ہوں۔"

"کاجل تمہارے شوہر کا نام کیا تھا۔"

"گووند لعل۔" اس نے جواب دیا۔

"گویا تمہیں کاجل گووند لعل کے نام سے جانا جاتا ہو گا۔"

"ہاں...... تمہارا کہنا درست ہے۔"

"اور تم سماجی حلقوں کی ایک بہت بڑی شخصیت ہو گی۔"

"یہ بھی کسی حد تک ٹھیک ہے، لیکن یہ سمجھ لو کہ کچھ لوگ میری زندگی کے در پے ہیں۔"

"وہ کیوں؟"

"وہ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میری طویل دشمنی چل رہی ہے اور میری زندگی کا ایک خاص مقصد ہے۔"

"اچھا اب ان لوگوں کے بارے میں بتاؤ کون لوگ ہیں وہ۔"

"ان لوگوں کا تعلق ایک بہت بڑی تنظیم سے ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں چونک پڑا۔

"اور اس تنظیم کا نام یلو چینل ہے۔" میں ساکت ہو گیا تھا، کاجل میرے چہرے کی طرف دیکھتی رہی، پھر ایک دم سے چونک پڑی۔

"ارے کیا واقعی...... کیا واقعی؟"

"کیا؟" میں نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا۔

"گویا تمہارے اور ہمارے مشترکہ دشمن ایک ہی ہیں۔" اس نے سوال کیا۔

"ایسا ہی لگتا ہے کاجل...... ایسا ہی لگتا ہے۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہوئی شام...... یہ تو اور بھی اچھی بات ہوئی، اس سے اچھی تو اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"کاجل اس کا مطلب ہے کہ تم یلو چینل کے بارے میں مجھ سے زیادہ ہی جانتی ہو گی، تمہاری ذہانت اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ تم نے اب تک اپنے کام میں نمایاں کامیابی حاصل کر لی ہو گی۔"

"نمایاں نہ کہو بس تھوڑا بہت اس سلسلے میں کامیابی حاصل کر سکی ہوں، عورت ہوں نا بے شمار راستوں پر میرے قدم رک جاتے ہیں، مجھے ایسے کسی ٹھوس اور مضبوط سہارے کی ضرورت تھی جو میرا اس مشن میں معاون ثابت ہو۔"

"اگر یلو چینل کے خلاف تمہارا مشن جاری ہے تو پھر یہ سمجھ لو کہ میں تمہارا ساتھی ہوں۔"

"تو پھر ہاتھ ملاؤ۔" اس نے کہا اور میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا..... اس نے گرم جوشی سے میرا ہاتھ بھینچ کر چھوڑ دیا تھا۔

"اچھا اب یہ بتاؤ..... کاجل..... یلو چینل کے سرکردہ لوگوں کے بارے میں تمہاری کیا معلومات ہیں۔"

"اگر تم یلو چینل کے کسی ایک آدمی کو اس تنظیم کا سربراہ کہتے ہو تو یہ تمہاری غلطی ہے، مختلف لوگ اس تنظیم میں بڑا کردار رکھتے ہیں..... یہ دوسری بات ہے کہ انہیں کنٹرول کرنے والا ایک ہی شخص ہے۔"

"تم نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کی۔"

"ابھی کچھ زیادہ نہیں لیکن بہت جلد میں اس کے بارے میں معلومات حاصل کرلوں گی۔"

"اچھا یہ بتاؤ ہری چند نامی کسی آدمی کو جانتی ہو۔" میں نے سوال کیا اور کاجل کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔

"ہری چند۔" اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"ہاں۔"

"جانتی ہوں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"کیا اس کا تعلق؟"

"یہ شخص تنظیم کے بڑوں میں شامل ہے۔"

"کہاں رہتا ہے۔"

"کہیں نہیں۔" کاجل نے جواب دیا۔

"کیا مطلب۔"

"یہ بہت کم سامنے آتا ہے اس کے بارے میں کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتا ہے، بس اس کا نام منظر عام پر ہے۔"

"تم بھی اسے نہیں جانتیں۔"

"ہاں..... میں اسے جانتی ہوں اور صرف شکل کی حد تک وہ کہاں رہتا ہے، کیا کرتا ہے، اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"ہوں تو گویا اسے تلاش کرنا ہوگا۔"

"یقیناً اور ہم اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جائیں گے۔" کاجل نے کہا، پھر بولی۔

"کیا تم میرے ساتھ رہنا پسند کرو گے۔"

کاجل اب جب یہاں تک تفصیلات ہم نے ایک دوسرے کو بتادی ہیں تو پھر میں تمہیں کچھ اور بھی بتانا چاہتا ہوں۔"

"ہاں کہو۔" وہ بولی اور پھر میں اسے اپنی کہانی سنانے لگا، لیکن میں نے اپنی ذاتی کہانی نہیں سنائی تھی..... یہ نہیں بتایا تھا اسے کہ میرا نام خرم شہزاد ہے، بلکہ میں نے اسے شام کی حیثیت سے ہی اپنی پوری داستان سنائی تھی اور اس کے بعد میں نے اسے پوجا وغیرہ کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور کاجل پرخیال انداز میں میری شکل دیکھنے لگی، پھر وہ کہنے لگی۔

"واقعی بات بڑی دلچسپ ہے..... پوجا کو ابھی اگر تم چاہو تو یہیں بلالو، کہیں اور وہ خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"نہیں..... میں چاہتا ہوں کہ پوجا الگ ہی رہے، لیکن ہم اس کی خبر گیری کرتے رہیں۔"

"اس سلسلے میں ہمیں کیا دقت ہو سکتی ہے، لیکن تم یہیں پر قیام کرو۔"

"ٹھیک ہے میں پوجا سے اس موضوع پر بات کرلوں گا اور اس کے بعد۔"

"نہیں..... تم اس موضوع پر بات کر کے فوراً یہاں واپس آجاؤ، پلیز..... یہ میری درخواست ہے تم سے۔" میں کاجل کی شکل دیکھتا رہا اور پھر میں نے اس سے وعدہ کرلیا، پوجا سے ملاقات ہونے میں کوئی خاص دقت نہیں ہوئی..... وہ میری طرف دیکھتی رہی، میں نے

اسے بتایا تھا کہ پنک ہاؤس جانے کے بعد کچھ ایسے معاملات سے واسطہ پڑا ہے، جس کی مستقل چھان بین ہو گی...... اس سلسلے میں بہتر ہو گا کہ پوجا مجھے تنہا چھوڑ دے اور خود کسی ایسی جگہ قیام کرے جہاں اس کا دل بھی لگ جائے...... میں جب تک کوئی موثر کارروائی نہ کر لوں اس سلسلے میں مصروف رہوں گا۔" پوجا چونکہ ہر معاملے میں مجھ سے تعاون کرتی تھی، اس لئے وہ اس بات پر بھی آمادہ ہو گئی...... اس نے کہا۔

"اس طرح تنہا کسی ہوٹل میں رہنا میرے لئے مناسب نہیں ہے...... یہاں میری بہت سی سہیلیاں ہیں جن کے ساتھ میں آرام سے رہ سکتی ہوں...... اگر تم ایسی ہی ضرورت محسوس کرتے ہو تو میں ان میں سے کسی کے ہاں چلی جاتی ہوں اور اس کے بارے میں تمہیں اطلاع دے دوں گی۔"

"شکریہ پوجا...... میں اس تعاون کے لئے بے حد شکر گزار ہوں۔"

"مگر تم مجھ سے کبھی کبھی ملتے رہو گے شام...... تم جانتے ہو۔"

"یہ کوئی کہنے کی بات ہے پوجا...... یہ تو میرا فرض ہے۔" میں نے جواب دیا، پوجا کا مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو گیا تھا، چنانچہ اس کے بعد میں واپس کاجل کے پاس پہنچ گیا اور کاجل نے میرے لئے ایک آراستہ کمرہ منتخب کر دیا، جہاں میں قیام کر سکتا تھا۔

کاجل کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ ابھی تک قائم نہیں ہو سکا تھا...... اس نے بتایا تھا کہ اس کے شوہر کی بے پناہ دولت اس کی معاون ہے، درحقیقت اس کی کوٹھی کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا تھا، لیکن کوٹھی میں عام قسم کے ملازموں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

رات کو ہم لوگ ڈنر کے بعد دیر تک بیٹھے گفتگو کرتے رہے...... میں نے کاجل سے پوچھا کہ اب مجھے اس کے ساتھ رہ کر کیا کرنا ہے، تو وہ کہنے لگی۔

"دیکھو شام یلو چینل تنظیم بڑی خطرناک ہے...... اس کی جڑیں نجانے کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں...... اس کے بارے میں ہمیں کوئی اندازہ نہیں...... میں نے ایک چال چلی ہے جس کے تحت یلو چینل کے بڑے بڑے ارکان میری نگاہوں میں آ سکتے ہیں...... میں ان

لوگوں کو تلاش کروں گی اور تم ان کا صفایا کرو گے، کیونکہ تم قتل کرنے میں دقت محسوس نہیں کرتے۔"

"گویا اب میں ایک کرائے کا قاتل ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو شام...... میں نے تمہیں اپنی زندگی میں اتنا بڑا مقام دیا ہے اور تم صرف اپنے آپ کو ایک کرائے کا آدمی سمجھتے ہو...... میں تمہیں کچھ دے تو نہیں رہی، یہ تو ہمارا ایک مشترکہ مشن ہے۔"

"میں نے مذاق میں کہہ دیا تھا کاجل! تم اس چیز کو محسوس نہ کرو۔"

"میرے ذہن میں ایک بڑا منصوبہ ہے...... بہت بڑا منصوبہ مگر ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی...... میں نے جال پھیلا رکھے ہیں...... تم یوں سمجھو کہ میں بھی اس سلسلے میں معمولی کردار ادا نہیں کر رہی...... میرے نمائندے بھی پھیلے ہوئے ہیں جو یلو چینل کو جال میں پھانس پھانس کر میرے پاس لاتے ہیں، لیکن ابھی تک مجھے ان میں کوئی ایسا کام کا آدمی نہیں ملا جس سے میں اپنا انتقام لے سکتی۔"

میں نے دلچسپ نگاہوں سے کاجل کو دیکھا اور کہا۔

"آئیڈیا تو بہت اچھا ہے تمہارے اس طریقہ کار سے مجھے خوشی ہوئی کاجل! میں چاہتا ہوں کہ ہری چند کو تلاش کیا جائے...... یہ کوئی بہت ہی اونچی چیز ہے۔"

"مل جائے گا وہ بھی مل جائے گا۔"

"لیکن تمہارے لئے کام کرنے والے۔"

"ہاں...... یہاں کے کچھ چھٹے ہوئے غنڈے ہیں، جو میرے اشارے پر میرے مطلوبہ لوگوں کو اغوا کر کے یہاں لے آتے ہیں...... اس کوٹھی کے نیچے میں نے ایک ایسی جگہ بنا رکھی ہے جہاں ان لوگوں کی زبانیں کھلوائی جاتی ہیں اور پھر اسے گونگا بہرہ کر کے یہاں سے نکال دیا جاتا ہے۔" میں ایک لمحہ کے لئے چونک پڑا تھا۔

"گونگا بہرہ کر کے۔"

"ہاں...... تاکہ کسی کو اس بارے میں کچھ نہ بتا سکیں۔"

"تو کیا تم ان کی زبانیں کاٹ دیتی ہو۔"

"نہیں۔" کاجل مسکرائی۔

"پھر؟"

"اس کے لئے میں نے ایک خاص طریقہ کار سوچ رکھا ہے۔"

"یعنی۔"

"بس میں ان کا برین واش کر دیتی ہوں، ان کے ذہن سے وہ لمحات نکال دیتی ہوں جو انہوں نے میرے ساتھ گزارے ہیں۔"

"گویا...... گویا عام حالات میں وہ اپنی اصلی حیثیت میں رہتے ہیں۔"

"ہاں...... میں عام قسم کے لوگوں کو قتل کرنا پسند نہیں کرتی...... تم خود بتاؤ۔"

"میں تو ایک لمحے کے لئے خوفزدہ ہو گیا تھا، گونگے بہرے سے میں نے یہی سمجھا تھا کہ شاید ان کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرتی ہو جو انسانیت سوز ہو۔"

"عام لوگوں کے ساتھ میں ایسا نہیں کرنا چاہتی، لیکن اگر یلو چینل کا کوئی نمائندہ میرے ہاتھ لگ جائے جو بہت بڑی حیثیت رکھتا ہو تو پھر میں اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتوں گی۔"

"ٹھیک ہے...... میں تم سے متفق ہوں۔" دوسری صبح ناشتے کی میز پر مجھے بلانے کے لئے ایک خوب صورت لڑکی آئی تھی، اس کا نام پریمہ تھا...... چھوٹے سے قد کی حسین لڑکی مجھے بڑی دلکش لگی...... اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ چپکی رہتی تھی۔

"مالکن بلا رہی ہیں صاحب جی۔" اس نے کہا۔

"کون ہو تم۔"

"پریمہ ہیں جی ہم۔" وہ بولی۔

"اچھا اچھا تم تو واقعی پریمہ ہو...... چلو ٹھیک ہے۔" میں اس کے ساتھ ڈرائنگ روم

میں آ گیا...... سفید رنگ کی ایک خوب صورت سی ساڑھی میں ملبوس کاجل میرا انتظار کر رہی تھی...... مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی اور رات کی نسبت وہ مجھے اس وقت زیادہ دلکش محسوس ہوئی، کیونکہ اس کا چہرہ ہر قسم کے میک اپ سے بے نیاز تھا...... آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکنا کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھا...... ایک عجیب سی کشش تھی اس کی آنکھوں میں، اس کے لمبے بال کھلے ہوئے تھے...... اس نے مجھے ایک ادا سے مخاطب کیا اور بیٹھنے کی پیش کش کی، میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کیا دیکھ رہے ہو۔"

"رات کی نسبت تمہارے اندر ایک نمایاں تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔"

"کل ایک آدمی ہمارے ہاتھ لگ رہا ہے...... میرے آدمیوں نے مجھے اطلاع دی ہے۔"

"کمال کی چیز ہو تم کاجل!"

"بس اب یہ کمال ہم دونوں مل کر کریں گے۔" وہ مسکرائی۔

بقیہ دن ہم دونوں نے ایک ساتھ گزارا...... کاجل کے انداز میں دلکشی تھی، بارہا میں نے اپنے آپ کو اس سے متاثر ہوتے پایا...... اس کی بعض باتوں سے میں پگھل جاتا تھا، لیکن ایک بات اور بھی محسوس کی تھی، میں نے کہ وہ مجھے متاثر کرنے کے لئے یہ سب کچھ نہیں کرتی تھی، بلکہ اس کے کردار میں کوئی لرزش ابھی تک تو نہیں پائی تھی، آئندہ کے بارے میں نہیں کہہ سکتا تھا۔

شام کو ہم دونوں گھومنے کے لئے نکلے، کاجل نے میرے لئے کچھ لباس منگوائے تھے اور خود ہی ان کا انتخاب کیا تھا، اس لئے اپنی پسند کا لباس مجھے پہنچایا اور اس کے بعد میں کاجل کی کار میں بیٹھ کر چل پڑا...... ہم لوگ مختلف علاقوں میں سیر و تفریح کرتے رہے، اس کے بعد ایک کلب میں آ بیٹھے...... تقریباً بارہ بجے تک ہم کلب میں رہے اور اس کے بعد وہاں سے واپس چل پڑے...... کاجل میرے ساتھ ہی بیٹھی ہوئی تھی، میں ڈرائیونگ کر رہا تھا، تب وہ آہستہ سے بولی۔

"جب کوئی مرد ڈرائیونگ کرتا ہے تو کتنا اچھا لگتا ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"میں بھی ڈرائیونگ کر لیتی ہوں، لیکن اگر کوئی ساتھ بیٹھا ہو، بشرطیکہ وہ ڈرائیور نہ ہو تو بہت عجیب سا لگتا ہے...... ایک تحفظ کا سا احساس ہوتا ہے...... یوں لگتا ہے جیسے ہم سارے کاموں سے فارغ ہو چکے ہیں۔" میں نے گردن گھما کر اسے دیکھا کاجل کے چہرے پر جذبات کے سائے لرز رہے تھے، لیکن ان جذبات کا مفہوم میری سمجھ میں نہیں آیا...... کوٹھی پہنچنے کے بعد وہ انتہائی مخلصانہ انداز میں بولی۔

"اچھا اب آرام کرو...... کل ہمیں کام کرنا ہے۔" میں جلدی سے اس کمرے کی جانب بڑھ گیا، کاجل کے کردار نے ذہن پر عجیب سا اثر ڈالا تھا...... اب آہستہ آہستہ اس کے سلسلے میں میرے دل سے شکوک و شبہات ختم ہوتے جا رہے تھے...... مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ واقعی ایک کارآمد شخصیت ہے...... بہرحال، اس دوران خاموشی کے ساتھ وقت گزرتا رہا تھا...... ہم لوگ دو اچھے دوستوں کی مانند زندگی گزار رہے تھے...... کاجل کی مصروفیات میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کے سلسلے میں مجھے کچھ سوچنا پڑتا...... پوجا سے اس دوران ایک دو بار گفتگو ہوئی تھی، لیکن وہ صبر کرنے والی لڑکی تھی اور درحقیقت میں اسے ان معاملات میں زیادہ ملوث کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

شام کی حیثیت سے وہ مجھے چاہتی تھی، لیکن میں شام نہیں تھا حالانکہ ہری چند نے اسے اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ میں شام کے رُوپ میں کوئی اور ہوں لیکن پوجا کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی تھی یا تو وہ شام کو کسی قیمت پر نہیں کھونا چاہتی تھی اور یہ تسلیم کر بیٹھی تھی کہ اگر میں شام نہیں بھی ہوں تب بھی اس کا میری زندگی سے گہرا تعلق ہے یا پھر وہ کوئی گہرا کھیل کھیل رہی ہے، لیکن اس کے انداز سے ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ گہرا کھیل کھیلنے کی ماہر ہو۔

گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس سے میری دلچسپی کسی حد تک کم ہوتی جا رہی تھی،

چند روز اسی انداز میں اور گزر گئے اور پھر ایک دن شام کو کاجل نے مجھ سے کہا۔

"ایک شخص مجھ سے ملنے آ رہا ہے، میرے لئے اجنبی ہے بظاہر میرے کاروبار سے متعلق معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ نام میرے لئے ذرا قابل غور ہے...... تم میرے ساتھ رہو گے، شام خیال رکھنا۔"

"کون ہے وہ۔" میں نے متجسس انداز میں سوال کیا۔

"اس نے اپنا نام سردار پٹیر بتایا ہے...... نام ہی ذرا تعجب خیز ہے۔"

"سردار پٹیر۔" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا، یہ عیسائی ہے یا سکھ؟

"یہ تو کچھ سامنے آنے کے بعد ہی غور کیا جا سکتا ہے۔"

"اس کا پیغام کہاں سے ملا ہے۔"

"بنکاک سے...... وہ بنکاک سے یہاں مجھ سے ملاقات کرنے آ رہا ہے۔"

"ملاقات کی کوئی وجہ تو ہو گی۔"

"اس نے کہا ہے کہ وجہ وہ وہیں آ کر بتائے گا۔" میں پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

"کب اس نے آنے کے لئے کہا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"اس نے یہ کہا ہے کہ وہ بہت جلد مجھ سے ملاقات کرے گا، ممکن ہے آج شام ہی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ بنکاک سے یہاں پہنچ چکا ہے۔"

"ممکن ہے۔" بہرحال ہم انتظار کرتے رہے، اس شام کو کوئی نہیں آیا تھا لیکن دوسرے دن صبح کو ٹیلی فون ملا کہ سردار پٹیر آج دوپہر کو کاجل سے ملنے آ رہا ہے۔

ہم دوپہر کو باقاعدہ انتظار کرنے لگے اور پھر تقریباً ایک ڈیڑھ بجے ایک شاندار کار کاجل کی کوٹھی میں داخل ہوئی، لمبی اور قیمتی کار تھی...... ڈرائیور نے نیچے اتر کر دروازہ کھولا، دبلے پتلے جسم کا ایک آدمی سوٹ پہنے ہوئے نیچے اتر آیا، لیکن یہ سردار پٹیر نہیں تھا کیونکہ اس کے فوراً بعد ہی ایک طویل القامت آدمی نیچے اتر آیا...... اس کا لباس اور حلیہ دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا تھا کہ کسی تھیٹر سے متعلق آدمی ہے۔ لمبے قد و قامت کا خوبصورت آدمی تھا......

باریک باریک تلوار مار کہ مونچھیں تھیں جو اس زمانے میں رائج نہیں ہیں۔

بہت خوبصورت سلک کا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے ہوئے تھا...... چال میں ایک مخصوص تمکنت تھی، جسے بناوٹی چال بھی کہا جا سکتا تھا...... ہم دونوں نے مکان کے برآمدے میں اس کا استقبال کیا...... پیٹر کی آنکھیں بہت عجیب تھیں...... بڑی بڑی لیکن پھیلی پتلیوں والی آنکھیں، وہ صاف اردو بول رہا تھا...... برآمدے میں اس نے رک کر کہا۔

"کیا میں میڈم کاجل سے مخاطب ہوں۔"

"میرا نام کاجل ہے۔" کاجل نے جواب دیا۔

"اور یہ۔"

"میرے سیکرٹری مسٹر شام۔" کاجل نے کہا۔

"میں معذرت خواہ ہوں کہ اس طرح پراسرار حالت میں یہاں پہنچا، لیکن میڈم کاجل آپ سے ملنا میرے لئے اتنا ہی ضروری تھا، بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں بنکاک سے یہاں تک کا سفر طے کر کے صرف اس لئے آیا ہوں کہ آپ سے ملاقات کر لوں۔"

"تشریف لائیے۔" کاجل نے پر تکلف انداز میں کہا اور پیٹر کو لے کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی...... میں اس شخص کو بغور دیکھ رہا تھا، کم بخت عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا، اس کے انداز میں بڑی شاہانہ سی کیفیت تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے قدیم دور کا کوئی بادشاہ، اس دور میں آ گیا ہو...... صوفے پر بیٹھ کر اس نے کاجل کی طرف دیکھا اور پھر میری طرف آہستہ سے بولا۔

"کاروباری معاملات میں بے شک سیکرٹری رازدار ہوتے ہیں۔ لیکن کیا نجی زندگی میں بھی ان کی شمولیت ضروری ہوتی ہے۔"

"ہاں کم از کم مسٹر شام میری زندگی میں ہر چیز سے واقفیت رکھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے بہر طور میڈم کاجل...... میں آپ سے فلورٹو کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"فلورٹو۔" کاجل نے سرسراتی آواز میں کہا، میں نے کاجل کے چہرے پر چونکنے کے آثار دیکھے تھے، پھر وہ سنبھل کر بولی۔

"میں سمجھی نہیں...... فلورٹو کیا چیز ہے، کس جگہ کا نام ہے۔"

"ہاں...... وہی جگہ جہاں کوئلوں کی کھدائی ہو رہی تھی لیکن......" پیٹر نے الفاظ ادھورے چھوڑ دیئے۔

"اوہ...... اچھا اچھا...... آپ وہاں کی بات کر رہے ہیں، کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

میڈم کاجل دراصل وہ علاقہ میری قدیم ملکیت ہے...... شاید آپ کو یہ سن کر دلچسپی محسوس ہو کہ فلورٹو کا علاقہ ایک انتہائی بنجر اور بیکار علاقہ تھا، وہاں دُور دُور تک آبادی نہیں تھی، چونکہ ساحلی علاقہ تھا، اس لئے کبھی کبھی کچھ جہاز وہاں رک جاتے تھے...... وہیں پر ایک بحری قزاق کا نام بہت مشہور تھا، جو جوزف کے نام سے مشہور تھا...... سردار جوزف بہت خونخوار تھا...... وہ بحری قذاقی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا، لیکن ایک یورپین عورت نے اس کی زندگی بدل دی...... یہ یورپین عورت ایک تباہ شدہ جہاز سے جوزف تک پہنچی تھی، بعد میں جوزف نے اس سے شادی کر لی اور جوزف نے بحری قذاقی چھوڑ کر فلورٹو آباد کر لیا۔

وہ اچھا انسان بنا تو پھر اتنا اچھا بنا کہ اس کی مثال دی جانے لگی...... فلورٹو کے اس علاقے میں اس نے اپنے خاندان حدود کر لئے، لیکن یہ ساری زمینیں اس کی اپنی ملکیت تھیں...... اس نے ان زمینوں کو آزاد کر دیا...... بنجر زمینیں تھیں، حکومت نے کوئی توجہ نہ دی...... کوئی کام نہیں ہوا، وہاں پر سوائے اس کے کہ فلورٹو آباد رہا اور بہت تھوڑے سے لوگوں کی آبادی نے وہاں رہ کر اچھی خاصی ترقی کی۔"

"پھر وہاں کے ٹھیکے اٹھنے لگے، ہم لوگ آج بھی وہیں آباد ہیں...... میری ماں مر چکی ہے، میں جوزف کا بیٹا پیٹر ہوں...... میرا نام میرے باپ سے منسوب ہے...... آپ سمجھ گئی ہوں گی کوئلے کی اس کان میں جس میں ہیرے برآمد ہوئے ہیں، میرا اتنا ہی حصہ ہے جتنا میڈم کاجل آپ کا۔"

"ہوں...... تو آپ حصہ وصول کرنے آئے ہیں۔"

"ہرگز نہیں...... ہرگز نہیں...... میں آپ کو اتنا بہترین تعاون پیش کرنے آیا ہوں، بات دراصل یہ ہے کہ میں حصہ کسی طور پر نہیں حاصل کر سکتا، میرا کوئی قانونی حق نہیں ہے، لیکن اگر آپ ان کانوں سے ہیرے حاصل کرنا چاہتی ہیں تو اس کے لئے آپ کو پیٹر کی مدد حاصل کرنا ضروری ہے...... وہ لوگ جوان کانوں میں دلچسپی لینے لگے ہیں، میں جانتا ہوں کہ ان کے مقاصد کیا ہیں، ممکن ہے کہ ان میں سے چند آپ کو قتل کرنے کی فکر میں سرگرداں ہو جائیں...... پیٹر ایک ایسی شخصیت ہے جو آپ کو ان سے بچا سکتا ہے، دوسری صورت میں آپ نقصان اٹھا جائیں گی...... میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہیرے میری معرفت فروخت ہوں اور میں ان کا کمیشن وصول کروں...... میں جہاں جہاں ان ہیروں کو پہنچاؤں آپ صرف اپنی کان کی مالک ہیں، ہیروں کی سیلز ایجنسی مجھے دے دی جائے۔" پیٹر کی باتیں بڑی دلچسپ تھیں...... میں نے کاجل کی طرف دیکھا، کاجل پر خیال انداز میں گردن ہلا رہی تھی، تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"اور اگر میں اس بات سے انکار کروں تو۔"

تو بھی کچھ نہیں ہوگا...... میڈم میں مزید کوشش کرتا رہوں گا، میرا خیال ہے کہ میں اس سلسلے میں آپ کو ایسی کچھ چیزیں پیش کروں گا جو آپ کے لئے باعث دلچسپی ہوگی...... اس نے اپنے ساتھی کو آواز دی اور دبلے پتلے جسم کا آدمی اس کے پاس پہنچ گیا...... اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بریف کیس موجود تھا، پیٹر نے بریف کیس اس کے ہاتھ سے لے لیا، اس کھولا اور چند لمحات کے بعد جب اس نے بریف کیس میں ہاتھ ڈالا اور پھر باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں ایک خوفناک ریوالور تھا جس پر سائی لنسر لگا ہوا تھا، میں حیرت سے اُچھل پڑا، کیونکہ پیٹر نے یہ کام اتنی آسانی اور ہوشیاری سے کیا تھا کہ ہم لوگ تصور تک نہیں کر سکے تھے کہ اب وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔

کاجل ساکت رہ گئی تھی...... ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر خوف کے آثار

نمودار ہوئے تھے، لیکن پھر وہ سنبھل گئی تھی۔

"خوب خوب، یہ غالباً معاہدے کے سلسلے میں پہلا قدم ہے۔"

"جو مناسب سمجھیں آپ میڈم آپ غور کر لیں میں آپ کو گولی مار کر ہلاک کر دوں اور آپ کے ساتھ یہ آپ کا سیکرٹری بھی موت کے گھاٹ اتر جائے تو آپ ہیروں کی ان کانوں سے کوئی فائدہ حاصل کر سکتی ہیں...... بس انسان اس دنیا سے گیا تو اس کے بعد باقی کیا رہ جاتا ہے۔"

"ہوں، لیکن اس طرح معاہدے نہیں کئے جا سکتے، مسٹر پیٹر۔"

"یقیناً میں جانتا ہوں۔" پیٹر نے کہا میں اس دوران آہستہ آہستہ اپنی جگہ تبدیل کر رہا تھا...... پیٹر میری طرف بھی متوجہ تھا، لیکن وہ اصل بات نہیں سمجھ پایا تھا...... میرے پاؤں کے تھوڑے فاصلے پر ایک سائیڈ ٹیبل رکھی ہوئی تھی جو چھوٹے سائز کی تھی اور میں چاہتا تھا کہ میرا پاؤں اس کے نیچے تک پہنچ جائے...... آہستہ آہستہ کھسک کر میں سائیڈ ٹیبل کے پاس پہنچ گیا...... میرے دونوں ہاتھ اُٹھے ہوئے تھے اور پیٹر یہ دیکھ رہا تھا کہ میں کوئی جنبش تو نہیں کر رہا۔

لیکن اس بات کو وہ کیا کرتا کہ دفعتاً میرے پاؤں کے اُوپر پھنسی ہوئی ٹیبل پوری قوت سے فضا میں اُچھلی اور اس شاندار نشانے کے ساتھ اس کی پستول پر لگی کہ مجھے خود بھی حیرت ہوئی، اس کا پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اس کے حلق سے ایک ہلکی سی آواز بلند ہوئی تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنی جگہ سے اُچھلا اور پستول پر جا پڑا، میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ میں یہاں چوک گیا، پستول اس کے سینے کے نیچے دبا ہوا تھا، اس نے ذرا سا بدن اٹھا کر اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی، لیکن اسی وقت میرے جوتے کی ٹھوکر اس کی پسلیوں پر پڑی اور پستول اس کے ہاتھ نہ آ سکا، البتہ وہ اچھلا تو میں نے جھک کر پھرتی سے پستول اُٹھا لیا۔ پیٹر ایک دم سیدھا ہو گیا تھا، لیکن دفعتاً ایک کریہہ چیخ سنائی دی۔ دُبلا پتلا سیکرٹری جو پیچھے سے مجھ پر حملہ کرنے آ رہا تھا...... کاجل کے ہاتھ میں دبے ہوئے اس بید کا شکار ہو گیا جس کی

موٹھ چاندی کی بنی ہوئی تھی، اس کے سر سے خون بہنے لگا۔

پیٹر اب کھڑا ہو گیا تھا، اس کی آنکھیں بے حد خوفناک نظر آرہی تھیں، اس نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے اور پرسکون انداز میں کاجل کی طرف رُخ کر کے بولا۔

"میں نہیں چاہتا کہ آپ لوگوں کو کوئی نقصان پہنچے...... یہ سب کچھ جو ہوا صرف ایک نمونہ تھا۔"

"اوہ...... سوری مسٹر پیٹر میں سمجھا کہ واقعی حقیقت ہے کیونکہ ایسے نمونے میں نے اس سے قبل نہیں دیکھے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"گڈ گڈ...... اب ہمیں پرسکون انداز میں بیٹھ کر گفتگو کرنی چاہئے۔"

"آپ تشریف رکھئے مسٹر پیٹر آپ تشریف رکھئے۔" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور پیٹر مجھے گھورتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا...... سیکرٹری زمین پر پڑا ہوا تھا، لیکن ایک بار بھی پیٹر نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا...... ڈرائیور باہر ہی موجود تھا، میں نے دلچسپ نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھا...... پھر میں نے کاجل کی طرف دیکھا، بہت مطمئن اور کسی حد تک مسرور نظر آرہی تھی...... غالباً اس نے میرے سلسلے میں جو محسوس کیا تھا، میں اس کے معیار پر پورا اترا تھا۔

پیٹر خاموش بیٹھا ہوا مجھے دیکھ رہا تھا اور میں اس کی جلد کے نیچے دوڑتے ہوئے خون کی گرمی کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا، چند لمحات خاموشی رہی پھر پیٹر نے کہا۔

"ہاں مس کاجل میں آپ سے جو گفتگو کرنے آیا ہوں وہ یقیناً آپ کے لئے مناسب نہیں ہوگی۔"

"اگر آپ نے یہ محسوس کیا تھا مسٹر پیٹر تو پھر آپ نے یہاں آنے کی تکلیف کیوں کی۔"

"یہ ضروری تھا۔" پیٹر نے جواب دیا۔

"وہ کیوں؟"

"اس لئے کہ یلو چینل اب آپ کی غلط کارروائیوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"یہ بات ہوئی نہ مسٹر پیٹر۔" کاجل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ نے اپنے آپ کو ظاہر تو کیا کہ آپ کا تعلق یلو چینل سے ہے۔"

"اور میں بھی اس بات سے خوش ہوں کہ تم نے یلو چینل سے لاعلمی کا مظاہرہ نہیں کیا۔" پیٹر نے کہا...... میں البتہ کسی قدر خاموش ہو گیا تھا...... میرا خیال تھا کہ کاجل نے یلو چینل کو تسلیم کر کے کچھ بہتر...... نہیں کیا تھا، چنانچہ میں نے اب خاموشی ہی مناسب سمجھی، پھر کاجل بولی۔

"خیر تم کیا چاہتے ہو مسٹر پیٹر۔"

"ایسا کوئی درمیانی معاہدہ جو ہم دونوں کے لئے باعث سکون ہو۔"

"کیوں کیا ایک معمولی سی عورت کی وجہ سے یلو چینل بے سکون ہو گئی ہے......" کاجل نے سوال کیا اور پیٹر کے ہونٹوں پر تضحیک آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یلو چینل کے بارے میں آپ کی معلومات اس کا مطلب ہے کہ بہت معمولی ہیں۔"

"ہاں...... ایسا ہی سمجھ لیجئے مسٹر پیٹر...... دراصل میں کسی بھی چیز کے بارے میں بہت زیادہ معلومات حاصل کرنے کی شائق نہیں ہوتی...... ہاں البتہ معلومات خود بخود چل کر مجھ تک پہنچ جائیں تو پھر مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں ہوتا اور میرا خیال ہے کہ یلو چینل میرے سلسلے میں بھی کچھ ایسی ہی معلومات رکھتا ہے۔"

"نہیں...... یہ بات نہیں، اگر سردار پیٹر کی ذاتی بات ہو تو ٹھیک ہے، لیکن بات اگر یلو چینل کی ہے تو پھر معاف کیجئے گا...... یلو چینل کے بارے میں آپ کی معلومات بالکل ناقص ہیں، میں یہاں آپ کے پاس یلو چینل کا ایک پیغام لے کر آیا تھا...... آپ کے اس نام نہاد ساتھی نے تھوڑی سی جمناسٹک کا مظاہرہ کیا اور اپنی قوتیں دکھائیں، لیکن یہ سب کچھ یلو چینل کے نام پر نہیں ہوا تھا...... اگر یلو چینل کی بات کرتی ہیں تو پھر یہ لیجئے۔" اس نے کہا اور دفعتاً دونوں ہاتھ اٹھا دیئے، اسی وقت دروازے سے چار آدمی داخل ہوئے...... ان میں سے دو کے

ہاتھ میں سٹین گنیں دبی ہوئی تھیں۔

وہ سب کے سب اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھے...... تنومند اور توانا آدمی تھے...... اندر آتے ہی انہوں نے پوزیشن سنبھال لی...... مسٹر پیٹر مسکراتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

"تو پھر آپ دونوں حضرات یلو چینل کے نام پر میرے ساتھ چلئے۔"

کاجل کے چہرے پر خوف وہراس پھیل گیا تھا، اس نے میری طرف دیکھا...... میں بھی اس صورت حال سے بھونچکا سارہ گیا تھا...... پیٹر کی پٹائی کرنے کے بعد میں نے سوچا تھا کہ اب اور کوئی نہیں ہے، ظاہر ہے کوئی ہوتا تو اس کی مدد کے لئے ضرور آتا لیکن یہ سب کچھ اتنا ڈرامائی انداز میں اچانک ہوا تھا کہ وہ میرے لئے بھی تعجب خیز تھا، ان میں سے ایک نے مجھ سے ہاتھ اُوپر کرنے کے لئے کہا اور میں نے ہاتھ اٹھا دیئے، دوسرے لمحے میری جیبوں کی تلاشی لی گئی اور جو کچھ میرے پاس موجود تھا نکال لیا گیا، جب پیٹر نے کاجل کی طرف رخ کر کے کہا۔

"تشریف لائیے میڈم آپ کو یقیناً اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور آپ بھی مسٹر۔"

میں خاموش ہو گیا ظاہر ہے اس وقت کوئی احمقانہ دلیری دکھانا مناسب نہیں تھا، چنانچہ ہم لوگ دروازے کی سمت بڑھ گئے...... کاجل آہستہ آہستہ چل رہی تھی...... پیٹر نے چند لمحات کے بعد خوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ لوگ بڑے پرسکون انداز میں باہر نکلیں گے...... یہ چار آدمی جو ہیں ناں...... چار سو آنکھوں کے مالک ہیں...... ذرا سی جنبش ہوئی اور آپ کے بدن میں سوراخ ہی سوراخ ہوں گے...... باہر نکل کر آپ میری گاڑی میں تشریف رکھئے گا...... کسی قسم کا تردد چہرے پر نہ پیدا ہونے پائے، یہ لوگ اطراف کی نگرانی کریں گے...... آپ سمجھ رہے ہیں نا مسٹر اور آپ بھی میڈم...... بہتر یہ ہوتا ہے کہ زندگی کو اس وقت تک محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے جب تک کہ بالکل ہی موت کا سامان قریب نہ آجائے۔"

ہم لوگوں نے اس کی بات پر عمل کیا اور ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر آگے بڑھنے لگے،

بے ہوش سیکرٹری کو وہیں چھوڑ دیا گیا تھا...... یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن اس وقت یہ بات میری سمجھ میں آ گئی جب دونوں خالی ہاتھ نقاب پوشوں نے اسے اٹھالیا...... سٹین گن والے ہمارے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور پھر وہ ہم سے کافی پیچھے رہ گئے۔

ہم باہر نکل آئے، چوکیدار گیٹ پر تھا...... ہم کار میں سوار ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد کار وہاں سے آگے بڑھ گئی...... ڈرائیور پرسکون انداز میں کار ڈرائیو کر رہا تھا، پچھلی سیٹ اتنی کشادہ تھی کہ ہم بغیر کسی تکلیف کے بیٹھ گئے تھے۔

ڈرائیور کے چہرے سے یوں لگ رہا تھا، جیسے اسے اس صورت حال سے قطعی کوئی حیرت نہ ہو، نہ تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور نہ ہی کچھ پوچھنے کی کوشش کی، تھوڑی دیر کے بعد گاڑی گیٹ سے باہر نکل آئی۔

ہم خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور ہماری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں...... بھری پری شہر کی سڑکیں تھیں، لیکن ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے...... میں اطمینان سے نشست سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، کیونکہ میں نے اس وقت یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اب اس وقت کچھ کرنے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ پیچھے جو کار آ رہی تھی وہ بھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں تھی، اس میں سٹین گن والے بیٹھے ہوئے تھے اور اگر یہاں پر میں کچھ کرنے کی کوشش کرتا تو ایک لمحے میں وہ میرے پیچھے پہنچ کر کوئی نہ کوئی کارروائی کر سکتے تھے۔

وقت گزرتا رہا، کار کا سفر خاصا تیز تھا، لیکن طویل ہوتا جا رہا تھا...... ہم سب بالکل خاموش ہو گئے تھے...... انجن کی مدہم سی سرسراہٹ کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی...... میں ایک لمحے کے لئے اپنی جگہ سے سرکا تو پیٹر نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"نہیں ڈیئر کچھ کرنے کی کوشش صرف تمہاری موت کی پیامبر ہوگی، چنانچہ بہتر یہ ہے کہ تم خاموش بیٹھو۔"

"مگر ہم چل کہاں رہے ہیں؟"

"یہ پوچھنے کا حق تمہیں نہیں ہے۔"

"ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"بھلا وہ کیوں۔"

"اس لئے کہ میڈم کاجل کا سیکرٹری ہوں۔"

"مگر دوست وفاداری دکھانے کا موقع ختم ہو گیا ہے...... اس وقت تمہیں اس قسم کی کوئی بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے اور میڈم کاجل بھی یہ جانتی ہیں کہ جب آدمی بے بس ہو جائے تو پھر بھلا وہ کیا کر سکتے ہے۔"

میں خاموش ہو گیا...... کاجل بھی سڑک پر نگاہیں جمائے ہوئے تھی...... ہم ایک مضافاتی علاقے کی جانب جا رہے تھے...... کافی دُور جانے کے بعد گاڑی نے مین روڈ چھوڑ دی اور ایک سائیڈ روڈ پر چل پڑی...... کچی سڑک تھی، لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک پکی سڑک سے جا ملی تھی۔

نجانے کتنی دیر تک یہ سفر جاری رہا اور پھر کار ایک تنگ اور نیم پختہ سڑک پر دوڑنے کے بعد ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔

عمارت قدیم طرز کی بنی ہوئی تھی...... لال لکھوری اینٹوں کا ایک قلعہ نما مکان ہمارے سامنے تھا جس پر لگے بڑے سے گیٹ میں پیتل کی کیلیں لگی ہوئی تھیں...... باہر ایک بڑا سا تالا لٹک رہا تھا...... پیٹر باہر نکل گیا، اس نے جیب سے چابیوں کا ایک بڑا سا گچھا نکال کر ڈرائیور کی طرف اچھال دیا اور اس نے آگے بڑھ کر گیٹ کا وہ بڑا سا تالا کھول دیا جو قدیم طرز کا تھا، پیٹر نے ہمیں اشارہ کیا۔

بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے یہ عمارت طویل عرصے سے ویران پڑی ہے، لیکن اندر جانے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ یہ ویران نہیں ہے...... تمام عمارت کشادہ اور صاف ستھری تھی، عقبی حصے میں دالان بھی تھا...... تالا گیٹ میں لگانے کے بعد پیٹر نے چابیاں جیب میں ڈالیں اور ہمیں اندر چلنے کا اشارہ کیا...... دونوں سٹین گن بردار ہمارے پیچھے آئے

تھے، وہ دوسری کار بھی اس کار کے برابر آ کر رک گئی تھی۔

گھاس کے درمیان ایک پختہ راستے پر چلتے ہوئے ہم قدرے اونچائی پر بنی ہوئی اصل عمارت تک پہنچے، لیکن پیٹر یہاں بھی نہیں رکا تھا...... وہ کئی دروازوں سے گزرتا چلا گیا، عمارت کے ایک کونے میں پہنچ کر بیسمنٹ کی کشادہ سیڑھیاں نیچے جاتی نظر آئیں اور ہم اس کے اشارے پر سیڑھیاں اترنے لگے، میں ایک لمحے کے لئے رکا تو اس نے رک کر میری طرف دیکھا اور پیچھے اشارہ کر کے بولا۔

"ان لوگوں کو ذہن میں رکھو...... یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

ہم سیڑھیاں اتر کر کسی ایسی جگہ پہنچ گئے، جہاں چاروں طرف گہرا سناٹا چھایا تھا...... کوٹھی میں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا...... سیڑھیوں کے اختتام پر لکڑی کا ایک دروازہ تھا...... پیٹر نے دروازہ کھولا اور ہاتھ بڑھا کر کوئی سوئچ دبا دیا...... یہ ایک وسیع و عریض تہہ خانہ تھا...... انتہائی صاف اور اتنا وسیع کہ اس کی دوسری دیوار بھی نظر نہ آئے، شاید یہ تہہ خانہ پوری عمارت کے نیچے پھیلا ہوا تھا۔

چھت زیادہ اُونچی نہیں تھی...... روشن دان کی ایک قطار تھی، لیکن ان میں ایسی جالیاں لگی ہوئی تھیں کہ روشنی نہیں صرف ہوا اندر آ رہی تھی، البتہ اس ہوا کی وجہ سے نہایت خوشگوار خنکی پھیلی ہوئی تھی۔

وسیع و عریض تہہ خانے کے ایک حصے میں فرنیچر بھی لگا ہوا تھا اور یقیناً یہاں ضروریات زندگی کی وہ تمام چیزیں موجود تھیں، جن کی ضرورت ہو سکتی تھی۔

ہم اندر آ گئے اور تیز روشنی میں یہاں کی ایک ایک چیز کو دیکھنے لگے پیٹر نے کہا۔

"یقیناً یہ جگہ آپ دوستوں کو پسند آئی ہو گی، لیکن میڈم کاجل یہاں آپ کو مہمان نوازی کے لئے نہیں بلایا گیا ہے، بلکہ یہاں آپ سے بہت سارے حسابات لئے جانے ہیں، آئیے تشریف لائیے۔" اس نے کہا اور کرسیوں کی جانب بیٹھ گیا، دونوں سٹین گن بردار دروازے پر جم گئے تھے۔

کاجل نے میری طرف دیکھا اور میں گردن جھکا کر آگے بڑھ گیا...... مقصد یہ تھا کہ کاجل اس وقت میری ہدایت کے مطابق کام کرے، وہ میرا مقصد سمجھ گئی تھی، چنانچہ ہم سب آگے بڑھ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے، سردار پیٹر کہنے لگا۔

"میڈم کاجل آپ نے غالباً اس شخص کو نیا نیا ملازم رکھا ہے...... اس کی کیفیت میری سمجھ میں نہیں آئی...... یہ کون ہے اور اس کا مقصد کیا ہے۔"

"تم نہایت بے وقوف آدمی معلوم ہوتے ہو...... پیٹر سیکرٹریوں کا مقصد کیا ہوتا ہے، یہ شخص۔"

"نہیں...... میڈم کاجل آپ کے بارے میں ہم نے خاصی معلومات حاصل کی ہیں...... آپ سیکرٹری پالنے کی عادی نہیں ہیں...... یقیناً یہ شخص اس کے علاوہ اور کوئی حیثیت رکھتا ہے، کیا آپ کا؟" پیٹر نے مسکراتے ہوئے کہا اور کاجل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"ظاہر ہے تم اس قسم کی باتیں کر سکتے ہو...... تمہیں کرنا بھی چاہئے تم جیسے چھچھورے لوگ۔"

"نہیں میڈم نہیں...... دیکھئے میں نے آپ سے کوئی بدزبانی نہیں کی، اس لئے مجھے یقین ہے کہ آپ بھی کوئی ایسی بات نہیں کریں گی جو ہمارے درمیان دوستانہ فضا کو ختم کر دے۔"

"ہونہہ...... دوستانہ فضا۔" کاجل نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ کی طرف سے نہیں، لیکن کم از کم میں اب بھی آپ کے لئے دوستانہ جذبات رکھتا ہوں...... بہتر یہ ہو گا میرے ان جذبات کو ٹھیس نہ پہنچایئے۔"

"تم آخر چاہتے کیا ہو!"

"وہ سبز فائل جو آپ نے بڑی چالاکی سے سیٹھ بہاری کے پاس سے غائب کی تھی، آپ سمجھتی ہیں کہ اس کی وجہ سے یلو چینل کو کتنا عظیم نقصان پہنچ سکتا ہے...... سیٹھ بہاری تو ہلاک کر دیا گیا، لیکن فائل اس کے دفتر سے نہیں ملی، جب کہ...... آپ کو اس کے آس پاس دیکھا گیا ہے۔"

"پاگل ہو گئے ہو تم...... میں سیٹھ بہاری سے کاروباری تعلقات رکھتی تھی، کسی سبز فائل کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"یہی تو دکھ کی بات ہے...... لوگ اس وقت تک زبان نہیں کھولتے جب تک کہ اس کے حواس درست نہ کر دیئے جائیں...... اب یہ جگہ آپ دیکھ رہی ہیں، کتنی پرسکون کتنی عمدہ ہے، لیکن اگر آپ اس کے اس گوشے کی طرف نگاہ ڈالیں تو آپ کو کچھ عجیب چیزیں نظر آئیں گی...... آیئے آیئے میں آپ کو دکھا دوں، آپ کو یقیناً وہ چیزیں پسند آئیں گی۔"

"کیا فضول باتیں ہیں...... میں کہتی ہوں کہ تم ان احمقانہ باتوں کے لئے مجھے یہاں لائے ہو، اگر ایسی بات ہوتی تو میں تم سے ملنے کی بات ہی نہ کرتی۔"

"نہیں میڈم...... پیٹر کے سلسلے میں آپ کو کوئی دھوکا نہیں ہوا...... آپ جانتی تھیں کہ میں آپ کے پاس کیوں آ رہا ہوں...... مجھے تعجب ہے کہ آپ نے میرے شایان شان استقبال کے انتظامات نہیں کئے، دراصل ان لوگوں کو میں نے باہر اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ پہلے اطراف کا جائزہ لے لیں اور پھر مجھ سے ملیں...... میرا خیال ہے آپ کو اپنے سیکرٹری پر بہت زیادہ اعتماد تھا، کیوں نہ پھر پہلے اس کا حساب کتاب کر لیا جائے۔"

"کیا مطلب۔"

"مطلب یہ کہ یہ آپ کا سیکرٹری نہیں باڈی گارڈ بھی معلوم نہیں ہوتا"

"یہ سب تمہارے اپنے اندازے ہیں۔"

"پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ آپ کے اس باڈی گارڈ کو تھوڑا سا سبق دے دیا جائے اور اس کے بعد اور کچھ کیا جائے۔"

"مجھے سبق دینے کے لئے یہ سٹین گنیں کافی ہیں۔" میں نے پیٹر سے کہا اور وہ میری شکل دیکھنے لگا، پھر بولا۔

"مطلب۔"

"مطلب یہ کہ ان سٹین گنوں سے تم مجھے چھلنی کرا دو اس کے علاوہ تمہارے پاس اور

کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"نہیں میرے دوست! ایسی بات نہیں چارہ تو میرے پاس بہت سارا ہے...... تم لوگ واپس جاؤ اور خبردار حالات کچھ بھی ہوں تم اندر نہیں آؤ گے اور نہ ہی اس پر فائرنگ کرنے کی کوشش کرو گے۔"

"تو کیا تم مجھ سے مقابلہ کرو گے۔" میں نے سوال کیا۔

"ہاں دراصل میڈم کاجل کو یہ بتانا ہے کہ ہم لوگ اتنے نرم نہیں ہیں جتنا انہوں نے سمجھ لیا تھا...... یلو چینل کو چھوٹے چھوٹے سہارے لینے کی ضرورت نہیں آتی، اس کا ہر ایک شخص اپنی جگہ ایک مکمل کارکن ہے۔"

"مگر اے مکمل کارکن تم تو میرے ہاتھوں مار کھا چکے ہو، کیا خیال ہے تمہارا۔"

"وہ...... میں نے تم سے کہا تھا کہ صرف نمونہ ہے، اصل چیز اب دیکھو گے۔"

اس نے تالی بجائی اور ہال کے ایک حصے سے دو آدمی باہر نکل آئے...... دونوں تنومند اور طاقتور تھے، ان کے بدن کی بناوٹ اور انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ دونوں جوڈو کراٹے کے ماہر ہیں، گویا اب یہ تماشا ہوگا۔

پیٹر کے حکم پر دوسرے لوگ پہلے ہی واپس جا چکے تھے...... اب صرف ہم پانچ آدمی تھے، پیٹر وہ دونوں میں اور کاجل۔

میرے لئے آزمائشی لمحات آ چکے تھے، میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے...... بہرحال کچھ نہ کچھ کرنا تھا، پیٹر نے کاجل کی طرف رخ کر کے کہا۔

"اگر آپ نے دس سیکنڈ کے اندر اندر فائل کے بارے میں نہیں بتایا تو سب سے پہلے آپ کے اس سیکرٹری کی مرمت کی جائے گی اور اس کے بعد آپ کو اس گوشے میں لے جایا جائے گا جہاں اذیت انسانی کے آلات نصب ہیں اور یہ آلات مردوں کی زبان بھی کھول دیتے ہیں۔"

کاجل نے اس طرف دیکھا اور پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر میری طرف دیکھنے

ئی، میں نے کہا۔

"ظاہر ہے مادام...... آپ کسی فائل کے بارے میں کچھ بتانا پسند نہیں کریں گی۔"

"اوہ...... وہ۔" کاجل ہچکچا کر بولی۔

"پہلے مجھے مار کھانے دیں اس کے بعد آپ تفصیل سے فائل کے بارے میں بات کر لیں...... آؤ دوستو!" میں نے آگے بڑھ کر کہا...... پیٹر کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، اس نے زور سے کہا۔

"مارو اسے اچھی طرح مارو۔"

دونوں لڑاکے پینترے بدلنے لگے...... پیٹر منجمد مجھے دیکھنے لگا، میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا اور دونوں خطرناک آدمی میرے اطراف چکرانے لگے، کاجل کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

دفعتاً ان دونوں نے اپنی ٹانگیں میری جانب بڑھائیں...... یہ کوشش میری توقع کے مطابق تھی...... میں نے نہایت پھرتی سے ان کی ٹانگیں پکڑ کر انہیں گھما دیا...... یہ داؤ ان کے لئے بالکل غیر متوقع تھا، لیکن ان حالات میں میرے لئے پھرتی ہی ضروری تھی۔

گھومنے والے بری طرح چکراتے ہوئے گرے...... اصولاً اس داؤ کے جواب میں اُچھل کر ہی ان سے نمٹنا چاہئے تھا، لیکن ٹانگوں کو پکڑ کر گھمانا اس اصول کے خلاف تھا جس کی انہیں کوئی توقع نہیں تھی...... گرنے کے بعد بھی انہوں نے قلابازیاں کھائی تھیں، لیکن اس کے بعد انہوں نے اٹھنے میں بہت پھرتی دکھائی تھی۔

صورت حال میری نگاہوں کے سامنے واضح تھی...... اگر ایک لمحے کی تاخیر کرتا تو چوٹ کھا سکتا تھا اور پھر یہ بھی جانتا تھا کہ دروازے کے باہر ہی دو سٹین گن بردار موجود ہیں، چنانچہ جو کچھ کرنا ہے اتنی پھرتی اور تیز رفتاری سے کیا جائے کہ دوسروں کو موقع ہی نہ مل سکے اور اسی میں میری جیت تھی، چنانچہ میں نے فوراً کھڑے ہو کر ایک شخص کو تاکا اور پھر میری بھرپور لات اس کے منہ پر پڑی۔

وہ کراہ کر اُلٹ گیا تھا، لیکن دوسرا شخص میرے پاؤں کی ضرب سے بچ گیا، اس نے دو

تین قلابازیاں کھائیں، اب وہ بہت زیادہ خونخوار نظر آرہا تھا، دیکھنے ہی میں وہ بہت تندومند معلوم ہوتا تھا اور پہلے شخص سے کافی زیادہ مضبوط تھا...... پیٹر پیچھے ہٹ گیا تھا اور مجبوراً کاجل کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا تھا، کیونکہ جو صورتحال سامنے آئی تھی، اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی کسی بھی وقت اُچھل کر ان کے اُوپر گر سکتا ہے۔

دوسرے لمحے دوسرے قوی ہیکل آدمی نے عقب سے مجھ پر حملہ کیا اور میری گردن میں دونوں پاؤں پھنسانے کی کوشش کی، لیکن اس کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی...... میں زمین پر بیٹھ گیا اور وہ میرے اُوپر سے گزرتا ہوا ایک صوفے پر جا گرا۔

صوفے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی...... میں نے یہ اندازہ نہیں لگایا کہ وہ کس طرح گرا اور اسے اُٹھنے میں کتنی دیر لگے گی، میں تو پھر اس شخص کے پاس پہنچ گیا جو زمین پر ہاتھ لگائے بیٹھا ہوا اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا، میں نے پھرتی سے اس کے منہ پر ایک لات رسید کی، اسی دوران دوسرا آدمی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا، لیکن اس آدمی کے لات رسید کرنے کے فوراً بعد ہی میں نے سینٹر ٹیبل اٹھائی اور اس شخص پر دے ماری۔

میرا مقصد حل ہو گیا تھا...... میز بہت وزنی تھی اور پوری قوت سے اس کے سر پر لگی تھی، چنانچہ وہ لمبا ہو گیا، اب مسئلہ پیٹر کا تھا، پیٹر کو یہ تصور بھی نہیں تھا کہ ان دونوں سے نمٹنے کے بعد میں اس کی طرف بھی رخ کروں گا، لیکن ایک پھرتی کے ساتھ میں نے الٹی چھلانگ لگائی اور پیٹر کے اُوپر جا پڑا۔

اب ہم ایک دوسرے کے سامنے تھے...... پیٹر فرش پر چت پڑا تھا اور میں اس کے نزدیک موجود تھا، میں نے اس کے سینے پر کراٹے کا وار کرنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ناقابل یقین پھرتی سے اس نے میرے سینے پر لات رسید کر دی۔

میں الٹ کر پیچھے جا گرا، ضرب اتنی شدید تھی کہ عام آدمی شاید اسے برداشت نہ کر سکتا، ایک لمحے کے لئے تو میں بھی چکرا گیا تھا، لیکن مجھے سنبھلنا پڑا چونکہ وہ دونوں آدمی بھی بہر طور جوڈو کراٹے کے ماہر تھے اور اپنے باس کے لئے لڑ رہے تھے، چنانچہ وہ سنبھل کر

ی سمت دوڑ پڑے تھے۔

پیٹر چیتے کی پھرتی کے ساتھ اٹھا اور میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اسے ہی ڈھال ں، چنانچہ میں نے بھرپور ہاتھ اس کے جبڑے پر رسید کیا اور اس کو عقب سے پکڑ لیا۔

جوں ہی وہ دونوں سامنے آئے میں نے پیٹر کو ان پر دھکیل دیا اور پیٹر بری طرح ان پر ُرا، انتہائی خوفناک جنگ ہو رہی تھی...... وہ بپھرے ہوئے سانڈ کی مانند مجھ پر حملہ کر رہے ے اور پھر ان تینوں نے بیک وقت مجھے پکڑ لیا اور کھینچتے ہوئے دیوار کی طرف لے گئے...... وار کے ساتھ چپکا کر انہوں نے پوری قوت سے میری پسلیوں میں گھونسے مارنے چاہے، ن میں ان کی گرفت سے پھسل گیا اور ان کے گھونسے دیوار سے ٹکرائے۔

یہ چوٹ اچھے بھلے آدمی کے ہاتھ بیکار کر دینے کے لئے کافی تھی، لیکن ان کی کیفیت ں سے بھی زیادہ خراب تھی...... ان میں سے ایک تو بالکل ہی کراہنے لگا تھا، اس نے اپنا ہاتھ ڑا اور زمین پر بیٹھ گیا...... پیٹر اور دوسرا لڑاکا مجھے مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس وقت ایسی صورتحال ہو گئی تھی کہ پیٹر کو یہ احساس بھی نہ ہوا کہ وہ اپنے دونوں ین گن برداروں کو آواز دے لے، چونکہ صورتحال کافی خراب ہو گئی تھی...... اس نے ان ونوں کو مداخلت کے لئے منع کر دیا تھا، لیکن وہ اگر خود انہیں آواز دیتا تو ظاہر ہے کہ وہ آنے یں دیر نہیں کر سکتے تھے۔

دفعتاً پیٹر اُچھلا...... اس نے میرے فلائنگ کک رسید کی جو میرے لئے بالکل ہی غیر توقع تھا...... میں گرا اور گرتے ہی دیوار سے جا ٹکرایا...... ایک لمحے کے لئے آنکھوں تلے ندھیرا چھا گیا تھا، لیکن اس وقت اپنے آپ کو سنبھالنا ضروری تھا ورنہ موت اس سے چند قدم کے فاصلے پر تھی۔

ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں ایک خیال آیا، اگر میں اسی طرح ان لوگوں کو مارتا ہا تو پیٹر مجبور ہو کر سٹین گن برداروں کو آواز دے لے گا اور اس کے بعد صورتحال مختلف ہو جائے گی، چنانچہ کچھ ایسی صورت کرنی چاہئے کہ یہاں کی صورتحال میرے کنٹرول میں

رہے، چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میں اس طرح زمین پر لیٹتا چلا گیا جیسے اب میرے اندر سکت نہ رہی ہو اور پیٹر کے حلق سے قہقہہ اُبل پڑا۔

کاجل متوحش انداز میں سینے پر ہاتھ باندھے کھڑی یہ خوفناک جنگ دیکھ رہی تھی، پیٹر میرے نزدیک آکر جھکا اور اس نے میرا گریبان پکڑ کر مجھے اٹھانے کی کوشش کی، لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی یہ کوشش اسی پر اُلٹ سکتی ہے، میں نے اپنے بدن کو موڑا اور پھر دونوں پاؤں پوری قوت سے اس کے سینے پر رسید کیے...... اس بار پیٹر کو لطف ہی آ گیا ہو گا۔

وہ زمین پر پوری قوت سے گرا اور کافی زور سے آواز پیدا ہوئی، لیکن اس طرح گرا وہ کہ پھر اُٹھ نہ سکا، دونوں لڑاکے البتہ مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے...... میں نے اپنے آپ کو جھکائی دے کر ایک اور تماشا کیا، ان دونوں کی کچھ ایسی پوزیشن تھی کہ جونہی وہ مجھ پر جھکے ان کے سر پوری قوت سے آپس میں ٹکرائے اور ان کے حلق سے کریہہ آوازیں نکل گئیں...... اس کے بعد ان میں سکت نہ تھی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوتے دونوں ہی زمین پر گرے اور بے ہوش ہو گئے...... پیٹر کی حالت کافی خراب تھی۔

دفعتاً میں نے اس پر چھلانگ لگائی اور اس کے قریب پہنچ گیا...... میں نے اس کی کنپٹی پر ایک ہلکا سا ہاتھ رسید کیا، یہ ہاتھ ایسی شدت رکھتا تھا کہ کم از کم تھوڑی دیر کے لئے حواس معطل ہو جائیں۔

سب سے پہلے میں اپنے آپ کو ان سٹین گن برداروں سے محفوظ کرنا چاہتا تھا، چنانچہ پیٹر کی یہ کیفیت بنانے کے بعد میں سب سے پہلے پھرتی سے اس بڑے دروازے کی جانب دوڑا جس سے گزر کر ہم لوگ یہاں تہہ خانے میں آئے تھے۔

دروازہ بند کر دیا گیا تھا...... میں نے دروازے سے کان لگا کر باہر موجود سٹین گن برداروں کی سن گن لی...... سٹین گن برداروں کی کوئی چاپ نہیں سنائی دی تھی...... اس کے باوجود میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا...... مضبوط دروازہ توڑنا بھی ممکن نہیں تھا اور اس کو توڑنے کے لئے بھی ہتھیاروں اور اوزاروں کی ضرورت پیش آتی، چنانچہ اس طرف سے

بھی کسی قدر اطمینان ہو گیا تھا...... کم از کم اس تہہ خانے میں اب فوراً ان سٹین گن برداروں کی آمد کی امید نہیں تھی...... پیٹر اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا...... اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں...... تب کاجل میرے نزدیک پہنچ گئی۔

"اوہ...... تم نے...... تم نے ان سب کو ٹھکانے لگا دیا شام۔" وہ مسرت بھرے لہجے میں بولی۔

"نہیں ابھی کہاں میڈم کاجل ابھی تو بہت کچھ باقی ہے۔"

"یہ کمینہ شخص...... یہ کمینہ شخص۔" کاجل آگے بڑھی اور اس نے پیٹر کے بال پکڑ لئے، وہ غصیلے انداز میں اس کے بالوں کو جھنجھوڑتی ہوئی بولی۔

"کمینے...... کتے اب بول کہاں گئی، تیری اکڑ فوں۔" لیکن دوسرے لمحے وہ متحیرانہ انداز میں پیچھے ہٹ گئی، کیونکہ بال پکڑنے سے پیٹر کے چہرے سے ایک خول سا اتر آیا تھا، اس کے نیچے سے ایک اور نیا چہرہ برآمد ہوا تھا، جو غیر ملکی نہیں تھا، وہ سو فیصدی ملکی تھا...... گویا اب تک وہ اپنے چہرے پر میک اپ ماسک لگائے ہوئے تھا...... میں نے بھی چونک کر اس کی شکل دیکھی، حالت خراب ہو چکی تھی، اس شخص کی لیکن شکل وصورت سے وہ کوئی مقامی آدمی لگ رہا تھا...... کاجل اور میں کھڑے ہو کر اسے دیکھنے لگے...... پیٹر اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا...... میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"دوست وہ تمہارا اذیت خانہ اب تمہارا ہی انتظار کر رہا ہے...... آؤ ذرا مجھے اس کی سیر کرادو۔" میں نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے اٹھایا...... پیٹر میں اب اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ کوئی مدافعت کر سکتا...... اس کے ہاتھ پاؤں اتنے ڈھیلے ہو رہے تھے، لیکن میں اس کی طرف سے غافل نہیں تھا...... میں اسے گھسیٹتا ہوا اس گوشے کی جانب چلا جہاں اذیت رسانی کے آلات موجود تھے...... بلاشبہ یہاں بڑی عجیب و غریب چیزیں تھیں، ایسے ایسے شکنجے اور دوسری ایسی چیزیں تھیں، جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ جیسے اس جگہ کو باقاعدہ ایک اذیت گاہ بنا دیا گیا ہے۔

پیٹر بدحواس انداز میں میری اور کاجل کی شکل دیکھنے لگا...... پھر آہستہ سے بولا۔

"نہیں...... نہیں...... پلیز نہیں...... مجھ میں اب مار کھانے کی سکت نہیں ہے۔"

"تو اب تم یہ بتاؤ کہ اصل میں تم کون ہو؟ تمہارے چہرے سے پیٹر کا نقاب تو اتر چکا ہے۔"

"میرا...... میرا نام ہری چند ہے۔" اس نے جواب دیا اور میں ایک لمحہ کے لئے سناٹے میں رہ گیا۔

ہری چند کا نام میرے لئے اجنبی نہیں تھا، لیکن مجھے تعجب تھا کہ وہ مجھے نہ پہچان سکا، کیونکہ پوجا کے خیال کے مطابق اور اس کے خاندان کے مطابق میں شام کا ہمشکل تھا۔

مجھے اس بات پر حیرت ضرور تھی، لیکن میں اس بات پر حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا...... کاجل کے سامنے یہ تمام باتیں ٹھیک نہیں تھیں، البتہ میں اپنے پروگرام میں کچھ تبدیلیاں کرنا چاہتا تھا۔

پہلے میں نے یہ سوچا تھا کہ معلومات حاصل کرنے کے بعد اس شخص کو قتل کر کے نکلنے کی کوشش کروں گا، لیکن اب اس کی زندگی ضروری تھی...... یہ آدمی تو بڑے کام کا تھا، اس کی تلاش کے لئے میں نے کافی کوشش کی تھی اور اس میں ناکام رہا تھا، کاجل دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی...... میں نے جس طرح صورت حال کو تبدیل کر دیا تھا، اس سے وہ بڑی خوش نظر آ رہی تھی، اس نے کہا۔

"اب اسے مار ڈالو...... مار ڈالو...... اس کی زندگی ہمارے لئے خطرناک ہو سکتی ہے، کسی بھی لمحے یہ اپنے ساتھیوں کو آواز دے سکتا ہے۔"

"نہیں کاجل اس کی زندگی ہمارے لئے خطرناک نہیں بلکہ ضروری ہے، تم ہری چند کے نام پر غور نہیں کر رہیں۔"

"کیوں نہیں...... میں خود بھی اس شخص کی تلاش میں سرگرداں رہی ہوں، لیکن...... لیکن موجودہ صورت حال ہمارے لئے بہتر نہیں ہے۔"

"کیسے۔"

"اس کا جواب تمہیں ابھی مل جاتا ہے۔" میں نے کہا اور پھر ہری چند کی طرف رخ کر کے بولا۔

"اب یہ بتاؤ ہری چند کہ موت کو اسی وقت گلے لگانا چاہتے ہو یا کچھ زندگی چاہتے ہو۔"

"نہیں نہیں...... صورت حال اس وقت میرے بجائے تمہارے ہاتھ میں ہے، لیکن ایک بات کو ذہن نشین کر لو کہ تم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔"

"میں یہاں سے نکلوں گا ہری چند اور تمہاری مدد سے نکلوں گا۔"

"ہاں...... صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔" ہری چند کی آنکھوں میں ایک چمک نظر آئی اور میرے ہونٹوں سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔

"خوب خوب، لیکن تم جس انداز میں سوچ رہے ہو وہ مناسب نہیں ہے ہری چند۔"

"کیا مطلب۔"

"تم سوچ رہے ہو گے کہ میں تمہیں ڈھال بنا کر یہاں سے نکلوں گا اور تم غیر محسوس انداز میں اپنے سٹین گن برادروں کو اشارہ کر دو گے اور وہ ہم دونوں کو چھلنی کر دیں...... یہی سوچ رہے ہو نا تم۔"

"نن...... نہیں...... میں بھی تو تمہارے ساتھ ہی ہوں گا۔"

"نہیں میرے دوست ایسے نہیں...... ہمارے ساتھ تم ضرور ہو گے لیکن اس راستے سے ہم باہر نہیں نکلیں گے جس سے گزر کر اندر آئے ہیں۔"

"کیا مطلب...... یہاں اور کون سا راستہ ہے۔"

"تم بھول رہے ہو ہری چند، تمہارے یہ دونوں لڑاکے اندرونی کمرے سے آئے تھے۔" میں نے کہا اور ہری چند کا چہرہ ایک لمحے کے لئے پھر تاریک ہو گیا، لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"یہ اندرونی حصہ یہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"اس کے باوجود میں تلاش کرنا چاہتا ہوں۔"

"سنو! میں تمہیں یہاں سے نکال سکتا ہوں اور اس کے بعد میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں بذاتِ خود تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا...... اپنے جھگڑے کو اگر ہم اس جگہ نمٹا لیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

"یہ ساری پیشکشیں پہلے کی تھیں، ہری چند اب صورت حال تبدیل ہو چکی ہے اور پھر تم سے ذرا کچھ اور بھی حساب کتاب کرنا ہے چلو اُٹھو۔"

"میں اُٹھ نہیں سکتا۔"

"میں اُٹھا سکتا ہوں تمہیں۔" میں نے کہا اور ہری چند کی جیب سے لائٹر نکال لیا...... اس نے چونک کر میری طرف دیکھا، میری نگاہ اتفاقیہ طور پر اس لائٹر پر پڑ ہی گئی تھی...... میں نے لائٹر روشن کیا اور ہری چند کے بدن کے کھلے حصے پر لگا دیا...... وہ پھرتی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیا خیال ہے ہری چند! اب تو تم کھڑے ہو سکتے ہو۔" اس نے خوفزدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"آؤ۔" میں اس دروازے کی جانب چل پڑا...... جدھر سے گزر کر وہ دونوں لڑاکے ادھر آئے تھے، میں نے ہری چند کو آگے رکھا تھا لیکن اس طرح اس پہ نگاہ رکھی تھی کہ اگر ذرا بھی کوئی حرکت کرے تو اسے سنبھال سکوں...... ویسے وہ اتنا زخمی تھا کہ اس سے کسی قسم کی پھرتی کی توقع ذرا مشکل بن سکتی تھی۔

دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد ہم ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچے...... اس کمرے میں ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا۔

"اس کے دوسری طرف کیا ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"چلو...... باہر چلو۔" ہری چند بولا اور ہم کمرے کے دروازے سے باہر نکل آئے...... باہر ایک پتلی سی راہداری عمارت کے عقبی حصے کی جانب گئی تھی، اس طرف کوئی نظر نہیں آ رہا تھا...... تھوڑا سا فاصلہ عبور کرنے کے بعد ہم ایک چھوٹی سی دیوار کے پاس پہنچ گئے......

یہاں رک کر میں نے کاجل کو اشارہ کیا اور کاجل اُچھل کر دیوار پر چڑھ گئی...... اس نے دیوار کے دوسری طرف کا منظر دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔

"بالکل ٹھیک ہے...... کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔"

میں نے ہری چند کو اُوپر چڑھنے کا اشارہ کیا...... کاجل دوسری طرف کود چکی تھی...... ہری چند بھی دوسری طرف کودا، پر کودنے کے ساتھ ہی اس نے بھاگنے کی کوشش کی تھی، یہ اور بات تھی کہ زخمی ہونے کی وجہ سے زیادہ بھاگ نہیں سکا اور تھوڑے ہی فاصلے پر میں نے اسے جا دبوچا اور پھر میرے چند گھونسوں نے اس کے حواس درست کر دیئے تھے۔

"تم صرف شرافت سے چلتے رہو۔" "لیکن پیدل...... پیدل کتنی دُور چلو گے تم یہاں سے۔"

"اس کا انتظام کر لیں گے ہری چند! تم ذرا درختوں کے اس جھنڈ کی طرف چلو۔" میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں، ہری چند اور کاجل درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب پہنچ گئے...... جو یہاں سے تھوڑے فاصلے پر نظر آ رہے تھے، یہاں میں نے کاجل کو دیکھا اور پھر ہری چند کی طرف رخ کر کے بولا۔

"اب میں اپنی کارروائی شروع کرتا ہوں، ہری چند! دیکھو کیا تماشہ دکھاتا ہوں میں، اس طرف دیکھو۔" میں نے اسے اشارہ کیا اور وہ اس طرف مڑ گیا، اسی وقت میرا گھونسا اس کی گدی پر پڑا اور ہری چند لہراتا ہوا زمین پر آ رہا...... کاجل اُچھل کر پیچھے ہٹ گئی، اسے میرے اس اقدام کی توقع نہ تھی۔

"یہ کیا کیا تم نے؟"

"اسے بے ہوش کرنا ضروری تھا...... ہوش میں رہتا تو ہمارے لئے تکلیف دہ بن جاتا...... اب میں گاڑی کا بندوبست کرتا ہوں...... کاجل! تم آرام سے یہاں اس کی نگرانی کرو اور دیکھو کوئی بھی حرکت کرے تو تم اس کے لئے محتاط رہنا۔"

"بے فکر رہو۔" کاجل نے کہا، میں ان دونوں کو یہیں چھوڑ کر عمارت کے سامنے کی

سمت میں پہنچ گیا...... یہاں سے میں نے عمارت کا جائزہ لیا...... گاڑی پورچ میں کھڑی نظر آ رہی تھی، اب اس تک پہنچنا اور اسے سٹارٹ کر کے یہاں تک لانا ایک اہم مسئلہ تھا...... مجھے یہ احساس تھا کہ یہاں ایسے مسلح افراد موجود ہیں جو خاصے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں، چنانچہ ان کا خیال رکھنا بھی ضروری تھا، میں دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہا اور ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے دیوار پھلانگ کر اگر میں اندر جاتا تو گاڑی تک پہنچنے میں زیادہ دقت نہ پیش آتی...... میں نے یہی کیا، دیوار پھلانگ کر گاڑی تک پہنچا، لیکن اس وقت میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو سٹین گن ہاتھوں میں لئے باہر نکل رہا تھا...... یہ انہی سٹین گن برداروں میں سے ایک تھا جنہوں نے ہمیں کور کر رکھا تھا...... میں گاڑی کی آڑ میں چھپ گیا...... وہ شخص باہر نکل کر گاڑی کے بالکل قریب پہنچ گیا...... پتہ نہیں کیا کام تھا اسے، اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد وہ جھکا اور گاڑی سے کچھ نکالنے کی کوشش کرنے لگا...... میں نے اسی وقت اسے ناپ لیا، میرا گھونسہ اس کی گدی پر پڑا اور بری طرح زمین پر رگیدنے لگا...... میں نے چند ہی لمحات میں اس کے ہوش درست کر دیئے تھے اور سٹین گن تو میرے گھونسے کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی...... اس کے بعد جلد ہی میرے گھونسوں نے اس کے حواس چھین لئے اور اس کے بعد میں اسے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

سٹین گن اُٹھا کر میں نے اپنے قبضے میں کی، اس وقت یہ میری اہم ترین ضرورت تھی اور پھر میں گاڑی میں جا بیٹھا...... اگنیشن میں چابی لگی ہوئی تھی...... میں نے اسے سٹارٹ کر کے ریورس کیا اور ریورس کرتے ہوئے گیٹ سے باہر نکال لی، اس کے بعد میں نے اسے پوری قوت سے اس طرف دوڑایا جہاں درختوں کا جھنڈ تھا...... درختوں کے جھنڈ میں کاجل ہری چند کے ساتھ موجود تھی۔

ہری چند ابھی تک بے ہوش تھا...... میرا ہاتھ اتنا جچا تلا تھا کہ مجھے یقین تھا کہ ہری چند اتنی جلدی ہوش میں نہیں آ سکے گا، میں نے ہری چند کو اٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالا...... پھر میں اور کاجل گاڑی میں بیٹھ گئے...... کاجل نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو پچھلی سیٹ پر

رکھا تھا تاکہ ہری چند اگر ہوش میں آئے تو وہ اسے سنبھال سکے، ڈرائیونگ میں کر رہا تھا اور کچھ دیر کے بعد ہم کاجل کی کوٹھی میں داخل ہو رہے تھے۔

کاجل کی کوٹھی میں پہنچ کر ہم ہری چند کو اٹھا کر اندر لے گئے...... کوشش یہ تھی کہ ملازموں تک کو اس کے بارے میں صحیح معلومات حاصل نہ ہونے پائیں...... کاجل نے میری رہنمائی بالکل اندرونی کمرے تک کی تھی اور پھر کہنے لگی۔

"اگر تم مناسب سمجھو تو اسے تہہ خانے میں لے چلو۔"

"تہہ خانہ۔" میں نے سوال کیا۔

"ہاں...... یہاں ایک ایسا تہہ خانہ موجود ہے جہاں ہم اسے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔"

"گڈ...... کاجل گویا تم نے ہر طرح کی آسانیاں فراہم کر لیں اپنے لئے۔" میں نے کہا اور کاجل نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی...... اس کے انداز میں بڑی نرمی اور محبت تھی، میں ہری چند کو شانے پر لادے ہوئے اس کے پیچھے تہہ خانے میں پہنچ گیا، جو خاصا کشادہ اور وسیع تھا اور یہاں کسی کو قید کرنے والے تمام تر لوازمات تھے، کاجل نے مجھے اس تہہ خانے کے بارے میں بتایا اور میں نے محسوس کیا کہ تہہ خانہ کافی محفوظ ہے اور کوئی یہاں سے اپنی مرضی سے نہیں نکل سکتا۔

"یہ بہترین جگہ ہے، مجھے پسند آئی۔"

"میں نے سوچا تھا کہ یہاں ایک لائبریری بناؤں گی، ایسی لائبریری جہاں کبھی فرصت کے لمحات میں بیٹھ کر میں دنیا اور مافیا سے بے خبر ہو سکوں۔"

"کیا تمہیں کتابوں سے دلچسپی ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"بے حد۔"

"کس قسم کی کتابیں پڑھنا پسند کرتی ہو۔"

"اب تو صرف ایک ہی کتاب میرے سامنے ہے...... کتاب انتقام۔" اس نے کہا اور میں مسکرانے لگا پھر میں نے کہا۔

"کاجل تم میرے بارے میں کیا کچھ جانتی ہو۔"

"اب تو کچھ جاننا نہیں چاہتی، بس اتنا معلوم ہے کہ تم میرے ہمدرد ہو اور۔" وہ خاموش ہو گئی۔

"جملہ پورا کرو کاجل۔" میں نے کہا۔

"نہیں رہنے دو...... بعض باتیں ادھوری ہی اچھی لگتی ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی اور پھر کہنے لگی۔

"تمہیں کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔"

"واہ...... بڑی جلدی میری چوٹوں کا خیال آ گیا۔"

"سوری ڈیئر...... سوری۔" وہ میرے بالکل نزدیک پہنچ گئی، اس نے میرے نزدیک پہنچ کر مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور میں مسکراتا رہا۔

"میرا سوال ابھی تشنہ ہے۔" میں نے کہا...... اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی...... وہ بڑی اپنائیت سے مجھے دیکھ رہی تھی، پھر وہ کہنے لگی۔

"تمہاری صلاحیتوں کا اندازہ تو مجھے پہلے ہی ہو چکا تھا، ورنہ میں تم تک نہ پہنچتی...... تم میرے اندازوں سے کہیں بلند ہو، میں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جاننا چاہتی، صرف اس حد تک کہ تم شام ہو۔"

"وہ تو میں ہوں، لیکن بہر طور میں ضروری نہیں سمجھتا کہ اس سلسلے میں تمہیں پریشان کروں...... ہاں اب یہ بتاؤ کہ اس شخص کے سلسلے میں کیا منصوبہ ہے تمہارے ذہن میں۔"

"ہوش میں آ جائے تو اس سے معلومات حاصل کریں گے۔" کاجل نے کہا اور میں ہری چند کی طرف دیکھنے لگا، چند لمحات دیکھتا رہا پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"ایک اور شخصیت ہے کاجل! جو اس شخصیت میں بڑی دلچسپی رکھتی ہے۔"

"کون؟"

"پوجا۔"

"پوجا کون۔"

"میری کزن بلکہ یوں سمجھ لو کہ وہ میرے ساتھ زندگی گزارنے کی آس لگائے بیٹھی ہے۔" میری اس بات پر کاجل بری طرح چونک پڑی، اس کے چہرے پر ایک افسردہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھگوان تم دونوں کو مبارک کرے۔"

"نہیں کاجل! یہ دعا نہ دو مجھے۔"

"کیوں۔"

"اس لئے کہ میں پوجا کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا۔" کاجل کی آنکھوں کے بجھے ہوئے چراغ یک بیک جل اُٹھے...... وہ آہستہ سے بولی۔

"مطلب...... مطلب یہ کہ تم...... تم۔"

"ہاں...... وہ میری کزن ہے...... میں اس سے ہمدردی رکھتا ہوں، اس کے مقاصد کی تکمیل چاہتا ہوں، لیکن اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور میں نے کبھی نہیں کیا۔"

"کیا وہ تمہیں چاہتی ہے۔"

"اس کے انداز سے یہی لگتا ہے...... بچپن میں بزرگوں نے ہمیں ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا تھا...... میں اپنے ذہن میں کبھی اس کے لئے وہ جگہ نہیں پا سکا، جو وہ چاہتی ہے، لیکن بہر طور وہ ایسے مصائب کا شکار ہوئی ہے کہ میں ابھی اس سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔" کاجل کچھ دیر سوچتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"کسی کو دھوکے میں رکھنا اچھا نہیں ہوتا شام۔"

"کچھ بھی ہو میں ابھی اس کو اس بارے میں نہیں بتاؤں گا...... یہ شخص ہری چند اس کے باپ کا قاتل ہے۔"

"کیا مطلب۔" کاجل چونک پڑی۔

"ہاں...... میرے چچا جس کو اس نے قتل کیا اور پوجا اس کے انتقام کے لئے پیاسی

ہو رہی ہے۔"

"تو ہم اسے پوجا کے حوالے کر دیں گے۔" کاجل نے فراخدلی سے کہا۔

"میں یہی کہنا چاہتا تھا کاجل! کہ کیا ہم پوجا کو یہاں بلا سکتے ہیں۔"

"اگر وہ تمہارے لئے قابل اعتماد ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔"

"لیکن ایک بات اور بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں نہیں چاہتا کہ پوجا کو ہمارے بارے میں پتہ چل سکے۔" کاجل کچھ دیر تک سوچتی رہی، پھر گردن ہلا کر بولی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو...... مناسب نہیں ہو گا...... واقعی مناسب نہیں ہو گا۔"

"تو پھر پوجا کی ہری چند سے ملاقات کہاں کرائی جائے۔"

"اس کے لئے تم جو بھی فیصلہ کرو گے مجھے منظور ہو گا...... میرے سپرد جو ذمہ داریاں کرو گے، وہ بس میں پوری ایمانداری سے انجام دوں گی۔"

"کاجل میں چاہتا ہوں کہ پوجا کو پراسرار ذرائع سے یہاں لایا جائے اور یہاں وہ میری موجودگی میں ہری چند سے ملاقات کرے اور اس وقت تم یہاں موجود نہ ہو۔"

"میں نے کہا ناں...... میں صرف وہ کروں گی جو تم کہو گے۔"

"خیر ابھی ہمیں اس کی جلدی نہیں ہے...... پہلے یہ ہوش میں آ جائے...... اس کے بعد دیکھیں گے کہ آگے ہمیں کیا کرنا ہے...... تم سے صرف میں اجازت لینا چاہتا ہوں۔"

"ایک بات سنو! شام اب تم مجھ سے کسی بات کی اجازت مت لیا کرو سمجھے...... میرے اور تمہارے درمیان اب اجازت کا کوئی معاملہ نہیں ہے۔"

"اس اعتماد کا بہت بہت شکریہ۔" میں نے جواب دیا اور کاجل مسکرانے لگی، پھر آہستہ سے بولی۔

"بعض اوقات انسان بہت چھوٹا ہو جاتا ہے، اتنا چھوٹا کہ اگر وہ خود اپنے آپ پر غور

رے تو اسے اپنے آپ پر ہنسی آئے۔"

"یہ کس سلسلے میں کہہ رہی ہو۔"

"سو فیصدی اپنے بارے میں کہہ رہی ہوں، لیکن ابھی بتاؤں گی نہیں کچھ۔"

"یہ عادت اچھی نہیں ہے۔"

"پلیز ویسے تم جو کچھ بھی کہو گے میں کبھی اس سے انکار نہ کروں گی، لیکن یہ بات بس یہ بات میں ابھی نہیں بتاؤں گی۔" اس نے کہا اور مسکرانے لگی۔

"جیسی تمہاری مرضی...... میں مجبور نہیں کروں گا...... اب اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔"

"ٹھیک ہے۔" کاجل نے کہا اور ہری چند کے نزدیک پہنچ گئی۔

ہری چند بدستور بے ہوش تھا...... ہم نے اس کے لئے مناسب بندوبست کر لیا تھا...... لباس وغیرہ تو پہلے ہی تلاش کر لیا گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ نہ کرنے پائے وہ...... اس کے علاوہ اسے خوفزدہ کرنے کے لئے میں نے مناسب انتظام کر لیا تھا...... چند منٹوں کے بعد ہم اسے ہوش میں لانے میں کامیاب ہو گئے...... وہ تھوڑی دیر تک زمین پر چت پڑا رہا اور پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا...... اس کی وحشت زدہ نگاہیں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں...... میں نے اس کے سامنے آ کر کہا۔

"ہری چند...... تم جانتے ہو کہ بعض اوقات کھیل غیر متوقع طور پر ختم ہو جاتا ہے۔"

"یہ کون سی جگہ ہے۔" اس نے سوال کیا۔

"کم از کم وہ نہیں جہاں تم ہمیں بہلا پھسلا کر لے گئے تھے، بلکہ یہ بالکل نئی اور اجنبی جگہ ہے تمہارے لئے۔"

"میں محسوس کر رہا ہوں، لیکن...... لیکن۔"

"لیکن یہ کہ کھیل الٹا ہو گیا ہے...... جناب ہری چند صاحب یا سردار پیٹر آپ نے اپنی دانست میں بہت بڑا تیر مارا تھا، لیکن آپ کو اندازہ نہیں تھا کہ بعض اوقات وہ کچھ بھی ہو جاتا

ہے جو انسان کبھی نہیں سوچتا۔"

"ہاں میں محسوس کر رہا ہوں۔"

"اب ضروری یہ ہے مسٹر ہری چند کہ آپ اپنے بارے میں تمام تفصیلات بتا دیں۔"

"میں...... میں...... میں تمہیں کسی حد تک بتا چکا ہوں اپنا نام بھی میں نے ہی بتایا تھا تمہیں اور یہ بھی بتا چکا ہوں کہ میرا تعلق یلو چینل سے ہے۔"

"گڈ...... یلو چینل کے بارے میں تفصیلات بتاؤ۔"

"یہ کوئی چھوٹی موٹی جماعت نہیں ہے، بہت بڑا گروہ ہے جو دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلا ہوا ہے...... اسے کئی آدمی کنٹرول کرتے ہیں اور ان سب کا انچارج ایک شخص ہے۔"

"گڈ...... میں اس شخص کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"یقین کرو...... تم دنیا کے کسی بھی حصے میں چلے جاؤ...... اس شخص کے بارے میں نہیں جان سکو گے۔"

"کیا مطلب۔"

"اسے جاننے والے اس روئے زمین پر نہیں ہیں، سوائے اس کے۔"

"گڈ...... گڈ...... تم ایک وفادار آدمی ہو، اپنے گروہ کے سربراہ کو اس طرح چھپا رہے ہو...... میں اس بات کی قدر کرتا ہوں لیکن دوست یہ بھی جانتے ہو کہ میں اس کا دشمن ہوں اور اسے ہر قیمت پر منظر عام پر لانا چاہتا ہوں۔"

"زیادہ سے زیادہ میرے ٹکڑے کر دو گے اور کیا کرو گے، لیکن میری بات کی سچائی پر غور کرو...... میں ان لوگوں میں سے ہوں جو جب ہار جاتے ہیں تو پھر اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں، جو کچھ میں نے کہا سچ کہا۔"

"چلو ٹھیک ہے، مان لیتا ہوں لیکن یلو چینل کے پروگرام کیا ہوتے ہیں۔"

"پروگراموں سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"میرا مطلب ہے اس کا طریقہ کار اس کا مقصد۔"

"کوئی مقصد نہیں ہے...... ہم لوگ زیادہ تر منشیات کی سمگلنگ کرتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منشیات کا کاروبار پھیلاتے ہیں...... اس سلسلے میں ہمیں کئی ملکوں کا تعاون بھی حاصل ہے جو اپنے ہاں سے منشیات بیرون ملک بھجواتے ہیں...... غالباً کوئی سیاسی چکر بھی اس میں شامل ہے، لیکن ہم لوگوں کو اس سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، ہمارا کام تو صرف اتنا ہوتا ہے کہ ہم سمگلنگ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لئے موثر منصوبہ بندی کریں اور اس سلسلے پر عمل کریں۔"

"سمگلنگ کے علاوہ تمہارا اور کوئی کاروبار ہے؟"

"سارے کاروبار جو ایک جرائم پیشہ گروپ کر سکتا ہے۔"

"مطلب۔"

"قتل و غارت، لوٹ مار، بلیک میلنگ تمام کام ہوتا ہے...... ہمارے ہاں، لیکن ان کا ایک باقاعدہ حساب رکھا جاتا ہے اور سربراہ کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا...... کبھی کبھی سربراہ خود حکم دیتا ہے کہ اب بنکوں کو لوٹا جائے اور اس سلسلے میں پوری دنیا میں کام شروع ہو جاتا ہے...... ہمارے پروگرام بڑے دلچسپ اور عجیب و غریب ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہم ان پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔"

"سربراہ رہتا کہاں ہے یہ تو معلوم ہوگا۔"

"زمین اور آسمان کے درمیان کسی بھی جگہ...... کسی بھی جگہ...... ممکن ہے کہ وہ زمین پر رہتا ہو یا ممکن ہے اس نے آسمان پر اپنے لئے کوئی جگہ بنا رکھی ہو، چونکہ اگر وہ انسانوں کے درمیان ہوتا تو کہیں نہ کہیں اس کا نام اور پتہ تو ملتا۔"

"دلچسپ بہت دلچسپ...... کیا بلیک میلنگ بھی کرتے ہو تم لوگ۔"

"ہاں...... کیوں نہیں۔"

"بندو لال کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔"

"بندو لال۔" ہری چند پر خیال انداز سے بولا۔

"ہاں بندو لال۔"

"مجھے یاد نہیں اس نام کا کوئی شخص۔"

"نہیں ہری چند میں اس بندو لال کی بات کر رہا ہوں جس کو تم نے قتل کر دیا اور جس کا تم سے تنازعہ چل رہا تھا۔"

"ہاں...... تم بندو لال کی بات کر رہے ہو جو گووند لعل کا بھائی تھا۔"

"یقیناً۔"

"تم...... تم ارے تمہاری شکل تو مجھے جانی پہچانی لگ رہی ہے...... تم میرا مطلب ہے کہ تم۔"

"ہاں...... میں وہ ہوں جسے تم نے قتل کر دیا تھا۔"

"شام...... شام ناتھ۔" ہری چند کی آنکھوں میں شدید حیرت اور خوف کے آثار اُبھر آئے۔

"ہاں شام ناتھ۔"

"لیکن تم اصل شام تو نہیں ہو...... یہ بات تو تم تسلیم کرو گے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔"

"اصل شام تو ہمارے ہاتھ مارا گیا تھا۔"

"نہیں ہری چند تم غلط فہمی کا شکار تھے، اصل شام میں ہوں۔"

"میں ہر گز نہیں مان سکتا، کیونکہ اس وقت میں بھی وہیں موجود تھا جب شام کو قتل کیا گیا۔"

"میں نے ایک قہقہہ لگایا اور کاجل کی طرف دیکھ کر بولا۔

"تب تو پھر کاجل ہم دونوں میرا مطلب ہے...... کم از کم میں تو زندہ نہیں ہوں، کیا خیال ہے تمہارا۔" کاجل ہنس پڑی...... ہری چند کاجل کو دیکھنے لگا تھا، پھر اس نے کہا۔

"میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں، تم آخر ہمارے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہو۔"

"یہ تم ابھی نہیں جان سکو گے...... شاید اس وقت تک نہیں جب تک میرا مقصد پورا نہ ہو جائے۔"

"تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"یہ بھی تمہیں نہیں بتایا جا سکتا۔" کاجل نے جواب دیا۔

"تمہاری مرضی...... بہر حال اب یہ بتاؤ کہ میرے سلسلے میں تم کیا کرنا چاہتی ہو۔"

"ہم ابھی تمہارے بارے میں مزید تفصیلات جاننا چاہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"میں بچپن سے بگڑا ہوا آدمی ہوں...... مجھے شروع ہی سے غنڈہ گردی کی عادت تھی، برے لوگوں کی صحبت میسر آ گئی اور میں مختلف سرگرمیوں میں مصروف ہو گیا اور ان سرگرمیوں میں میں نے بڑی ترقی کی، لیکن ان سرگرمیوں میں میری اپنی ایک لائن بن گئی...... میں ایسے معروف اور ممتاز افراد کے قتل یا اغوا کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا، جن پر عام لوگ ہاتھ ڈالنے سے ڈرتے تھے اور ان تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔"

"کاجل کے پاس تم پیٹر بن کر گئے تھے کیوں۔"

"مجھے اُوپر سے حکم ملا تھا۔"

"کتنی اوپر سے۔" میں نے ہنس کر سوال کیا۔

"تو سومرو کو جانتے ہو۔" اس نے سوال کیا۔

"نہیں بھائی! ہمارا کسی سومرو سے کوئی تعارف نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ کام سومرو نے میرے سپرد کیا تھا اور سومرو ہماری پارٹی میں ایک بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے۔"

"سومرو نے یہ کام تمہارے سپرد کیوں کیا تھا۔" میں نے پھر سوال کیا۔

بس اس کے احکامات کو ماننا ہمارا فرض ہے...... تم جب یلو چینل کے بارے میں معلومات کرو گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ یلو چینل کیا ہے...... عجیب سی روایات ہیں اس کی، ہر وہ کام یہاں کر لیا جاتا ہے جس کے بارے میں عام لوگ توقع بھی نہیں کر سکتے۔

سومرو کو شاید بہت پہلے ہی سے ہدایت ملی ہوئی تھی کہ وہ کاجل کو کسی طرح اپنے قابو میں کرے...... کاجل کو قتل کی دھمکی دی جانے والی تھی بلکہ اس طرح اغوا کر کے اسے قید کر دیا جاتا اور پھر اس سے کہا جاتا کہ وہ فلاں کام کر دے ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔"

"یہ فلاں کام کیا ہوا؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ صرف سومرو جانتا ہے...... میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہمارے آدمی ہر وہ کام کر لیتے ہیں جو منافع بخش ہو...... شاید کسی نے سومرو کو اس سلسلے میں حاصل کیا ہو...... تم سمجھتے ہو: ایسے لوگ خود کسی قسم کا کام نہیں کرنا چاہتے اور معاوضہ دے کر اپنے دشمنوں کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں...... ہم سے رابطہ کر لیتے ہیں، ممکن ہے سومرو کو کاجل کے سلسلے میں کوئی ٹھیکہ ملا ہو۔"

"ٹھیکہ دینے والا کون ہو سکتا ہے۔"

"یہ مجھے معلوم نہیں...... وہ کون ہے...... اس سلسلے میں صرف وہی جانتا ہو گا۔"

"سومرو نے تم سے کیا کہا تھا۔"

"صرف یہی کہ کاجل کو کسی نہ کسی طرح اپنے قابو میں کرے۔"

"اور میرے بارے میں کیا حکم تھا؟"

"تمہارے بارے میں تو کچھ بھی نہیں تھا، تمہارے بارے میں تو کسی کو علم ہی نہیں تھا کہ تم کاجل کے سیکرٹری ہونے کے باوجود اتنے خطرناک آدمی ہو، ورنہ وہ تمہاری طرف توجہ ضرور دیتے۔"

"کاجل کو اس سے پہلے بھی کبھی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔"

"متعدد بار...... کام بہت مشکلات سے گزرنے کے بعد ہی میرے حوالے کیا گیا ہے، ورنہ عام لوگ چھوٹے موٹے طریقے سے کاجل کے بارے میں کام کرتے رہے...... وہ تو کاجل کی قسمت اچھی تھی، ان پر غلط وقت میں حملے ہوتے رہے اور ہر مرتبہ یہ بچ گئیں...... پھر سننے میں آیا کہ اس نے ایک آدمی بھی رکھ دیا ہے...... وہ آدمی تم ہو، بہر طور سومرو کو اس

بات کا اندازہ نہیں تھا کہ تم کیا ہو...... بہر طور یہ میرا مسئلہ تھا، اب اس سلسلے میں تم خود ہی جانتے ہو۔"

"اگر کاجل کو اغوا کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو اس وقت اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے۔"

"اسے...... اسے۔" وہ چند لمحات کے لئے خاموش ہو گیا۔

"بولتے رہو ہری چند تمہاری زبان کھلوانے کے لئے بہت عمدہ بندوبست کر لیا گیا ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ وہ گر تم پر آزمائے جائیں تو پھر ہم اس پر اعتراض نہیں کریں گے اور تمہاری خواہش پوری کریں گے۔"

"سنو تو سہی...... سنو تو سہی مجھ پر تشدد کرنے کی ضرورت نہیں...... کاجل کو تقریباً ایک ہفتہ اپنے پاس رکھنا، تمہیں ٹھکانے لگا دیتا اور اس کے بعد اسے...... اسے۔"

"دیکھو ہری چند رکنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس کے بعد اسے شام نگر پہنچا دیا جاتا...... شام نگر میں راجہ پرتاب سنگھ کی شکار گاہ پھیلی ہوئی ہے اور دُور دُور تک کے علاقے سرسبز و شاداب بنا لئے گئے ہیں...... جنگلوں میں جانور دہاڑتے پھرتے ہیں...... اس شکار گاہ میں ایک عمارت جس میں کاجل کو پہنچا دیا جاتا۔"

"شام نگر۔" میں نے پر خیال انداز میں کاجل کو دیکھا...... کاجل کی آنکھوں میں اجنبیت کے آثار نظر آ رہے تھے...... پھر وہ بولی۔

"میں نے اس جگہ کا نام کبھی نہیں سنا۔"

"اور راجہ پرتاب سنگھ کا۔"

"میں نہیں جانتی وہ کون ہے؟" کاجل آہستہ سے بولی۔

"ہوں...... راجہ پرتاب سنگھ ویسے کہاں رہتا ہے۔"

"بھگوان کی سوگند مجھے نہیں معلوم...... میں نہیں جانتا لیکن شکار گاہ راجہ پرتاب سنگھ کے نام سے مشہور ہے...... میں ہی نہیں بے شمار لوگ جانتے ہیں...... شام نگر کا پورا علاقہ ہی

راجہ صاحب کی ملکیت ہے۔"

"گڈ...... وری گڈ...... اچھا یہ بتاؤ سومرو اس سلسلے میں کب تم سے ملاقات کرتا؟"

"میں اسے کاجل کے بارے میں اطلاع دیتا کہ وہ اب میرے قبضے میں ہے...... ویسے ہمارے درمیان یہ طے ہو گیا تھا کہ ایک ہفتے تک ہم یہ دیکھیں گے کہ کاجل کی تلاش کے سلسلے میں کون کیا کارروائی کرتا ہے، اس کے بارے میں جو کچھ بھی خبریں تھیں اور سومرو میری اس رہائش گاہ پر کاجل کی آمد کے بعد پہرہ لگا دیتا...... یہ سب اس کی ذمہ داری تھی۔ میں نے اس سے بات کر لی تھی۔"

"گویا سومرو ہی پرتاب سنگھ تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"پرتاب سنگھ کے بارے میں تمہاری کیا معلومات ہیں۔"

"راجہ پرتاب سنگھ کو میں نے کبھی نہیں دیکھا، لیکن وہ ایک عیاش طبع آدمی ہے اور اس نے اپنی اس شکار گاہ کو بڑا محفوظ بنا رکھا ہے...... راجہ پرتاب سنگھ کے نام پر بہت سے کام ہوتے رہے ہیں اور اس کے بہت بہترین معاوضے یلو چینل کو ملتے رہے ہیں، چنانچہ تمام پروگرام اسی انداز میں طے پاتے ہیں۔"

"ہوں تو یہ سلسلہ ہے...... تمہیں اس سلسلے میں سومرو نے کیا دیا ہے؟"

"ایک لاکھ روپے...... مجھے ایک لاکھ روپے ایڈوانس دیئے گئے ہیں۔" ہری چند نے بتایا۔

"اچھا ہری چند! یہ بتاؤ کہ اگر کاجل کو کامیابی سے اغوا کر لیتے تو سومرو کو تم کہاں اطلاع دیتے۔"

"میں اطلاع نہیں دیتا...... آج رات بارہ بجے وہ خود میرے پاس آنے والا تھا۔"

ہری چند نے بتایا اور میں پر خیال انداز میں اس کی شکل دیکھنے لگا...... چند لمحات میں غور کرتا رہا...... اس سلسلے میں اب ذرا کچھ اور سوچنا تھا...... سومرو کو قابو کرنے کے لئے کوئی ایسی کارروائی کرنی تھی، جو موثر ہوتی، اس کا فیصلہ میں اور کاجل بعد میں کر سکتے تھے، چنانچہ میں

نے ہری چند سے کہا۔

"بہر طور ہری چند! تمہارا ایک اور فرض باقی ہے...... اس کی ادائیگی تمہیں کرنی ہے، اس کے بعد تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کر لیا جائے گا...... فی الحال تم یہاں آرام سے رہو مرنا چاہو تو بہت سی چیزیں یہاں مرنے کے لئے موجود ہیں...... باہر نکلو گے تو زبردست کرنٹ تمہارا استقبال کرے گا، فیصلہ کرنا خود تمہارے ہاتھ میں ہے اور فی الحال تمہیں کھانے پینے کی کوئی تکلیف یہاں نہیں دی جائے گی...... اب ہم چلتے ہیں۔" میں نے کاجل کو اشارہ کیا اور ہم تہہ خانے سے باہر آ گئے۔

"جو کچھ میں نے کہا تھا کاجل اس سے مطمئن نظر آئی تھی، لیکن اس کے چہرے پر عجیب و غریب آثار نظر آ رہے تھے...... اپنے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر وہ بولی۔

"یہ تو مسئلہ حل ہوا اوپا جا کے سلسلے میں تم نے کیا فیصلہ کیا۔"

"ابھی میں نے یہ کام ملتوی کر دیا ہے...... ہری چند سے گفتگو کرنے کے بعد پہلے ذرا اس سومرو کو دیکھ لیتے ہیں...... یہ کون بے شرم ہے؟" میں نے کہا اور کاجل لفظ بے شرم پر ہنس پڑی۔

"لیکن سومرو بارہ بجے آئے گا...... اس کے لئے کیا کرو گے۔"

"یہی تم سے گفتگو کرنا تھی کاجل۔" میں نے کہا۔

"یقیناً چالاک آدمی ہوگا...... مسئلہ یہ ہے کہ ہم کوئی ایسی ترکیب کریں جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

"بے شک مجھے اب تمہارے ان آدمیوں کی ضرورت ہے جن کا ابھی تم تذکرہ کر چکی ہو۔"

"وہ تمہیں مل جائیں گے۔"

"کتنے آدمی ہو سکتے ہیں۔" میں نے سوال کیا۔

"دس، پندرہ، بیس، پچیس...... تم جتنے چاہو...... تمہیں مل سکتے ہیں۔"

"گڈ...... ویری گڈ...... اس کا مطلب ہے کاجل! ہمارے ہاتھ بھی خاصے لمبے ہیں۔"

"لمبے کرنے پڑے ہیں شام! اب بتاؤ پروگرام کیا ہے تمہارے ذہن میں۔"

"ہمیں ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے، جس کے چہرے پر ہم میک اپ کر کے ہری چند کی شکل دے دیں اور اس کے ساتھ میں تمہیں کاجل کی حیثیت سے رکھوں، میں خود بھی ساتھ رہوں...... بارہ بجے ہم سومرو کا انتظار کریں اور اس کے بعد جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"میں میک اپ کر لوں گا...... کیا تم میک اپ کا سامان مہیا کر سکتی ہو۔"

"یقیناً کر سکتی ہو...... یہ کون سا مشکل کام ہے۔"

تقریباً دو گھنٹے کے بعد ہم نے ایک پراسرار آپریشن کیا...... اپنے آدمی ہری چند کی رہائش گاہ کے اِرد گرد پھیلا دیئے...... اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک شخص کو جو ہری چند کے تن و توش کا آدمی تھا...... ہری چند کی شکل دے دی گئی اور اس کے بعد ہم کاجل کو لئے ہوئے اس کوٹھی میں داخل ہو گئے، جو کچھ عرصہ قبل ہری چند کی ملکیت تھی، لیکن اب وہاں ہمارا قبضہ تھا۔

کاجل کے ہاتھ پشت پر باندھ کر اسے کرسی پر بٹھا دیا تھا، لیکن ہاتھ اس طرح باندھے گئے تھے کہ کاجل جب چاہے اسے کھول لے...... اس کے علاوہ اس کے پاس ایک پستول بھی موجود تھا، وہ شخص جو ہری چند کے میک اپ میں تھا، وہ آزادی سے گھوم پھر رہا تھا...... میں نے اپنے چہرے میں تھوڑی سی تبدیلیاں پیدا کر لی تھیں۔

میک اپ کا سامان مل چکا تھا تو اب اس سلسلے میں بھلا کیا دقت ہو سکتی تھی اور اس کے بعد ہم انتظار کرنے لگے۔

کوٹھی کے ایک خاص حصے میں بیٹھ کر ہم سومرو کے منتظر تھے۔

ٹھیک بارہ بجے ایک کار کوٹھی میں داخل ہوئی اور ہمیں اس کے بارے میں اطلاع مل گئی۔ ہم سب انتظار کرنے لگے اور چند لمحات کے بعد ایک شخص جو اچھے خاصے تن و توش کا تھا، وہ اندر داخل ہوا...... میں نے اسے دیکھا اجنبی شکل تھی...... وہ اندر داخل ہو کر ہری چند

کے ہم شکل کو دیکھنے لگا، پھر اس نے کاجل کی طرف رُخ کر کے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کماری کاجل کی خدمت میں آداب!" کاجل منہ پھیلائے بیٹھی رہی۔

"کماری جی! بڑی مشکل سے آپ ہاتھ لگی ہیں...... راجہ صاحب آپ کے لئے پاگل ہو رہے ہیں...... کیا خیال ہے، راجہ صاحب سے کوئی واقفیت ہے یا نہیں ہے۔" کاجل نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا...... اس بات پر سومرو نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

خیر کوئی بات نہیں، جن لوگوں سے راجہ صاحب کی واقفیت نہیں ہوتی راجہ صاحب خود ہی ان سے اپنا تعارف کرا دیتے ہیں...... بھئی ہری چند! تم نے راجہ صاحب کے لئے جو کچھ کیا ہے...... اس کے صلے میں تمہیں اتنا انعام ملنا چاہئے کہ تم خوش ہو جاؤ...... میں اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے معاوضے کے علاوہ بھی تمہیں بہت کچھ ملے گا...... وہ شخص جو ہری چند کے میک اپ میں تھا خاموش رہا...... تب سومرو نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اب یہ بتاؤ کہ تم خود ہی اس کا تحفظ کر سکو گے یا میں اسے اپنی تحویل میں لے لوں۔"

وہ چند قدم آگے بڑھا اور کاجل کے قریب پہنچ گیا...... اس نے کاجل کے بندھے ہوئے ہاتھ دیکھے، لیکن ان ہاتھوں پر اسے کوئی شبہ نہ ہو سکا تھا، میں اس دوران پوزیشن سنبھال چکا تھا...... سومرو ایک دفعہ پھر ہری چند سے بولا۔

"کیا کہتے ہو ہری چند تم نے جواب نہیں دیا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" ہری چند کے میک اپ میں موجود شخص بولا اور سومرو چونک پڑا...... اس نے حیرت سے ہری چند کی طرف دیکھا...... دیکھتا رہا، پھر کماری کاجل کے نزدیک پہنچا اور اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"تم...... تم۔" اور پھر دفعتاً اس نے پیچھے ہٹ کر پستول نکال لیا...... پستول کا رخ اس نے ایک دم ہری چند کی طرف کر دیا تھا۔

"ہری چند تمہاری آواز کو کیا ہوا۔" اس نے کہا، لیکن اب اس کا موقع نہیں تھا کہ میں مزید مہلت دیتا...... میں نے پیچھے سے اس پر حملہ کر دیا تھا اور میری کوشش یہی تھی کہ

سب سے پہلے مرحلے پر پستول اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور ایسا ہی ہوا، پستول اُچھل کر دُور جا پڑا۔

سومرو ایک دم زمین پر بیٹھ گیا تھا اور میں اپنا توازن نہ رکھ سکا اور اس کے اوپر سے ہوتا ہوا آگے آرہا...... سومرو نے عقب سے میری گردن پکڑلی تھی، لیکن میں اسے اٹھائے ہوئے کھڑا ہو گیا اور پھر دھوبی پاٹ کے ذریعے اسے نیچے پٹخ دیا...... سومرو بہت پھرتیلا اور جنگ وجدل کا ماہر تھا، نیچے گرتے ہی اس نے دونوں ٹانگیں اٹھا کر میرے سینے پر ماردیں اور مجھے کئی قدم پیچھے ہٹ جانا پڑا...... سومرو کوئی سہارا لئے بغیر پھرتی سے کھڑا ہو گیا تھا۔ اب اس کی آنکھیں خون اُگل رہی تھیں...... اس نے پستول کی طرف جھپٹا مارا لیکن ہری چند کے میک اپ میں جو شخص تھا وہ بھی لڑاکا ہی تھا، اس نے اس طرف سے سومرو کو سنبھال لیا اور ایک اُلٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا...... سومرو سنبھلا تو میں نے عقب سے اس کا کالر پکڑ کر نیچے گھسیٹ لیا اور اس کے بعد میں نے اسے اُٹھنے کا موقع نہیں دیا...... لاتوں اور گھونسوں نے اس کی حالت خراب کر دی۔

چند لمحات کے بعد ہم دونوں نے مل کر اسے بے بس کر دیا...... کاجل اس دوران ہاتھ کھول کر کھڑی ہو گئی...... اس نے پھرتی سے آگے بڑھ کر وہ پستول اُٹھا لیا جو سومرو کے ہاتھ سے گرا تھا۔

''کھیل ختم ہو گیا مسٹر سومرو۔'' میں نے کہا...... سومرو اب بھی خونخوار نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا...... پھر اس نے کہا۔

''تم کون ہو...... ہری چند کہاں ہے۔''

''ہری چند سے ملنا چاہتے ہو۔'' میں نے سوال کیا۔

''کیا بکواس ہے یہ سب کچھ...... تم کیا سمجھتے ہو، میں اکیلا آیا ہوں یہاں۔''

''کوئی بھی تمہارے ساتھ آیا ہو سومرو اب تمہاری مدد کو نہیں آسکے گا، چلو پکارلو انہیں، ہم تمہیں اس کی اجازت دیتے ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''اس عمارت کے گرد ہمارے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔''

''مگر تم کون ہو۔''

''کاجل کماری کا ایک ادنیٰ خادم۔'' میں نے جواب دیا۔

''اوہ...... اس کا مقصد ہے کہ سازش ہوئی ہے...... ہری چند اور اس کے ساتھی کہاں مرگئے، سب کے سب...... سب کے سب تمہاری تحویل میں آسکتے ہیں۔''

''ہاں مسٹر سومرو اب تمہارے آدمی بھی ہمارے قبضے میں ہوں گے۔''

''میرے ساتھ کوئی آدمی نہیں ہے...... بدقسمتی ہے میری کہ آج میں تنہا ہی آیا ہوں۔''

''ارے واہ! تب پھر تم ہمیں دھوکا دے رہے تھے، لیکن مسٹر سومرو اگر تم دھوکا نہ بھی دیتے اور تمہارے ساتھ کچھ لوگ ہوتے تو کوئی فرق نہ پڑتا، بلاوجہ بے چارے مارے جاتے۔'' میں نے کہا۔

''تم کیا چاہتے ہو۔''

''ابھی کچھ نہیں ذرا اطمینان سے بیٹھ کر باتیں ہوں گی...... آیئے۔'' میں نے کہا۔

''کہاں؟''

''وہاں جہاں ہری چند موجود ہے۔''

''تم لوگ نقصان اُٹھاؤ گے۔''

''ہوسکتا ہے لیکن ہم نقصان اٹھانے کے عادی ہیں۔'' میں نے کاجل کی طرف دیکھ کر کہا، اور کاجل مسکرادی...... پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد سومرو کو بالکل ہی بے بس کر دیا گیا اور ہم اسے بھی ایک بند گاڑی میں لئے ہوئے کاجل کماری کی کوٹھی میں پہنچ گئے...... تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی تہہ خانے میں تھا...... ہری چند نے اسے دیکھا اور ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

''تم...... تم ہری چند...... تم یہاں۔''

"ہاں مسٹر سومرو! ضروری نہیں ہے کہ سارا کھیل ہماری مرضی کے مطابق ہو۔" ہری چند نے کہا۔

"اوہ...... بے وقوف احمق آدمی تیری وجہ سے میں مارا گیا ورنہ میں اتنی آسانی سے نہیں پھنس سکتا تھا۔"

"گالیاں دینا چاہتے ہو تو دے لو، لیکن اب تو تم پھنس چکے ہو۔"

"یہ سب...... یہ سب تیرے حساب میں رہے گا ہری چند۔"

"حساب کتاب تو ہم دونوں ہی کا ہو جائے گا سومرو...... جن لوگوں نے تم جیسے آدمی کو قابو کر لیا میں بھلا ان کے آگے کیا حیثیت رکھتا ہوں۔" اور پھر میری طرف رُخ کر کے بولا۔

"دیکھو دوستو! اب جو کچھ بھی تم کرنا چاہتے ہو کر لو، لیکن تم سے میری ایک درخواست ہے کہ مجھے اس شخص کے ساتھ قید نہ کرنا...... میں اس شخص کے ہاتھوں نہیں مرنا چاہتا۔"

"تو پھر اسے قتل کر دو ہری چند۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔

"کک...... کیا مطلب۔" ہری چند نے بوکھلا کر کہا۔

"تم دونوں ایک ہی جگہ ہوگے اگر تم چاہتے ہو کہ سومرو تمہیں قتل نہ کرے تو پھر تم سومرو کا کام تمام کر دو اور یہی تمہاری گلو خلاصی کا ذریعہ ہے۔"

"نہیں میں یہ نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر سومرو اپنے مسئلے میں آزاد ہے، کیوں مسٹر سومرو کیا خیال ہے تمہارا۔" جواب میں سومرو گالیاں دینے لگا، میں اور کاجل ہنستی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے...... ہمارے ساتھ دو اور آدمی بھی اس تہہ خانے میں آئے تھے جنہوں نے سومرو کے ہاتھ اس کی پشت پر کس دیئے...... اس کے بدن سے جو کچھ بھی مل سکا حاصل کر لیا گیا...... اب اس کے لباس میں کچھ نہیں تھا، چنانچہ میں نے سومرو سے کہا۔

"مسٹر سومرو ہری چند بالآخر اس بات کے لئے مجبور ہو جائے گا کہ تمہاری ہڈیاں توڑ دے اور ہم اس کی مدد کریں گے۔" سنا ہری چند! اگر تم اب بھی کوئی خطرہ محسوس کرتے ہو تو

رو کو ختم کر دو، ہمیں اس شخص کی ضرورت نہیں۔"

"میں یہ سب کچھ نہیں کر سکتا۔"

"ہری چند! سب کچھ تیری وجہ سے ہوا، میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔"

"دیکھو سومرو! بلاوجہ ان لوگوں کے جال میں نہ پھنسو...... ہم اور تم مل جل کر کچھ نہ سوچ لیں گے، لیکن اگر تم اشتعال میں آ گئے تو پھر ہم دونوں ہی کا نقصان ہوگا۔" بات رو کچھ کچھ سمجھ گیا تھا، چنانچہ وہ خاموشی سے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اس کے باوجود کہ تم گٹھ جوڑ کر لو گے مسٹر سومرو کو ہمیں بتانا ہوگا کہ پرتاب سنگھ کا گرام کیا ہے۔"

"تم احمق ہو اگر تم تشدد کر کے مجھ سے کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس کی کوشش کر لو، رہا پرتاب سنگھ کا معاملہ تو پرتاب سنگھ کا کوئی معاملہ نہیں...... دنیا جانتی ہے کہ وہ خوب رت عورتوں کا شائق ہے اور جس طرف اس کی نگاہ اُٹھ جاتی ہے اسے ہر قیمت پر حاصل لینا چاہتا ہے...... کاجل کا بھی یہی کیس ہے...... کاجل اس کی نگاہوں میں آ چکی ہے اور وہ ل کو اپنی شکارگاہ میں دیکھنا چاہتا ہے۔"

"ہوں۔" میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا، کاجل کے چہرے پر لت کے آثار نظر آ رہے تھے...... اس نے خونی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اور تم لوگوں نے مجھے اتنا ہی نرم چارہ سمجھا تھا کیوں؟ بکواس کرتا ہے یہ سب یلو چینل ے آدمی ہیں اور یلو چینل سے میری پرانی دشمنی ہے...... وہ لوگ...... وہ لوگ جانتے ہیں کہ اگر زندہ رہوں گی تو ایک نہ ایک دن ان کے سربراہ تک پہنچ جاؤں گی اور سربراہ مختلف ریقوں سے مجھے نقصان پہنچانے کی فکر میں سرگرداں ہے...... یہ ان کے لئے ممکن نہ ہوگا، کم از کم ان کے ہاتھوں نہیں مروں گی...... یہ میرا عہد ہے۔"

"تم بالکل نہیں مرو گی ان کے ہاتھوں کاجل! تم کیا سمجھتی ہو کہ کیا میں انہیں چھوڑ ں گا۔"

"سومرو! سربراہ کے بارے میں بتاؤ۔"

"یلو چینل کے سربراہ کی بات کررہے ہو۔"

"ہاں...... کم از کم یہ بتاؤ کہ پرتاب سنگھ کا تعلق بھی یلو چینل سے ہے۔"

"پرتاب سنگھ کا تعلق اگر یلو چینل سے ہے تو یہ بات تم اس سے معلوم کرسکتے ہو۔" "کیا تم اس کی شکار گاہ میں جانے کی جرات نہیں کرسکتے۔" سومرو نے سوال کیا۔

"کاجل جی! اس شخص کے تیور ذرا کچھ زیادہ اچھے نظر آتے ہیں، چنانچہ بہتر ہوگا کہ ہم اس کی زبان کھلوانے کے لئے کچھ کریں۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔"

"ٹھیک ہے مسٹر سومرو! آپ کچھ دیر آرام کریں...... اس کے بعد آپ کے لئے کوئی مناسب کارروائی کرلی جائے گی...... ہم دونوں وہاں سے واپس پلٹ پڑے...... سومرو کو وہیں چھوڑ دیا گیا تھا...... اس کے ہاتھ بندھے ہوئے رہنے دیئے گئے تھے، ہم نہیں چاہتے تھے کہ ہری چند کو اس سے کوئی نقصان پہنچ جائے...... ہاں اگر ہری چند خود ہی اس کے ہاتھ کھول دے تو دوسری بات ہے...... باہر نکل کر کاجل نے کہا۔

"میرا خیال ہے میں چند لوگوں کو یہاں اس تہہ خانے میں آس پاس پہرے کے لئے مقرر کئے دیتی ہوں، تاکہ یہ لوگ نکل کر بھاگ نہ سکیں۔"

"مناسب خیال ہے ایسے اعتماد کے لوگ۔"

"یہی لوگ کافی ہیں جو ہمارے ساتھ تہہ خانے تک آئے ہیں۔"

کاجل نے آہستہ سے کہا اور پھر اپنے ساتھیوں سے بات کرنے لگی، وہ لوگ کاجل کی ہدایت پر اس کی خواہش کی تکمیل کرنے کے لئے بخوشی تیار ہوگئے تھے۔

ہم انہیں چھوڑ کر اپنے ڈرائنگ روم میں آگئے...... پھر ڈرائنگ روم میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بہت رات ہوچکی ہے کیا خیال ہے آرام کیا جائے۔"

"نیند نہیں آئے گی کاجل، لیکن میں تمہارے چہرے پر تھکن کے آثار محسوس ہاہوں۔"

"ہاں بہت تھک گئی ہوں۔" کاجل نے جواب دیا۔

"تب پھر تم آرام کرو۔" تھوڑی دیر کے بعد کاجل اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں اپنی ئش گاہ میں آگیا۔"

"مجھے اب اس بارے میں بہت کچھ سوچنا تھا، بستر پر لیٹنے کے بعد میں نے اپنے ذہن کو اد چھوڑ دیا اور میرا برق رفتار ذہن خیالات کے سمندر میں کسی ہائی سپیڈ بوٹ کی مانند وڑنے لگا۔"

بہت کچھ سوچنا تھا، بہت کچھ کرنا تھا، کوئی فیصلہ کرنا تھا اس سلسلے میں، میں نے جو مصیبتیں اپنے گلے میں پال لی تھیں، انہیں بے مقصد نہیں ہونا چاہئے...... میں اتنے گہرے انداز میں سوچ رہا تھا کہ خود بعض اوقات اپنے آپ پر بھروسہ نہیں رہتا تھا کہ میں ان مراحل کو طے کرکے اس حد تک جاسکوں گا، جو میں نے اپنے لئے متعین کی ہے اور اگر میں چلا بھی جاؤں تو پھر کیا میرا مقصد پورا ہوسکتا ہے...... سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مجھے ان بلندیوں تک پہنچنے کے سلسلے میں نجانے کون کون سے مراحل سے گزرنا ہوگا...... ہاں میرے ذہن میں ایک منصوبہ تھا...... ایک بہت بڑا منصوبہ یہ یلو چینل کے سہارے اگر میرے اس مقصد کی تکمیل ہوجائے تو مجھے نئے سرے سے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی اور اگر یہ ب کچھ نہ ہو سکا اور میں راستے ہی میں رہ گیا تو موت تو میرے لئے ایک معمولی سی بات رہ گئی تھی...... راجہ پرتاب سنگھ کی شکار گاہ میرے ذہن میں تھی...... کاجل کو وہاں پہنچانے کے بعد راجہ پرتاب سنگھ کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے، مگر میں کاجل کو داؤ پر نہیں لگاسکتا تھا...... خاصی رات گئے تک جاگتا رہا...... منصوبے بناتا رہا، مسترد کرتا رہا اور اس کے بعد چند ٹھوس باتیں اپنے ذہن میں جمع کرلیں اور اس کے بعد سوگیا۔

دوسری صبح گیارہ بجے تک سوتا رہا...... کاجل نے مجھے جگانے کی کوشش نہیں کی،

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے میں خود ہی تیار ہو کر باہر نکلا تو کاجل میرے سامنے آگئی...... وہ شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھی...... آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں...... بال بکھرے ہوئے تھے...... میں نے اسے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا تو وہ مسکرانے لگی، پھر بولی۔

"نہیں اگر اپنی شکل آئینے میں بغور دیکھو تو مجھ سے مختلف نظر نہیں آؤ گے۔"

"کیا مطلب میری شکل تم جیسی ہو گئی ہے کیا۔" میں نے سوال کیا۔

"میرا یہ مطلب نہیں...... میرا مطلب ہے تمہاری آنکھوں میں رات کا خمار نظر آرہا ہے...... ظاہر ہے تم بھی نہیں سو سکے ہو گے۔"

"مجھے تو واقعی نہیں سونا چاہئے تھا کاجل! آؤ کہیں بیٹھیں...... چائے کے لئے کہہ دیا گیا۔"

"تمہیں دیکھنے آرہی تھی کہ جاگے یا نہیں؟"

"میرا خیال ہے تم بھی ابھی جاگی ہو۔"

"ہاں...... بس غسل بھی نہیں کیا منہ ہاتھ دھو کر تمہاری تلاش میں نکل آئی...... یہ سوچ کر کہ کہیں تم بور نہ ہو رہے ہو...... ملازموں سے پوچھا تو پتہ چلا کہ ابھی تک تم کمرے سے باہر نہیں نکلے...... واپس جا رہی تھی کہ تم کمرے سے باہر نکلتے ہوئے نظر آئے۔" ہم دونوں ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے...... ایک ملازم نے فوراً ہی چائے کے برتن ہمارے سامنے سجا دیئے...... کاجل نے اسے ناشتے کے لئے بھی کہہ دیا اور ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر چائے پینے لگے، کاجل نے کہا۔

"ملازموں سے میں نے کہہ دیا تھا کہ باہر موجود پہریداروں کے ہاتھ ان دونوں کے لئے ناشتہ بھجوا دیا جائے۔"

"یہ لوگ جنہیں تم نے پہرے پر لگایا ہے قابل اعتماد ہیں، ناں۔"

"ہاں میرا خیال ہے یہ کسی طور پر دغا نہیں کریں گے۔"

"گڈ...... ویسے اب پروگرام کیا ہے، کاجل۔"

"ایک بات کہوں شام کسی غلط انداز میں نہیں سوچنا پلیز۔"

"ارے نہیں اب میں تمہاری کسی بات کو غلط انداز میں نہیں سوچ سکتا۔"

"اس اعتماد کا شکریہ...... میں نے یہ سوچا ہے کہ اب اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دوں۔"

"اوہ...... بڑی خطرناک بات سوچی ہے کاجل۔"

"پلیز شام! میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ غلط انداز میں نہ سوچنا...... اگر ایک عورت کی حیثیت سے تم میرا کوئی تجربہ کرنا چاہتے ہو تو سنو، میرے دل میں محبتوں کا وجود ضرور ہے لیکن اب ان محبتوں کو وہ رنگ کبھی نہیں مل سکتا جو۔" کاجل کا چہرہ جھک گیا۔

"کیا مطلب۔"

"میں مطلب تمہیں زندگی کے کسی حصے میں نہیں بتا سکتی، بس اس بات کا خیال رکھنا میری ذات سے صرف یہی تردد پہنچے گا تمہیں۔"

"کاجل! کیا میں ہمیشہ تمہارے وجود کی کتاب کھولنے میں ناکام رہوں گا۔"

"میرے وجود کی کتاب نہیں ہے...... میں ایک کھلی کتاب ہوں...... بس یوں سمجھ لو کہ میرے ساتھ کچھ ایسی زیادتیاں ہوئی ہیں جو کہ میں...... کہ میں عام عورتوں سے مختلف چیز بن کر رہ گئی۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔"

"میں اس سے زیادہ تمہیں سمجھا بھی نہیں سکتی۔"

"اچھا یہ بتاؤ کاجل! کہ تمہاری اپنی زندگی کا مطمع نگاہ کیا ہے؟"

"یوں تو ہر انسان کی زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے...... میں نے اپنی زندگی صرف ان لوگوں سے انتقام کے لئے وقف کر دی ہے...... یوں سمجھ لو کہ یلو چینل والوں کے ہاتھوں مجھے کچھ ایسے نقصانات پہنچے ہیں کہ جنہیں اب میں کبھی واپس نہیں لا سکتی، جو گزر گیا سو گزر گیا...... بس میں اب گزرتے ہوئے وقت کا انتقام ہوں۔"

"تعجب ہے ایسی کون سی بات ہوئی تمہارے ساتھ...... بہر حال کاجل میں اس سلسلے

میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا، جہاں تک میرا معاملہ ہے میں بھی تمہیں یہ بتادوں کہ یا
چینل کے ذریعے اپنے راستے طے کرنا چاہتا ہوں، ہم دونوں ایک ہی منزل کے راہی بن گئے
ہیں اور ہماری منزل یکجا ہے۔"

"بھگوان کرے ہم کامیاب ہوں۔" کاجل نے کہا۔

"یقیناً۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پھر میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے آج میں پوجا کو ہری چند سے ملادوں...... ویسے کیا خیال ہے کاجل یہ
دونوں مہرے اب ہمارے لئے بیکار ہیں۔"

"ہاں ہیں تو بیکار لیکن کرو گے کیا ان کا۔"

"زندگی مناسب نہیں ہوگی ان کی کاجل! ہمیں مجبوراً انہیں قتل کرنا پڑے گا۔"

"میں بلاوجہ قتل و غارت گری سے منحرف ہوں، لیکن اگر کسی بڑے مقصد کے لئے
ایسا ہو تو میں اس میں کوئی حرج بھی نہیں سمجھتی...... ظاہر ہے اگر یہ آزاد ہوگئے تو ہمارے
بارے میں مکمل طور پر اطلاع دے دیں گے اور اس کے بعد ہمیں نقصان پہنچے گا۔"

"ایک بات کہوں کاجل! کچھ ایسے خطرات مول لینے کی ہمت کر سکو گی جس سے
تمہاری زندگی بھی جاسکتی ہے۔"

"بالکل...... میں اب ایسے خطرات مول لے سکتی ہوں۔ کہو!" کاجل نے سوال کیا۔

"تو پھر اس سلسلے میں، میں تمہیں بعد میں تفصیل سے بتاؤں گا...... آج میرا خیال ہے
پوجا کو ہری چند کے سامنے لے آؤں تاکہ وہ اپنا حساب کتاب طے کرے۔"

"ہری چند مرد ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا...... میں پوجا کی مدد کے لئے موجود رہوں گا اور اس کے
ساتھ ساتھ ہی پوجا پر ایک اور انکشاف بھی کروں گا۔"

"وہ کیا؟" کاجل نے سوال کیا۔

"بھئی دیکھو! اب ہمارے درمیان کچھ باتیں راز رہنا ضروری ہیں تو پھر میری بھی کچھ

باتیں راز رہنے دو۔" کاجل نے عجیب انداز میں مجھے دیکھا اور پھر خاموش ہوگئی۔

"ٹھیک کہتے ہو تم میں اس کا کوئی حق نہیں رکھتی۔"

ناشتے کے بعد میں تیار ہوگیا اور کاجل کو ہدایات دے کر باہر نکل آیا...... پوجا سے
ملاقات کرنے کے لئے مجھے اس کی نئی رہائش گاہ پہنچنا پڑا...... تھوڑی معلومات حاصل کر کے
میں بالآخر اس تک پہنچ گیا۔

پوجا مجھے دیکھ کر عجیب سے انداز میں کھڑی ہوگئی...... وہ دیر تک میری شکل دیکھتی رہی
تھی، پھر آہستہ سے بولی۔

"پچھلی رات سے نجانے میرا دل کیوں گھبرا رہا ہے شام۔"

"کیوں...... کیا بات ہے؟"

"میں نہیں کہہ سکتی...... بس ایک عجیب سی بے چینی اور بے کلی ذہن پر سوار کرنا ہے۔"

"خود کو سنبھالو پوجا! تمہیں تو ابھی اپنی زندگی کا ایک بڑا مقصد پورا کرنا ہے۔"

"ہاں وہی مقصد تو مجھے زندہ رکھے ہوئے ہے...... ورنہ میری زندگی میں بہت زیادہ
دلکشی نہیں رہ گئی ہے...... بہت یاد آتے ہیں سب کے سب۔" پوجا نے کہا اور اس کی آنکھوں
سے آنسو ٹپکنے لگے۔

میں خاموشی سے پوجا کی شکل دیکھتا رہا اور پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"خود کو سنبھالو پوجا زندگی انہی حادثات کا نام ہے...... یاد آنے والے تو ہمیشہ یاد آتے
رہیں گے...... تمہیں اپنے راستے نہیں کھونے چاہئیں۔"

"میں صرف انتقام چاہتی ہوں...... میں ہری چند کو قتل کر دینا چاہتی ہوں...... میری
دلی خواہش ہے کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے موت کی نیند سلادوں...... اس کے بعد میرے
انتقام کی آگ سرد ہو جائے گی اور شام اور...... اور۔" وہ جذبات بھری آواز میں خاموش ہوگئی۔

"پوجا میں تمہارے لئے ایک خوشخبری لے کر آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"خوشخبری۔" پوجا نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔

"کیا خبر [illegible] سناؤ۔" وہ بولی۔

"میں نے ہری چند کو تلاش کرلیا ہے۔"

"کیا۔" پوجا کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا۔

"ہاں۔"

"کہاں ہے وہ۔" وہ غرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"میرے قبضے میں۔"

"اوہ...... اوہ...... پلیز اسے میرے حوالے کردو، میں اپنی زندگی کا وہ کھیل کھیلنا چاہتی ہوں، جو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں کھیلا۔"

"میں تمہارے پاس اسی لئے آیا ہوں پوجا...... اپنے انتقام کی آگ سرد کرلو، چلو چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"میں تیار ہوں۔" اس نے کہا۔

"میں نے نہایت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا...... پوجا کی کہانی میں ختم کردینا چاہتا تھا...... ظاہر ہے میں شام نہیں تھا اور اگر ہوتا بھی تو پوجا کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا تھا...... میں اب اسے اپنی حقیقت بھی بتا دینا چاہتا تھا۔"

پوجا میرے ساتھ چل پڑی...... کاجل کی طرف سے اجازت مل گئی تھی، میں نے اسے تمام صورت حال سمجھادی تھی اور مجھے یقین تھا کہ کاجل نے اس وقت تک سومرو کو وہاں سے نکال لیا ہوگا اور تہہ خانے میں صرف ہری چند ہوگا۔

چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں پہنچ گیا...... کاجل ہم دونوں کے سامنے نہیں آئی تھی...... میں نے منع کردیا تھا...... پوجا کو لئے ہوئے میں سیدھا اس تہہ خانے کے قریب پہنچ گیا جہاں سومرو اور ہری چند موجود تھے...... اس وقت تہہ خانے والے کمرے میں چار آدمی موجود تھے جنہیں میرے بارے میں ہدایات دے دی گئی تھیں...... مجھے دیکھتے ہی وہ مستعد

ہوگئے، انہوں نے سلام بھی کیا تھا۔

"سومرو کو یہاں سے ہٹادیا گیا۔" میں نے سوال کیا۔

"ہاں جناب۔" ان میں سے ایک نے جواب دیا اور میری ہدایت پر تہہ خانے کا دروازہ کھول دیا...... پوجا حیران نظر آرہی تھی...... تھوڑی دیر کے بعد ہم تہہ خانے میں اُتر گئے...... سامنے ہی ہری چند موجود تھا۔

"پوجا اسے بغور دیکھنے لگی...... پھر اس نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"تم ہری چند ہو؟" ہری چند کی آنکھوں میں ایک لمحہ کے لئے حیرت کے آثار نظر آئے...... چند لمحات وہ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

ہاں میں ہی ہری چند ہوں۔

"میرے پتا کو تم نے قتل کیا تھا؟"

"تم...... تم...... تم پوجا ہونا۔" ہری چند آہستہ سے بولا۔

"پہچانتے ہو مجھے۔"

"ہاں پہچانتا ہوں...... تمہارے باپ سے میری بہت پرانی دشمنی چل رہی تھی، اس کا قتل کردینا میرے لئے ضروری تھا، لیکن میں تم سے ایک بات کہتا ہوں مجھے کوئی بھی سزا دو اس کارروائی کی، لیکن یہ آدمی...... یہ آدمی شام ناتھ نہیں ہے...... شام ناتھ میرے ہاتھوں مارا جاچکا ہے، چنانچہ تم اس شخص کے ہاتھوں احمق بن رہی ہو۔" ہری چند نے اپنی دانست میں میرے ساتھ ایک ایسا سلوک کیا تھا جو مجھے زندگی بھر اذیت میں مبتلا رکھے، لیکن وہ احمق نہیں جانتا تھا کہ اس نے تو میری ایک بڑی مشکل آسان کردی تھی۔

پوجا نے میری طرف رُخ بھی نہیں کیا، وہ ہری چند کو گھورتی رہی، پھر آہستہ سے بولی۔

"اب تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو ہری چند۔"

"میں کسی سے کوئی توقع نہیں رکھتا لڑکی...... بس جو کچھ میں نے تم سے کہنا تھا وہ کہہ دیا، میں ہار چکا ہوں، لیکن ہارنے کے باوجود میں نے ابھی اپنے آپ کو ختم نہیں سمجھا ہے۔"

"میں تمہیں ختم کر دوں گی۔" پوجا نے کہا اس کی آنکھوں میں ایک خونخوار بلی کی سی چمک نظر آ رہی تھی...... ہری چند اس کی صورت دیکھنے لگا...... پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

"تو کیا تم مجھے اس کے ہاتھوں مروادو گے۔"

"ہری چند یہ فیصلہ اسے ہی کرنا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"بے بس کرنے کے بعد کسی کے ساتھ ایسا سلوک کرنا اچھا تو نہیں ہے۔"

"تم ان شریف انسانوں میں سے نہیں ہو ہری چند جو اس قسم کی باتوں کا خیال رکھتے ہیں اور جو اس قسم کی رعایت کے مستحق ہوتے ہیں۔"

پوجا نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اپنے لباس سے ایک لمبا چاقو نکال دیا...... یہ چاقو یقیناً اس وقت اس نے اپنے پاس رکھا ہو گا، جب وہ مجھ سے ایک لمحہ کی اجازت لے کر گئی تھی...... چاقو کھول کر وہ اس کی دھار پر انگلی پھیرنے لگی...... ہری چند کی آنکھوں سے وحشت کے آثار نظر آئے...... وہ عجیب سے انداز میں بولا تھا۔

"سنو...... اس لڑکی کو یہاں سے لے جاؤ...... یہ دیوانی ہو رہی ہے...... میں، میں اسے معاف نہیں کروں گا...... مجھے بھی اپنی زندگی بچانے کا حق ہے۔"

"کیوں پوجا...... کیا چاہتی ہو تم۔"

میں...... میں اپنی اور اس کی زندگی کا فیصلہ خود کروں گی...... میں تم سے استدعا کرتی ہوں شام کہ اس مسئلے میں نہ تو تم میری مدد کرنا اور نہ ہی میرا راستہ روکنا۔" اس نے کہا۔

"تمہاری مرضی...... چلو شروع ہو جاؤ۔" میں نے کہا اور پوجا چاقو سنبھال کر آگے بڑھنے لگی...... میں نہیں جانتا تھا کہ پوجا اس سلسلے میں کہاں تک کامیاب ہو سکتی تھی، لیکن بہر طور میں نے اس کا اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس وقت شدید جنون کے عالم میں ہے اور ہری چند کے لئے ٹیڑھی کھیر ثابت ہو گی...... پوجا نے اس کے سامنے پہنچ کر چاقو سیدھا کیا...... پھر اسے اچھال کر دوسرے ہاتھ میں لے لیا...... ہری چند پھرتی سے پینترا بدل کر کھڑا ہو گیا تھا پھر اس نے کہا۔

"دیکھ اگر یہ لڑکی میرے ہاتھ سے ماری گئی تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہو گا، تم اسے روک لو...... اسے لے جاؤ یہاں سے۔"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، شام اس میں تم دخل نہیں دو گے۔" اس نے کہا اور پھرتی سے چاقو ہری چند کے پیٹ کی طرف بڑھایا...... ہری چند اُچھل کر کھڑا ہو گیا تھا، لیکن پوجا سے مجھے اس پھرتی کی توقع نہیں تھی، دوسری بار وہ پوری قوت سے آگے بڑھی اور اس نے چاقو ہری چند کے پیٹ میں اتار دیا۔

ہری چند کو بھی غالباً پوجا جیسی لڑکی سے اس پھرتی کی توقع نہیں تھی، ایک ایسی لڑکی جس نے اپنی زندگی میں چاقو کا کھیل کبھی نہیں کھیلا ہو، اس انداز میں کسی کو ہلاک کر دے، معمولی بات نہیں تھی، لیکن پوجا پر تو جنون طاری تھا اور اس جنون نے اسے نجانے کتنی قوتیں بخش دی تھیں۔

ہری چند کے پیٹ میں سے خون کا فوارہ اُبل پڑا...... اس نے پھرتی سے اپنا ایک ہاتھ پیٹ پر رکھ دیا اور دوسرے لمحے دھاڑتا ہوا پوجا کی طرف بڑھا، لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اب دوسرا وار کس پھرتی سے اس کے دل کے مقام پر ہو گا...... اس بار چاقو اس کی ہڈیوں میں گھس کر پھنس گیا تھا...... پوجا اسے کھینچنے کے لئے زور لگا رہی تھی، لیکن کامیاب نہ ہو سکی اور پھرتی سے پیچھے ہٹ گئی۔

چاقو ہری چند کے سینے میں پھنسا ہوا تھا اور ہری چند کی کراہیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ میں نے آسودہ نگاہوں سے پوجا کو دیکھا...... وہ پیچھے ہٹ گئی تھی اور کوئی ایسی چیز تلاش کر رہی تھی جس سے ہری چند پر مزید حملے کر سکے...... چاقو اس طرح پھنسا تھا کہ نکل ہی نہ رہا تھا۔

میں خاموشی سے ہری چند کو دیکھتا رہا، جو پیچھے ہٹتا ہٹتا دیوار سے جا لگا تھا اور اب آہستہ آہستہ نیچے بیٹھتا جا رہا تھا...... پوجا کو کسی اور چیز سے وار کرنے کی ضرورت نہ پیش آئی...... چاقو کا وار اتنا کاری تھا کہ چند ہی لمحات کے بعد ہری چند نے دم توڑ دیا۔

"یہ تو کچھ نہ ہوا...... کچھ نہ ہوا...... یہ مر گیا کم بخت، کیا یہ مر گیا شام۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"ہاں پوجا...... تم نے ایک ماہر چاقو باز کی طرح دوسرا وار اس کے دل پر کیا ہے اور دل میں پیوست ہونے والا چاقو، اس کی زندگی کے خاتمے کا باعث بن گیا...... اب مردہ جسم سے کوئی انتقام لینا عقل کی بات نہیں ہے...... تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی ہو۔"

"پوجا اسے دیکھنے لگی اور پھر دوسرے لمحے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔"

"بھگوان کی سوگند زندگی میں کبھی سوچا بھی نہ تھا، لیکن میں کتنی خوش ہوں شام میں کتنی خوش ہوں...... تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے...... میں اب، میں اب سرخرو ہوں...... مجھے دنیا کی اب اور کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے شام سمجھے تم...... اب میری زندگی کا اور کوئی مقصد نہیں ہے، یہی تو چاہتی تھی میں...... یہی تو میں چاہتی تھی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی، قتل کرنے کے بعد عورت کی جو کیفیت ہو سکتی تھی...... اس وقت پوجا انہی کیفیات سے گزر رہی تھی۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کروں...... پوجا سے مجھے اپنے بارے میں بھی انکشاف کرنا تھا...... اس وقت اس پر جو کیفیت طاری ہو گی مجھے اس کا اندازہ تھا، لیکن بہر طور ناگوار فرض مجھے انجام دینا ہی تھا...... میری زندگی کا مقصد کچھ اور تھا...... میں اسے دھوکا دینا نہیں چاہتا تھا، چنانچہ میں اسے سہارا دے کر وہاں سے نکال لایا۔

کاجل یا اس کے کسی ساتھی نے اس سلسلے میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی...... میں نے باہر نکل کر کہا۔

"میڈم کو اطلاع دے دینا ہری چند قتل ہو چکا ہے۔" وہ چاروں چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔ میں پوجا کو ساتھ لئے ہوئے باہر نکل آیا تھا اور پھر میں وہاں نہ رکا...... کار میں بیٹھ کر میں پوجا کے ساتھ اس کی رہائش گاہ پر واپس آ گیا۔ یہ وہی رہائش گاہ تھی جو پوجا کی ذاتی ملکیت تھی...... پوجا نے اس پر کوئی تعرض نہیں کیا تھا...... رہائش گاہ میں ملازم موجود تھے...... ہم

دونوں اندر پہنچ گئے...... میں نے پوجا سے کہا کہ وہ ملازموں سے معلوم کرے کہ یہاں کوئی اور تبدیلی تو نہیں ہوئی، چنانچہ پوجا نے خادمہ کو طلب کر لیا۔

خادمہ نے اسے بتایا کہ تمام معاملات جوں کے توں ہیں، کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔

میں پوجا کے ساتھ اس کمرے میں آ بیٹھا...... پوجا اب خوف کا شکار نظر آ رہی تھی...... چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

"وہ کون سی جگہ تھی شام جہاں تم مجھے لے گئے تھے۔"

"پوجا میں نے اپنی زندگی کا ایک مقصد بنایا تھا...... اس میں سے پہلے مرحلے میں، میں کامیاب ہو گیا ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ تمہیں وہ دینے میں کامیاب ہو گیا...... جو تم چاہتی تھیں...... پوجا تم اسے میری طرف سے خراج عقیدت سمجھ لو یا کچھ ایسے لوگوں کی محبتوں کا بدلہ جنہوں نے میری مدد کی تھی...... میں گووند لعل جی کی بات کر رہا ہوں۔"

"شام ناتھ گووند لعل جی کے بارے میں تم ایسے بات کر رہے ہو جیسے۔"

"ہاں...... پوجا میں یہ ناخوشگوار بات تم اسے اس وقت کہنا چاہتا ہوں۔"

"کیسی ناخوشگوار بات۔" پوجا کسی حد تک متوحش ہو گئی تھی، پھر وہ بولی۔

"میں نے تم سے پوچھا تھا کہ وہ کون سی جگہ ہے جہاں تم مجھے لے گئے تھے، تم نے ہری چند کو وہاں کس طرح قید کیا تھا اور اس کے جواب میں تم مجھے عجیب سی باتیں سنا رہے ہو، تم کہنا کیا چاہتے ہو شام...... تم کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں پوجا کہ میں شام نہیں ہوں۔"

"کیا؟" پوجا بری طرح اُچھل پڑی۔

"ہاں...... میں شام نہیں ہوں...... ہری چند نے تم سے جو کچھ کہا تھا درست کہا تھا۔"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ اچانک تمہیں کیا ہو گیا۔" پوجا نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

پوجا یہ بات میں تمہیں بتا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر رہا ہوں...... تم جانتی ہو کہ شام کی حیثیت سے میں نے کبھی وہ فائدے اٹھانے کی کوشش نہیں کی جو میں باآسانی حاصل کر سکتا

تھا...... پوجا دراصل اس وقت جب میں پہلی بار گووند لعل جی کو ملا اور ماتا جی سے میری ملاقات ہوئی، میں اتنی بری طرح حالات کا شکار تھا کہ میری زندگی کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں رہا تھا...... میں موت کی آغوش کے قریب تھا...... پوجا جب ماتا جی نے مجھے سہارا دیا، سینے سے لگایا...... یہ دوسری بات تھی کہ میں ان کے بیٹے شام کا ہمشکل تھا، انہوں نے مجھے شام سمجھا...... میرا جی نہ چاہا پوجا کہ میں انہیں دھوکا دوں، لیکن شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو...... میں نے صرف ان کی آنکھوں میں جلتے ہوئے چراغوں کو نہ بجھنے دینے کے لئے اپنے آپ کو شام تسلیم کر لیا تھا...... ہاں انسان دنیا میں سب کو دھوکا دے سکتا ہے کسی ماں کو نہیں، اس وقت ایک ماں کی آرزوئیں اُمنگیں بول رہی تھیں اور وہ بھی ایک ایسی ماں کی آرزوئیں جس کے سامنے اس کا بیٹا نہیں تھا...... وہ بیٹے کی تلاش میں سرگرداں تھی۔"

"میں کون سا جگر لاتا پوجا کہ ان کا دل توڑ دیتا...... سو میں نے اپنے آپ کو شام مان لیا...... یقین کرو پوجا کہ اس بات میں کوئی کھوٹ نہیں ہے...... میرے دل میں ان کے ساتھ کسی بددیانتی کا تصور بھی نہیں تھا...... میں نے صرف ایک ماں کو نراش نہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو کشٹ میں ڈال لیا تھا...... میں نے اس ماں کا دل نہ توڑنے کے لئے خود کو شام تسلیم کر لیا تھا۔"

"نہیں شام پلیز نہیں...... پلیز ایسا مت کہو پلیز۔" پوجا ایک دلدوز چیخ کے ساتھ بولی۔

"جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے صبر و سکون کے ساتھ سنو پوجا...... یہ ضروری ہے بہت ضروری ہے۔"

"نہیں شام نہیں...... اگر تم...... تم شام نہ ہوتے تو پھر میرے لئے اس سنسار میں کچھ نہیں رہ جاتا...... تم شام ہو مذاق نہ کرو مجھ سے، کہہ دو کہ تم مذاق کر رہے ہو۔"

"زندگی انسان کے ساتھ ایسے مذاق اکثر کرتی رہتی ہے پوجا! میں سچ مچ شام نہیں ہوں...... یہ دوسری بات ہے کہ میں شام کا ہمشکل ہوں...... ہری چند نے شام کو قتل کر دیا تھا...... میں صرف اس لئے شام بن گیا کہ ایک ماں کی اُمنگیں اس کے ساتھ رہیں...... میں

کسی بھی قیمت پر شام کو نہ مرنے دیتا، اگر میں موجود ہوتا...... میں اپنے آپ کو اس کی جگہ پیش کر دیتا، کیونکہ پوجا، کیونکہ پوجا میرا اس دُنیا میں کوئی نہیں ہے۔"

"کون ہو تم...... پھر کون ہو تم۔" پوجا نے اندوہناک لہجے میں پوچھا۔

"میں کون ہوں پوجا اس بارے میں جان کر تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حقیقتوں کی دُنیا میں، جینا سیکھو، جو چلا گیا وہ واپس نہیں آسکتا، اب تمہیں اپنے آپ کو اپنی اس نئی زندگی میں ایڈجسٹ کرنا ہے...... پوجا شام موجود نہیں ہے، تمہارے پتاجی کا ایک بدترین دشمن موت کے گھاٹ اتر چکا ہے...... ہری چند کو قتل کر کے تم نے نہ صرف اپنے پتاجی بلکہ شام کا بھی بدلہ لے لیا ہے...... میں تمہاری بس یہی خدمت کر سکتا تھا، پوجا اس سے زیادہ میرے لئے کچھ اور ممکن نہیں تھا...... میری اپنی زندگی کسی اور راستے پر سفر کر رہی ہے...... میں ایک دوست کی حیثیت سے بھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا، اب تمہیں اپنے طور پر اپنی زندگی گزارنی ہوگی۔"

"نہیں شام نہیں...... اب بھی مان جاؤ کہہ دو کہ تم جھوٹ بول رہے ہو...... آہ کاش یہ سب کچھ مجھے نہ بتاتے تو کیا حرج تھا...... ایک موہوم سہارے پر زندہ تو رہتی...... تم، تم اب تو میرا دل تمہیں شام کہہ کر پکارنے کو بھی نہیں چاہتا...... تم میرے شام نہیں ہو...... تم میرے شام نہیں ہو۔"

"جو حقیقتیں ہیں انہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔"

"تو پھر تم یہ تو بتا دو کہ آخر تم کون ہو؟ شام کے ہمشکل کیوں ہو تم"

"یہ اس دنیا کے کھیل ہیں پوجا...... کوئی کسی کا ہمشکل ہو کر فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن تم دیکھ چکی ہو میں نے تم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا...... بس اب مجھے اجازت دو۔"

"شام شام۔" پوجا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، لیکن میں نے اسے سہارا دینے کی کوشش نہیں کی تھی...... میں جانتا تھا کہ اس کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔

لیکن مجھے حقیقتوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا تھا...... میں کسی کے لئے کچھ بھی

نہیں تھا...... بیچاری پوجا کو میں کیا سہارا دے سکتا تھا، اس جیسی کئی لڑکیاں میری زندگی میں آچکی تھیں۔

"میں اجازت چاہتا ہوں پوجا۔" میں نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں نہیں بھگوان کے لئے نہیں۔" پوجا اُٹھ کر میرے قدموں سے لپٹ گئی...... مجبوراً مجھے جھک کر اسے سہارا دینا پڑا...... میں نے اسے اُٹھایا، وہ بری طرح رو رہی تھی...... آنسوؤں کی برسات ہو رہی تھی...... اس کی آنکھ سے، میں نے اس کی پیشانی پر بکھرے ہوئے بالوں کو سنوارتے ہوئے کہا۔

"پوجا میں شام نہیں ہوں...... تم شام کی امانت تھیں، تمہارے دل میں شام ہمیشہ زندہ رہے گا...... میں تمہارے دل میں موجود شام کو تم سے چھین نہیں سکتا، لیکن کیا تمہارا ضمیر اس بات کو قبول کرے گا کہ تم مجھے ایک اجنبی کو اپنی زندگی میں قبول کرو، پوجا ایک دم چونکی، سنبھلی اور پیچھے ہٹ گئی۔"

"نہیں۔" اس نے سنجیدہ اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں تم اسی کردار کی لڑکی ہو، لیکن پوجا ایک مشورہ بھی دے سکتا ہوں تمہیں۔" آہستہ آہستہ اس کے آنسو رکتے چلے گئے...... وہ خاموش ہو گئی، پھر وہ تھکے تھکے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میرا مشورہ یہ ہے پوجا کہ زندگی گنوانے کی چیز نہیں ہوتی...... ہم سے جو کچھ چھن جاتا ہے ہماری قوت اسے واپس نہیں لا سکتی...... اگر سنسار کی بڑی سے بڑی چیز دے کر کسی شے کو دوبارہ حاصل کیا جا سکتا تو شاید کوئی بھی محبت کرنے والا اپنے محبوب کو حاصل کر لیتا۔ یہ سب کچھ ہمارے بس میں نہیں ہے...... پوجا پھر ہمیں حالات سے سمجھوتہ کرنا چاہئے...... ایک دوست کی حیثیت سے تمہیں [illegible] مشورہ ہے کہ اپنی زندگی کے لئے کوئی نیا [illegible]۔"

"خاموش ہو جاؤ...... [illegible] ے نہیں چاہئیں، پلیز تم جا سکتے ہو، جاؤ۔" اس نے کہا اور میں عجیب سی نگاہوں سے [illegible] دیکھنے لگا...... پھر میں نے گردن ہلا کر کہا۔

"بہر طور پوجا! میں اپنے دل میں تمہارے لئے اچھی خواہشات رکھتا ہوں...... کوئی داغ لے کر نہیں جا رہا اپنے ضمیر پر، حقیقتوں سے روشناس کرانا میرا فرض تھا...... اگر میں چاہتا تو اپنے مشن کی تکمیل کے بعد تم سے پورا فائدہ اٹھا سکتا تھا...... میرے بارے میں جب بھی سوچو تو اس بات کو ضرور یاد رکھنا......" میں نے کہا اور پھر وہاں ایک لمحہ نہ رکا۔ میں برق رفتاری سے باہر نکل آیا تھا۔

دل میں بہت سے دُکھ تھے...... پوجا کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو قدم روک رہے تھے، لیکن میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل آیا اور اس کے بعد کاجل کی کوٹھی پر ہی آکر دم لیا۔

کاجل نے برآمدے میں میرا استقبال کیا...... وہ مسکرا رہی تھی...... آہستہ سے بولی۔

"میں نے ہری چند کی لاش ٹھکانے لگا دی ہے اور سومرو کو بھی وہیں تہہ خانے میں پہنچا دیا ہے...... غلط تو نہیں کیا۔"

"نہیں کیا...... سومرو کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ہری چند ختم ہو گیا۔"

"ہاں...... اسے بتا دیا گیا ہے۔"

"اس نے کچھ سوالات تو کئے ہوں گے۔"

"نہیں...... میں براہ راست اس کے پاس نہیں گئی تھی، بلکہ جب اس نے میرے آدمیوں سے سوال کیا تو میں نے ان سے ہی کہلوا دیا کہ سومرو کو بتا دیا جائے کہ ہری چند اب اس دُنیا میں نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے کاجل۔" میں نے تھکے تھکے سے انداز میں کہا۔

"کیا بات ہے...... کچھ پریشان سے ہو۔"

"نہیں۔" میں نے کہا اور کاجل کے ساتھ کمرے میں آ بیٹھا...... کاجل میری صورت دیکھ رہی تھی...... پھر وہ آہستہ سے بولی۔

"کوئی بات تو ضرور ہے۔"

"نہیں کاجل ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے...... تم سے کچھ پوچھنا بھی چاہتا تھا۔"

"کیا؟"

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"جو تم پسند کرو۔"

"کاجل! بات دراصل یہ ہے کہ میں تمہارا مقصد آج تک نہیں سمجھ سکا ہوں اور اب طبیعت کسی قدر اُلجھن کا شکار ہو گئی ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔" کاجل نے کہا۔

"کیا یہ ضروری نہیں کہ اب میں تمہارے بارے میں تفصیل جان لوں۔" میں نے کہا۔

"دیکھو شام میں وقت کا انتظار کر رہی ہوں...... اگر وقت نے میرا ساتھ دیا تو میں تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دوں گی...... یہ وعدہ کرتی ہوں کہ تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔" اس نے کہا۔

"نہیں کاجل اب میں شام نہیں ہوں...... اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ میں شام نہیں ہوں۔"

"کیا؟" وہ تعجب سے بولی۔

"تفصیل میں بھی نہیں بتاؤں گا تمہیں...... یوں سمجھ لو کہ میں جس حیثیت سے تمہیں ملا تھا میری حیثیت وہ نہیں ہے۔"

"میں اب بھی کچھ نہیں سمجھی۔"

"میں کچھ سمجھانا نہیں چاہتا کاجل...... میں کچھ کرنا چاہتا ہوں...... کوئی ایسا کام کرنا چاہتا ہوں، جس سے میں اپنے مقصد کی طرف دو چار قدم اور آگے بڑھوں۔"

"اوہ...... صورت حال بہت عجیب سی ہو گئی ہے، لیکن تمہاری یہ بات کہیں تم مجھ سے غلط تو نہیں کہہ رہے۔"

"ہاں میں شام نہیں ہوں، جس کے لئے میں شام بنا تھا...... اسے بھی میں نے کہہ دیا کہ میں شام نہیں ہوں۔"

"کس کے لئے شام بنے تھے؟"

"اس لڑکی کے لئے جس کے ساتھ میں یہاں آیا تھا اور جس کے ہاتھوں میں نے ہری چند کو قتل کرا دیا۔"

"اس کی کہانی کیا تھی۔" کاجل نے پوچھا اور میں نے اس وقت سے اب تک کی داستان اس کے سامنے دہرا دی...... جب میں گووند لعل جی کے ہاتھ لگا تھا اور مجھے شام سمجھ لیا گیا تھا...... کاجل متحیرانہ انداز میں میری شکل دیکھ رہی تھی...... پھر وہ آہستہ سے بولی۔

"میں تم سے کسی خاص حیثیت سے نہیں ملی تھی، اس وقت میں نہیں جانتی تھی کہ تمہارا نام کیا ہے، لیکن آج یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شام نہ ہو کر تم میرے لئے اجنبی سے ہو گئے...... کیا یہ سب کچھ عجیب نہیں ہے...... کیا یہ سب کچھ عجیب نہیں ہے۔"

"کیا یہ سب کچھ عجیب نہیں ہے کاجل! کہ میں تمہارے بارے میں کچھ جانے بوجھے بغیر تمہارے ساتھ ہوں اور وہ سب کچھ کر رہا ہوں جو خاصی اہمیت رکھتا ہے...... آخر کس حساب میں جواب دینا پسند کرو گی کاجل، کس حساب میں۔"

"اوہ...... گویا...... گویا...... تم...... تم مجھ سے اس بات کا جواب چاہتے ہو۔"

ہاں کیوں نہیں...... تم کیا سمجھتی ہو، کوئی ڈمی ہوں میں صرف اس لئے تمہارے ساتھ لگا ہوں کہ تم میرے ساتھ ہمدردی سے پیش آئی ہو...... یقین کرو کاجل، پوجا کے پاس اتنی دولت تھی کہ اگر میں اس کے ذریعے اپنے راستوں کو ہموار کرنا چاہتا تو مجھے کوئی دقت نہ ہوتی...... تمہارے پاس جو کچھ ہے اس سے بھی مجھے ذرہ برابر کوئی دلچسپی نہیں ہے...... میں نہیں چاہتا کہ تمہارے ساتھ رہ کر میں تمہارا دست نگر رہوں...... کاجل میں بالکل مختلف شخصیت کا مالک ہوں...... میں ایک الگ چیز ہوں، کاجل میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرا نام ایک مشن ہے، جس کے لئے میں عمل کر رہا ہوں...... کچھ لوگوں نے مجھ پر احسان

کیا تھا...... ایک ایسا احسان جسے میں کبھی نہیں بھول سکتا تھا...... وہ سب میری ہی آنکھوں کے سامنے مارے گئے اور انہیں ہلاک کرنے والا اہری چند تھا...... میں نے اس خاندان کی ایک لڑکی کا وہ دلی مقصد پورا کر دیا، جس کے لئے وہ بے چین تھی...... وہ خود بھی مجھے شام سمجھ رہی تھی...... وہ شام کو دل و جان سے چاہتی تھی، لیکن اب میں نے اسے بتا دیا ہے کہ میں وہ نہیں ہوں جو مجھے وہ سمجھ رہی ہے...... یہ جان کر کہ میں شام نہیں ہوں، اسے اتنا دکھ ہوا کہ بیان سے باہر ہے، لیکن حقیقت کو اس کے سامنے لانا ضروری تھا، کیونکہ ایک انتہائی برا آدمی ہونے کے باوجود میں اپنے ضمیر پر مزید داغ برداشت نہیں کر سکتا۔"

" کاجل خاموشی سے میری باتیں سن رہی تھی، پھر وہ مدہم لہجے میں بولی۔"

"میں نے طے کیا تھا کہ اپنے بارے میں کبھی کسی کو نہیں بتاؤں گی سمجھے تم اور میں جانتی ہوں کہ میری حقیقت جاننے کے بعد تم میرا ساتھ نہ دے سکو گے...... میں اب تمہیں شام کے نام سے مخاطب بھی نہیں کر سکتی...... اجنبی! نفرت تو میری تقدیر میں ہے اور میں اپنی تقدیر کو نہیں بدل سکتی...... میرے بارے میں جانے بغیر اگر میرے لئے کچھ کر سکتے تو کر دیتے...... جان لو گے تو شاید میں خود بھی تمہیں اپنے ساتھ رکھنا پسند نہ کروں، کیونکہ دو ہی صورتیں ہوں گی کہ یا تو تم مجھ سے نفرت کرو گے یا ہمدردی...... کوئی اچھا خیال میرے بارے میں کبھی تمہارے ذہن میں نہیں آئے گا...... مجھے ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے...... اجنبی! میں تو صرف اپنا مقصد براری چاہتی ہوں، کسی ایسے شخص کے ذریعے جو میرے بارے میں کچھ بھی نہ جانتا ہو...... سمجھے میں تمہیں اپنی کہانی سنائے دیتی ہوں، لیکن اس کے ساتھ ہی میں تم سے ایک درخواست بھی کرتی ہوں۔"

میں تعجب سے کاجل کو دیکھ رہا تھا...... اس کے چہرے پر پتھروں جیسی سختی ابھر آئی تھی، میں نے آہستہ سے کہا۔

" کاجل کیا درخواست ہے؟"

"میری کہانی سننے کے بعد یہاں نہ رکنا...... چلے جانا...... یقین کرو اس کے بعد میں

تمہارے ساتھ ایک لمحہ بھی نہ رہ سکوں گی...... میں چاہتی تھی کہ تمہیں ٹالتی رہوں اور میرا کام پورا ہو جائے، لیکن ایسا ممکن نہیں ہے...... ایسا ممکن نہیں ہے۔"

"اگر یہ بات ہے کاجل! تو پھر میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا، اگر اتنی ہی جذباتی ہو تم اپنی کہانی کے سلسلے میں تو میں تمہاری کہانی نہیں سننا چاہتا۔"

"نہیں...... جو کچھ تم کہہ چکے ہو اس کے بعد ضروری ہے کہ میں تمہیں حقیقت بتا دوں...... اب بھی اگر تم نے میری کہانی نہ سنی تو میں اپنے ذہن میں شرمندہ رہوں گی...... کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم میرے بارے میں اُلجھن کا شکار ہو گے، دل سے دل کے راستے ہموار ہونا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے، اجنبی...... لیکن لیکن۔"

"ٹھہرو...... کاجل تم مجھے مسلسل اجنبی کہے جا رہی ہو۔" شام میرا اپنا نام نہیں تھا...... شام میری اپنی شناخت نہیں تھی...... وہ صرف ایک فرد کا نام تھا، ایک مقصد کا نام تھا جو پورا ہو گیا...... تم اگر چاہو تو دیپک مجھے کہہ سکتی ہو۔ باقی رہا تمہاری کہانی کا تعلق تو ٹھیک ہے، میں اسی وقت تمہاری کہانی سنوں گا جب تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔"

"نہیں دیپک نہیں اب وہ وقت گزر چکا ہے۔"

"تمہاری مرضی ہے کاجل! اگر یہ بات ہے تو میں تمہیں ایک لمحہ بھی پریشان نہیں کروں گا...... اجازت دو، میں کھڑا ہو گیا۔"

کاجل نے میرے چہرے کی جانب دیکھا...... چہرہ شناس تھی، قیاس آرائی کی ماہر تھی اور اس کی پیشن گوئیاں حرف بہ حرف سہی ہوتی تھیں...... اس لئے اس نے اندازہ لگا لیا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے اور اس شکل میں مجھے تسخیر کرنا اس کے لئے ممکن نہیں...... وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی اور میرے قریب پہنچ گئی، پھر بولی۔

"نہیں دیپک...... تمہیں روکنے کا حق نہیں رکھتی میں، لیکن اس طرح نہیں جانے دوں گی، مجھے سن لو...... مجھے جان لو، پھر چلے جانا...... میں تمہیں نہیں روکوں گی۔"

کاجل میری اپنی زندگی دکھوں کا گھر ہے...... خود کو زندہ رکھنے کے لئے دنیا سے لڑ سکتا

ہوں، لیکن اپنے وجود کی گہرائیوں سے اُٹھنے والی آوازوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا..... میری زندگی ایک جنگ ہے، صرف جنگ..... تمہاری کہانی بھی دُکھ بھری ہوگی اور کتنے دُکھ اُٹھاؤں..... رہنے دو کاجل کوئی کہانی نہ سناؤ مجھے۔

"میرا نام کاجل نہیں ہے اور..... اور میں شادی شدہ نہیں ہوں..... میں کسی کی بیوہ نہیں ہوں..... میں نے اپنا ایک فرضی شوہر تخلیق کیا ہے..... اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔"

"کاجل۔" میں نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"بیٹھ جاؤ..... سن لو میری داستان..... سن لو۔" وہ بلک بلک کر رو پڑی اور میرا دل دُکھنے لگا..... میں اس کے پاس آبیٹھا اور ایک اور دُکھ بھری داستان ایک اور کہانی۔

❁❁❁

کائنات کو جس رنگ میں دیکھا دُکھی نظر آئی..... ڈالیوں پر ہنستے ہوئے گلاب جن کی مسکراہٹ دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہو جائے..... آنکھوں کو فرحت اور دل کو تازگی کا احساس ہو اور یوں لے..... جیسے یہ ہنسنے والے کبھی نہ روئیں گے، لیکن ہوا کے تیز جھونکے ان کی بکھری ہوئی پتیوں کا منظر پیش کر دیتے ہیں اور ان کی لمحاتی زندگی پر غم کے آنسو آنکھوں میں بکھر جاتے ہیں۔

کاجل مجھے جس انداز میں ملی تھی اس کے تحت میں نے نجانے اس کے بارے میں کیا کیا سوچا تھا..... یہ پر عزم اور مضبوط کردار کی عورت نما لڑکی یا لڑکی نما عورت پہلے پہل مجھے بے حد خطرناک لگی تھی، لیکن رفتہ رفتہ اس کی شخصیت کے وہ نرم اور گداز پہلو میرے سامنے آئے تھے، جنہوں نے مجھے احساس دلایا کہ انسان کتنے ہی سخت خول میں بند ہو جائے اسے اندر سے ٹٹولو تو اس کے وجود کے خول میں آہوں اور سسکیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

وہی کاجل میرے سامنے بلک بلک کر رو رہی تھی..... ماضی کے زخم ہرے ہو گئے تھے..... ضبط کے بند ٹوٹ گئے تھے اور آنسو وہ پوری داستان سینے میں نمایاں کر رہے تھے جو اس کی زندگی سے وابستہ تھی۔

آنسوؤں کی تحریر سمجھنے والا اگر کوئی ہوتا تو یہ جان لیتا کہ اُوپر سے ایک سخت خول میں نظر آنے والی لڑکی کس قدر مظلوم ہے۔

میں نے اسے رونے دیا...... آنسوؤں کی یہ داستان میرے دل میں بھی تو تھی، میں کسی کو کیا بتاتا کہ میں خود کون کون سی صعوبتوں سے گزر کر زندگی کے اس ماحول تک پہنچا ہوں...... میرے اپنے دل میں دُکھوں کے کتنے انبار ہیں...... میری اپنی کہانی بھی اتنی ہی غم انگیز ہے جتنی کاجل مجھے سنانے والی تھی۔

جب وہ دل بھر کے رو چکی اور سینے کے بوجھ میں کچھ کمی ہوگئی تو اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

دل چاہ رہا ہے کہ ایک بار پھر ماضی میں کھو جاؤں...... دل چاہ رہا ہے کہ اس خوبصورت سے گھر کے آنگن میں لگے ہوئے پیپل کے درخت کی شاخ میں لگے ہوئے جھولے پر ایک بار پھر ہچکولے لے لوں...... سرمئی پھواروں کے بیچ، ہم جولیوں کے گیتوں میں کھو جاؤں...... کیا یہ زندگی اتنی ہی بے رحم چیز ہوتی ہے...... انسان آرزوؤں کی آغوش میں جاگتا ہے اور مایوسیوں کے اندھیروں میں جا سوتا ہے...... زندگی کی کہانی اتنی ہی مختصر اور اتنی ہی بھیانک ہے۔"

"ہاں کاجل...... زمین کے رہنے والے دُکھوں کے انبار ہیں جس کو ٹٹولو، اس کے سینے میں ایک زخم نظر آتا ہے...... کون ہے جو ان زخموں سے عاری ہو۔"

"میرے زخم زیادہ ہی گہرے ہیں، دیپک...... میرے دل کی دُنیا میں جس قدر ویرانی ہے، کاش کوئی اس میں جھانک کر دیکھ لے...... میں وہ ہوں جس کی زندگی میں کوئی روشن کرن نہیں ہے...... میں تو صرف ایک انتقام ہوں جو زندہ ہے، کسی بھی وقت موت مجھے اپنی آغوش میں لے لے...... یقین کرو مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی...... مجھے تو زندگی سے گلہ ہے، کیوں مجھے بار بار اپنے راستے پر لا ڈالتی ہے...... میں اس راستے پر ایک قدم نہیں بڑھانا چاہتی، لیکن زندگی۔"

"ہمیں اپنی یہ سانسیں پوری کرنا ہوں گی کاجل...... ان سے فرار ممکن نہیں ہے۔"

"آہ...... یہ کیسی قید ہے...... بدن کے خول میں پھڑپھڑاتا ہوا قیدی اپنی مرضی سے

آزاد کیوں نہیں ہو سکتا...... میں خودکشی کرلوں گی دیپک...... میں خودکشی کرنا چاہتی ہوں۔"

"تم اپنی آرزو کی خودکشی کرچکی ہو کاجل...... تم نے جن الفاظ میں اپنی داستان کا آغاز کیا ہے، وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ تمہارے وجود میں اب زندگی باقی نہیں ہے...... بے شک میں تمہیں ایک انتقام سمجھتا ہوں۔" میں نے کہا۔

ٹھیک ہے، تم نے ٹھیک کہا...... میں واقعی ایک انتقام ہوں...... گھر تھا میرا، بھرا پرا سب تو تھے...... ہمارے باپو ایک راکھش کے ہاں کارندے تھے، اس راکھش کا نام روہن کمہار تھا...... وہ چھوٹی سی ریاست تھی چندر گڑھ...... یہاں اس پاپی کا سارا پریوار رہتا تھا...... بڑی سی حویلی تھی اس کی اور اس حویلی کے گیت گائے جاتے تھے، کیونکہ روہن کمہار بڑے دیالو تھے...... ان کے ماتا پتا جی تو اپنی بستی میں رہنے والے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہی تھے...... بڑی زمینداری تھی ان کی، بہت بڑی آمدنی تھی، مگر اس آمدنی کا بہت بڑا حصہ چندر نگر کے باسیوں کے کام آتا تھا...... یہ روایت تھی اس حویلی کی، ڈیوڑھی کی جو بھی وہاں جاکر ہاتھ پھیلاتا خالی ہاتھ نہ لوٹتا...... کنواریوں کی شادیاں کرائی جاتیں...... بوڑھوں کی زندگی بنادی جاتی...... وہ جن کا کوئی سہارا نہ ہوتا حویلی ان کا سب سے بڑا سہارا ہوتی اور اسی حویلی کے ایک سپوت روہن کمہار بھی تھے۔

روہن کمہار نوجوانی کی عمر میں ہی سنت بن گئے تھے...... بھگوان نے انہیں گیان دے دیا تھا...... بڑے ہی دیالو، بڑے ہی دھرماتما...... ماتا پتا کی آنکھوں کے تارے تھے...... شادی کے لئے کہا تو ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوگئے اور بڑے ہی غم بھرے لہجے میں بولے۔

"ماتا جی! تمہاری یہ خواہش میں کبھی پوری نہیں کرسکوں گا...... میرا جیون سنسار کے بوجھ سے خالی ہے...... میں تو آکاش کی گہرائیاں جاننا چاہتا ہوں...... سنسار میں بکھرے ہوئے غم نصیبوں کی زندگی سے واقف ہونا چاہتا ہوں، جو اپنے جیون کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔"

اس بھرم چاری کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا...... عظیم الشان حویلی کے ایک

بڑے حصے میں اس کے لئے ایک بڑا خوبصورت مندر بنوادیا گیا...... اکلوتے بیٹے کی خواہش تھی، ماں باپ کوششوں کے باوجود نہ ٹال سکے اور یہاں تک کہ مہاراج روہن کمہار سادھو بن گئے۔

"بڑے مہمان سادھو تھے یہ...... بڑی بڑی بیلاؤں میں بلائے جاتے، وہاں وان پن دیتے...... ماتا پتا نے جو کاروبار پرکھوں سے شروع کیا ہوا تھا...... بھلا وہ اسے کیسے پیچھے رہنے دیتے...... تھوڑے ہی دنوں کے بعد مہاراج روہن سنگھ کا ڈنکا بج گیا، لوگ دُور دُور سے ان کے پاس آنے لگے، جس کی جو منو کامنا ہوتی تو مجال ہے کہ کنور جی اسے پوری نہ کرتے...... لوگ کوسوں دُور سے پیدل چل کر ان تک پہنچتے تھے...... یوں بھی اکلوتے تھے، مگر بہنیں تین تھیں...... دو بہنوں کی شادی ہو چکی تھی، ایک بہن ابھی چھوٹی تھی، کنور روہن کمہار سے چودہ سال چھوٹی تھی وہ۔"

بہر حال روہن کمہار جی کی دیالو طبیعت کے باعث لوگ باگ ان کا دم بھرنے لگے...... بستی اور بستی کے آس پاس میں چھوٹے موٹے جھگڑے تو ہوتے ہی رہتے ہیں...... بہت سی داستانیں بہت سی کہانیاں وہاں بکھری ہوئی تھیں اور ان کہانیوں میں ایک کہانی سب سے نمایاں تھی۔

"چندر گڑھ کے اطراف میں جیون پور نامی بستی تھی، وہاں کی ایک لڑکی بملا اپنی رہائش گاہ سے گم ہوئی اور اس کے بعد جنگل میں اس کی نچی ہوئی لاش پڑی ہوئی ملی۔"

خوبصورت بملا کا پریمی سورج سنگھ تھا جس نے قسم کھائی تھی کہ وہ بملا کے قاتلوں سے بدلا لے کر چھوڑے گا، چنانچہ وہ اپنی تگ ودو میں لگا رہا اور پھر جب ایک دن اس نے دبی زبان سے لوگوں سے کہا کہ 'چندر نگر کا راکھش روہن کمہار اس کی پریمکا کی موت کا باعث ہے' تو لوگوں نے مار مار کر اسے ادھ مرا کر دیا...... بھلا روہن کمہار جیسے آدمی کے بارے میں یہ بات کسی کو جچتی تھی...... اس بدنصیب نے آتما ہتھیا کر لی اور کہانی ختم ہو گئی۔

لیکن یہ کہانی ختم ہوئی تھی...... بہت سی ایسی کہانیاں اس دوران جنم لیتی رہیں، لیکن اس دوران کوئی یہ کہنے نہ آسکا کہ کنور روہن نے یہ کھیل کھیلا ہے۔

روہن جی اپنے مندر میں رہتے تھے اور زیادہ تر لوگ انہیں پوجا پاٹ میں ہی مصروف دیکھتے تھے، جہاں کہیں دان پن کا کام ہوتا...... کنور جی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے...... یہاں تک کہ ان کے پتا جی کا دیہانت ہو گیا...... پھر ماتا جی بھی بھگوان کو پیاری ہو گئیں...... چھوٹی بہن جوانی کے قریب پہنچ گئی تھی، لیکن کنور جی کو اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ بہن کی طرف دیکھتے، انہوں نے تو بھگوان سے لو لگائی ہوئی تھی۔

میرے پتا جی کا نام جونا لال تھا...... اپنے پرکھوں سے اس خاندان کے نمک خور تھے۔ وہ بڑے مہاراج کی موت کے بعد بھی اپنی جگہ کام کرتے رہے...... عہدہ ان کا دیوان جی کا تھا اور ریاست کا سارا خزانہ ان کے ہاتھ میں تھا اور پچھلے دنوں سے وہ خاصے سوچ بچار میں ڈوبے ہوئے تھے۔

زمینوں کی آمدنی، جائیدادوں کی رقم، ملوں اور فیکٹریوں کا جو سرمایہ یہاں لمبے عرصے سے آ رہا تھا، اب اس کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی تھی...... حساب کتاب اپنی جگہ تھے، لیکن کچھ ایسے کھاتے بھی کھولے گئے تھے جو اس سارے حساب کتاب سے الگ تھے اور اس اکاؤنٹ میں کروڑوں روپے جمع کئے جا رہے تھے...... یہ پیسے کہاں سے آ رہے تھے...... دیوان جی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔

بہر طور یہ کوئی ایسی تشویش کی بات نہیں تھی، جس پر دیوان جی پریشان ہوتے، جب بھی کوئی ضرورت ہوتی وہ روہن کمہار کے مندر میں پہنچ جاتے...... وہاں ان سے بات کرتے اور کنور جی نہایت نرم اور پراخلاق لہجے میں انہیں مختلف تفصیلات بتاتے رہتے تھے۔

پھر ایک مرتبہ شہر سے ایک نمائندہ بیس لاکھ روپے کی رقم مانگنے آیا...... اس نے کہا کہ اسے یہ رقم صبح بھرنی ہے اور اگر یہ نہ بھری گئی تو خواہ مخواہ بدنامی ہو گی...... جو روہن کمہار جیسے مہاتما اور مہان پرش کے لئے مناسب نہیں تھی، کیونکہ اپنے جوک کے باوجود انہیں اپنی ریاست کا کاروبار تو سنبھالنا ہی تھا۔

پتا جی مجبور ہو گئے کہ کنور جی کے مندر میں چلے جائیں حالانکہ اس وقت سے نہیں تھا،

لیکن پتاجی کی فرض شناسی انہیں اندر لے گئی۔

مندر کے باہر کوئی پہریدار نہیں تھا...... دروازہ پتہ نہیں کیسے بند ہونے سے رہ گیا تھا...... بھلا مندر کے باہر پہریداروں کی ضرورت ہی کیا تھی، چنانچہ پتاجی اندر داخل ہو گئے۔

پورا مندر ویران اور سنسان پڑا ہوا تھا...... پوجا کے بعد یہاں کوئی نہیں رہتا تھا...... سوائے روہن جی کے، سو میرے باپو جونالال جی بدنصیبی کا شکار ہو کر ان کے کمرے میں داخل ہو گئے اور یہاں انہوں نے ایک ایسا منظر دیکھا جسے دیکھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور یہاں انہوں نے ایک خوب صورت لڑکی کو دیکھا جو اپنی زندگی کی آخری سانسیں پوری کر رہی تھی...... اسے گردن دبا کر مار دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ وہ وحشیانہ سلوک کیا گیا تھا جسے دیکھ کر انسانیت کانپ اُٹھے اور یہ سلوک کرنے والے روہن جی تھے۔

پتاجی کے پاؤں جکڑ کر رہ گئے...... کنور جی نے بھی انہیں دیکھ لیا اور اس کے بعد جیسے ان کی آنکھوں میں وحشت بھر گئی۔

"تم...... تم یہاں کیسے آ گئے۔" انہوں نے کرخت لہجے میں پوچھا تھا۔

"مہاراج! میں ایک کام سے آیا تھا۔"

"اوہ دیوان جی! کیا کام تھا ہم سے آپ کو۔" کنور جی نے وحشت زدہ انداز میں کہا۔

"وہ بیس لاکھ...... بیس لاکھ۔" جونالال جی ہکلا کر بولے۔

"سکون سے کہئے...... اطمینان سے کہئے کیا کہنا چاہتے ہیں آپ۔" کنور جی نے فوراً ہی خود کو سنبھالا تھا...... اب ان کا لہجہ اعتدال پر آ گیا تھا۔

"وہ راجہ صاحب بیس لاکھ...... بیس لاکھ۔" میرے باپو کی حالت اب بھی غیر تھی...... وہ تو اس مظلوم لڑکی کو دیکھ رہے تھے جس نے بالآخر دم توڑ دیا تھا اور اس نے آخری ہچکی ان کے سامنے ہی لی تھی...... دم توڑتی ہوئی لڑکی کو راجہ صاحب نے بھی دیکھ لیا، لیکن وہ پرسکون ہی رہے تھے...... پھر بولے۔

"ہاں تو دیوان جی بیس لاکھ کی کیا بات ہے؟"

"یہ کون ہے۔" باپو سب کچھ بھول کر بولے...... انسانی ہمدردی ان کے سینے میں اُبھر آئی تھی۔

"ایک کنیا بے چاری...... کچھ مانگنے آئی تھی ہم سے...... دے دیا۔" پر جیون نہ دے سکے ہم اسے، مر گئی بے چاری۔" کنور جی نے مکاری بھرے لہجے میں کہا۔

"مگر مہاراج، مگر مگر...... یہ تو...... یہ تو۔"

"ہاں ہاں دیوان جی کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"اسے آپ نے مارا ہے روہن جی! اسے آپ نے مارا ہے۔"

"مارنا اور جلانا تو بھگوان کا کام ہے...... بس جس کی جب بھی موت آ جائے۔"

روہن کمہار ہنس کر بولے۔

"یہ آپ نے پاپ کیا ہے...... آپ نے...... آپ نے یہ کیا کیا...... آپ تو بڑے مہاتما ہیں...... بڑے دھرماتما ہیں...... آپ تو بڑے مہان لوگوں کی اولاد ہیں...... آپ جیسے سنیاسی آپ جیسا دیالو...... یہ پاپ کرے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

ارے چھوڑو دیوان جی! کہاں کی باتیں کرتے ہو...... آتما کی بات بھی تو کرو اور آتما کی بات کرو گے تو ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ ہماری آتما یہی سب کچھ چاہتی ہے اور آتما جس سے جو کچھ مانگے اس کی مانگ پوری کرنا ضروری ہوتی ہے...... ہماری آتما یہی سب کچھ چاہتی ہے اور اگر سچ جانو دیوان جی تو اب تک ہماری آتما کی یہ مانگ پوری ہوتی رہی ہے...... ہم تمہیں اپنے ساتھ شریک ہونے کا موقع دیتے ہیں...... جن آنکھوں نے یہ سب کچھ دیکھ لیا اور جن کانوں نے یہ سب کچھ سن لیا، ان کا جیون ضروری تو نہیں ہے، مگر تم ہماری ریاست کے پرانے دیوان ہو...... ہمارے راستے میں آنے کی کوشش کبھی نہ کرنا...... ہم جو کچھ ہیں تمہیں اس کا اندازہ بخوبی ہو گیا ہوگا...... دیوان جی ہم نہیں چاہتے کہ تم جیسے اچھے آدمی کو ہم کوئی نقصان پہنچائیں، لیکن اس کی شرط یہی ہے کہ تمہاری زبان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند رہنی چاہئے۔

"تو کیا...... تو کیا...... وہ لاشیں بھی...... وہ لاشیں بھی آپ ہی کی درندگی کا شکار ہوئی

تھیں...... روہن جی، جو جنگلوں، کنوؤں اور دوسری جگہوں پر پائی گئی ہیں۔"

میرے باپو نے چونک کر پوچھا۔

"زبان سنبھالو دیوان جی! اسے درندگی نہ کہو، وہ سب پاک استھان پر پہنچ گئیں، بھلا ہماری آغوش میں آنے کے بعد کسی کو سورگ نہ ملے...... یہ کیسے ممکن ہے۔"

"مگر...... مگر یہ تو ہتھیا ہے...... یہ نہیں ہو سکتا...... روہن جی آپ ابھی تک اپنے آپ کو چھپا رہے ہیں...... میں تو بھگوان سے ڈر رہا ہوں، کتنے مہان لوگوں کی اولاد ہیں آپ اور کیسے راکھشس...... اگر آپ کے مہان ماتا پتا کی آتمائیں یہ سب کچھ دیکھ لیں تو نجانے ان کا کیا حال ہو...... بھگوان آپ کو معاف کرے راجہ روہن کمہار بھگوان آپ کو معاف کرے۔"

"دیوان جی...... جیون نہیں چاہتے کیا...... اپنے پریوار اپنے کٹم کا، جیون تمہیں پسند نہیں ہے کیا۔"

"نہیں مہاراج روہن کمہار یہ نہ کہو...... بھگوان نے چاہا تو میرا پریوار بچے گا، میرا جیون بھی بچ جائے گا، لیکن تم جیسے راکھشس کو میں نہیں چھوڑ سکتا، کس کی بیٹی ہے یہ...... کس کی اولاد ہے یہ۔"

"ہوں تو دیوان جی! اس سے پہلے کہ تمہاری دیوانگی عروج کو پہنچے...... تمہارا علاج کرنا ضروری ہے۔" روہن کمہار نے پھرتی سے ایک جگہ رکھا ہوا پستول نکال لیا اور اس کا رخ میرے پتا جی کی طرف کر دیا...... پتا جی خاموش کھڑے ہوئے تھے...... روہن کمہار انہیں گھورتا رہا، پھر بولا۔

"تمہیں ایک منٹ میں مار دیا جاتا...... دیوان جی مگر پرکھوں کا خیال آتا ہے اور پھر یہ بات یہ ہے کہ جس طرح تم نے ہماری ریاست کا کام سنبھال رکھا ہے، اس کو بھی ہمیں سامنے رکھنا ہوتا ہے، اب ہمیں نئے آدمی رکھنا پڑیں گے۔"

پتا جی اس دوران یہ اندازہ لگا چکے تھے کہ ان کا جیون یہاں محفوظ نہیں ہے...... دیوان اور اس لڑکی کی مظلومیت ان کے روئیں روئیں میں رچ گئی تھی، لیکن اس وقت عقل نے

ساتھ دیا...... انہوں نے سوچا کہ اس راکھشس کو ایسے نہیں مارا جا سکتا...... اگر ان کی کہانی اسی جگہ ختم ہو گئی تو پھر وہ تو مر جائیں گے اور کوئی نہیں جان سکے گا کہ راجہ روہن کمہار جیسا راکھشس کیا کیا کرتا پھر رہا ہے، چنانچہ وہ بے اختیار مسکرا پڑے۔

"دیکھنا چاہتا تھا کنور جی کہ میرے لئے آپ کے دل میں کتنی گنجائش ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب دیوان جی۔"

"مطلب یہ کہ سب کچھ برا ہے اچھا نہیں ہے، مگر کیا کروں تمہارے پتا جی کا نمک کھاتا رہا ہوں...... اپنی عادت سے مجبور ہوں، تمہیں نصیحت تو کرنا ہی تھا، مگر بالک کیا ضروری تھا کہ تم اس کی ہتھیا بھی کرتے۔"

"اوہ...... اس کا مقصد ہے کہ تمہیں عقل آ گئی ہے۔"

"بس کچھ عادت سی پڑی ہے...... روہن کمہار جی۔"

"نہیں ہم تو پہلے ہی کہہ رہے تھے کہ ہم آپ کی بڑی عزت کرتے ہیں...... بڑا مان ہے آپ کا ہمارے من میں، مگر آپ کی باتیں ہی ایسی تھیں۔"

"بہک گیا تھا...... اب سنبھل گیا ہوں۔" پتا جی بولے۔

"سنبھل جانے میں جو مزہ ہے دیوان جی...... بہک جانے میں نہیں ہے...... ہمیں امید ہے کہ آئندہ تم کبھی نہیں بہکو گے۔"

"میرے ساتھ ایسی باتیں مت کرو روہن...... میں نے جیون کا ایک بڑا حصہ تمہارے ساتھ بتایا ہے...... میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر یہ سب کچھ ہو بھی گیا ہے تو اس کی ہتھیا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہ ضروری ہے آپ سمجھتے نہیں ہیں، دیوان جی! اس کے لئے ہم اپنی عزت بھینٹ نہیں چڑھا سکتے، چنانچہ ہم یہ بھی کرتے ہیں۔"

"مگر مہاراج مجھے آپ کی اس حرکت سے اختلاف ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"آپ اگر چاہیں تو کھلے عام بھی یہ سب کچھ کر سکتے ہیں...... جاگیرداروں اور راجاؤں کی حویلیوں میں تو یہی کھیل ہوتے رہتے ہیں...... آپ کو کون روکے گا۔"

"رام رام رام...... ہم جیسے مہان پرش جن کے پاس لوگ اپنی اچھائیں لے کر آتے ہیں...... اپنی ناریوں اور استریوں کو لے کر دعائیں کرانے آتے ہیں...... بھلا اس سے اچھا موقع کوئی مل سکتا ہے، نہیں دیوان جی...... بوڑھے ہوگئے ہو...... جوانی کے کھیلوں سے ناواقف ہو، بھلا ایسی عورتیں بھی کسی قابل ہوتی ہیں جو دیشائیں ہوں، جگہ جگہ ناچتی پھریں...... ہمیں تو ان کچی کلیوں سے دلچسپی ہے...... ہمیں تو یہی سب کچھ اچھا لگتا ہے...... بس یوں سمجھو کہ یہ ہمارا کھیل ہے، مگر دیوان جی تمہارے لہجے کی اچانک تبدیلی ہمیں شبے کا شکار کر رہی ہے۔"

"بیکار باتیں مت کرو روہن جی...... میں اپنی زبان بند کر لوں گا۔"

میرے باپو نے مصلحت کے تحت کہا۔

"اور اگر زبان کھولی تو دیوان جی، تو تم یہ سمجھ لو کہ ہمارے ہاتھ چھوٹے نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے روہن ٹھیک ہے، مجھے ہی دھمکیاں دے کر تم اپنی بڑائی جتا سکتے ہو۔"

"ارے نہیں...... دیوان جی! ہم نے تو ہمیشہ آپ کی عزت کی ہے...... چلیں اب یہ لاش بھی آپ ہی ٹھکانے لگائیں۔"

"کک...... کیا؟" باپو نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں دیوان جی...... اب تو آپ ہمارے کام میں شریک ہو ہی گئے ہیں...... یہ لاش اپنے کاندھے پر لاد کر لے جائیں اور میٹھی باؤلی میں ڈال دیں...... میٹھی باؤلی تو آپ نے دیکھی ہی ہوگی...... جائیں جائیں جلدی کریں۔" میرے باپو کو جیون بچانے کے لئے یہ سب کچھ کرنا ہی تھا جو کچھ ہوا تھا، اس پر ان کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا، لیکن روہن سے ٹکر لینا ان کے بس کی بات نہیں تھی...... پورا پریوار چل رہا تھا ان کے گھر سے، بھلا میرے باپو کہاں

ٹھوکریں کھاتے پھرتے...... ہاں یہ انہوں نے ضرور سوچ لیا تھا کہ کسی نہ کسی موقع پر اس راکھشس کو بے نقاب ضرور کر دیں گے، مگر ایسے سے جب وہ رنگے ہاتھوں پکڑا جائے...... ویسے تو وہ جانتے تھے کہ اس کے بارے میں اگر ایک بھی لفظ کہا تو لوگ ان کی بوٹیاں اڑا دیں گے، صورت حال کی نزاکت کا انہیں پورا پورا احساس تھا۔

انہوں نے لاش کندھے پر ڈالی اور چور دروازے سے نکل کر بیٹھی باؤلی کی طرف چل پڑے، لیکن ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ بہت سی روشنیاں ان پر پڑنے لگیں...... ایک کے بعد ایک روشنی کا جھماکہ ہوتا...... پتاجی اتنے بے وقوف بھی نہیں تھے کہ یہ نا سمجھ پاتے کہ ان کی تصویریں لی جا رہی ہیں...... یہ تصویریں روہن جی کے اشارے پر ہی لی گئی تھیں اور اب پتا جی کی صورت حال بہت عجیب ہوگئی تھی، ان کا خون خشک ہو گیا تھا...... لڑکی کی لاش ان کے کندھے پر پڑی ہوئی تھی اور ان کی تصویریں بنائی گئی تھیں...... وہ کسی سے کچھ بھی کہتے پھرتے ذمہ داری ان پر ہی عائد ہوتی تھی...... آخر وہ لاش کو لے کر کیوں جا رہے تھے۔"

ان کا دل روتا رہا اور انہوں نے لاش میٹھی باؤلی میں پھینک دی...... یہ باؤلی بہت گہری تھی اور اس میں گرنے والی کسی چیز کا کبھی نہیں پتا چلتا تھا...... پھینکنے سے پہلے لاش کے بدن پر پتھر بھی باندھنے پڑے تھے۔

باؤلی کے بارے میں سنا تھا کہ اس میں مگرمچھ بھی رہتے ہیں جو کسی بھی زندہ یا مردہ انسان کو آن کی آن میں ہڑپ کر جاتے ہیں...... ہر طرح سے اطمینان کر لیا تھا اس پاپی نے، چنانچہ پتاجی یہ کام کرنے کے بعد گھر واپس آگئے، مگر ہلکان ہو رہے تھے...... گھر میں ماتاجی اور میری ایک بہن تھی...... اس کے علاوہ میرے چچیرے اور ننھیرے بھائی بہن بھی ہمارے ساتھ ہی رہتے تھے...... کارندے ہونے کی حیثیت سے پتاجی کو بہت اچھی تنخواہ ملتی تھی...... تھوڑی سی زمینیں تھیں ہماری، یہ زمینیں انعام ہی میں روہن کمہار کے پرکھوں نے ہمارے خاندان کو بخشی تھیں اور اب ہمارا ان پر پورا پورا حق تھا۔

اس طرح سے ہمارے حالات بہت بہتر چل رہے تھے، مجھے تو اس بارے میں کچھ نہ

معلوم ہو سکا اور نہ ہی میری چھوٹی بہن تلسی کو لیکن پتاجی کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی، انہوں نے ماتاجی کو ساری تفصیلات بتادیں اور ماتاجی بری طرح سہم گئی۔ انہوں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔"

"ہے بھگوان اب کیا ہو گا؟"

"یوں سمجھو کہ میں مر چکا ہوں، تلسی کی ماں...... میرے جیون میں اب کچھ نہیں رہا ہے، پتہ نہیں کس کی اولاد تھی وہ...... میرا من مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا، میں کبھی شانت نہیں ہوں گا۔"

"خود کو سنبھالو جونا لعل۔" بھلا ہم جیسے معمولی لوگ روہن کمہار سے ٹکرا سکتے ہیں...... ہائے رام میں نے تو کئی بار اس کی آرتی اتاری ہے...... بڑے سچے من سے میں نے اسے اپنی اولاد کی طرح چاہا ہے، وہ اتنا مورکھ ہے، اتنا پاپی ہے، کیسے مان لوں۔"

"نہ مانو تلسی کی ماں...... تم نہ مانو گی تو کیا ہو گا، مگر کیا کروں، میرا دل چاہ رہا ہے کہ سو جاؤں...... اتنی گہری نیند کہ پھر کبھی نہ جاگوں، لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر کل صبح میں اپنے کام پر نہ پہنچا تو روہن کمہار کو شک ہو جائے گا اور اس کے بعد تلسی کی ماں، نہیں نہیں سنو تم کاجل اور تلسی کو اس سنسار کی نگاہوں سے چھپا کر رکھو...... ہماری اس بستی میں ایک راکھشس گھس آیا ہے اور اب کسی کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہیں ہے...... لو ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہمارے یہ مہاتما جن کے بارے میں ہم ہمیشہ سوچتے تھے کہ یہ بھگوان کے اوتار ہیں اور بھگوان نے اپنے اس اوتار کو ایک ایسی جگہ اتارا ہے جہاں دولت ہی دولت ہے، لیکن دولت کے انبار رکھ کر بھی وہ اپنے اس بھگوان کو نہ بھول سکا کتنا مان تھا، ہمیں اس پر کتنا مان تھا مگر سوچو تو سہی تلسی کی ماں، سوچو تو سہی گاؤں میں، جنگلوں میں، کنوؤں میں، ڈھوروں پر، نہروں میں جو لاشیں ملتی رہی ہیں وہ اس پاپی کے ہاتھوں ہلاک ہوئی تھیں...... آہ...... آج اگر میں بستی کے چوک میں کھڑے ہو کر یہ بات لوگوں کو بتاؤں تو میں جانتا ہوں لوگ مجھے سنگسار کر دیں گے...... پتھر مار مار کر میرے پورے وجود کو فنا کر دیں گے، لیکن کاش کوئی اس

درندگی اپنی آنکھوں سے دیکھتا۔

ماتاجی انہیں سمجھاتی رہیں...... صبح کو پتاجی تیار ہو کر چل پڑے...... انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا، جیون بچانے کے لئے کام پر جانا بہت ضروری تھا۔

تب ماتاجی نے رات کی باتیں مجھے بتائیں اور مجھے ہدایت کی کہ نہ تو میں خود باہر جاؤں نہ ہی تلسی کو جانے دوں، میں نے ماتاجی سے پوچھا۔

"ماتاجی گھروں میں قید رہنے سے کیا بہو بیٹیوں کی عزت محفوظ رہتی ہے؟ آج اس کے ہاتھ گھر سے باہر ہیں تو کل گھروں کے اندر بھی پہنچ سکتے ہیں...... کیا راکھشس کو ختم کرنا ضروری نہیں ہے...... تب ماں نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ میں بے وقوفی کی باتیں نہ کروں جو کام ہم نہیں کر سکتے اس کی بات ہی کیوں کی جائے...... پر میرا من نہیں مانتا تھا...... میں نے سوچا تھا کہ رات کو باپو سے بات کروں گی، رات کو جب باپو واپس آئے تو میں ان کا انتظار کر رہی تھی...... ان کا چہرہ اترا ہوا تھا، صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے دل کے خلاف جنگ کر رہے ہیں...... میں ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی تو وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

"کیا بات ہے بٹیا؟" انہوں نے سوال کیا۔

"آپ نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی باپو کہ وہ لاش کس لڑکی کی تھی؟"

"کیا تجھے...... تجھے کیسے معلوم ہوا؟"

"باپو مان کرتی تھی میں آپ پر...... سنسار میں آپ سے بڑا کوئی نظر نہ آتا تھا مجھے۔" لیکن یہ کیا ہوا آپ کو...... اب اتنے چھوٹے کیوں ہو گئے، اچانک آپ اتنے چھوٹے کیوں ہو گئے باپو۔"

تیرا باپ بے غیرت نہیں ہے کاجل...... اتنا نردوئی نہیں ہے، وہ مگر عقل کی جنگ ہاتھ پیروں کی جنگ سے زیادہ موثر ہوتی ہے...... اگر نادانی کا ایک لمحہ اور گزر جاتا تو شاید اپنے باپو کی لاش دیکھنا بھی نصیب نہ ہوتی...... اری پگلی یہ کیسے سوچ لیا تو نے کہ میں نے اپنی اس بیٹی کو بھلا دیا ہو گا جس کی لاش میں اپنے کندھے پر ڈال کر باؤلی میں پھینک آیا ہوں...... میں تو

مرتے سمے تک اسے نہیں بھول سکتا...... میں اپنے پاپ کا پراشچت کچھ نہیں کر سکتا، لیکن غور سے سن...... میں اسے چھوڑوں گا نہیں، لیکن اس کے لئے مجھے کچھ سمے چاہئے ہوگا...... ہاں میں اس راکھشس کو اس سنسار سے مٹانے کا تہیہ کر چکا ہوں...... تو میری بیٹی ہے...... کاجل، بھگوان نے مجھے کوئی بیٹا نہیں دیا، لیکن میں اسے چھوڑوں گا نہیں بھگوان کی سوگند اپنے پریوار کی سوگند تیری سوگند میں اسے نہیں چھوڑوں گا، لیکن اس کے لئے جیسا میں کہوں ویسا کرنا تم لوگ، اگر تم نے ذرا بھی ایسی ویسی بات کر دی تو وقت سے پہلے مارے جاؤ گے، میں اپنے اس عزم کو کبھی نہیں بھولوں گا، لیکن اس کے لئے سمے چاہے مجھے تمہیں وہ واقعات یاد ہوں گے جب کسی نے اس کے بارے میں زبان کھولی تھی اور لوگوں نے اسے خود ہی مار مار کر ختم کر دیا...... بڑا گہرا اثر ڈالا ہوا ہے اس نے...... اس کے علاوہ بٹیا ایک بات تمہیں اور بھی بتاؤں، اس کم بخت کے پرکھے بہت اچھا وقت گزار چکے تھے، وہ سچے اور نیک لوگ تھے لیکن، لیکن یہ بات میں جانتا ہوں کہ بے شمار روپیہ آرہا ہے، راتوں کو عجیب عجیب لوگ آ آ کر اس سے ملتے ہیں اور وہ کون ہیں اور کیوں ملتے ہیں اس سے اور یہ کرتا کیا ہے...... اس بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم...... میری اس سے کبھی لڑائی نہ ہوتی کیونکہ میں نے اس کے باپ دادا کا نمک کھایا ہے اور اس کا بھی میں تو یونہی سر جھکا کر جیون بتا دیتا، لیکن حالات یہ کہہ رہے ہیں...... بٹیا کہ اب مجھے اس کے سامنے آنا ہی پڑے گا...... میں زیادہ مضبوط آدمی نہیں ہوں، لیکن میرے ساتھ سچائی کی شکتی ہے...... تم لوگ میرے لئے دعا کرو، ایسا کبھی بھی نہیں ہوگا کہ میں جیتا رہوں، مجھے یہ حالات معلوم ہو جائیں اور اس کے بعد میں خاموشی اختیار کر لوں گا۔"

باپو کے الفاظ بڑے مضبوط تھے...... میرے دل کو ڈھارس ہو گئی، میں نے باپو سے کہا کہ وہ مجھے کوئی کام سونپیں، مگر باپو نے کہا کہ بیٹی تو خاموشی سے گھر بیٹھ یہ سارے کام تیرے نہیں ہیں، مجھے اس بات پر بہت افسوس تھا کہ میں باپو کا بیٹا نہ ہوئی...... بہر طور میں نے خاموشی اختیار کی، دیوان جونا لعل اپنے دل میں ان برائیوں کے خلاف ایک عزم لئے اپنے کام میں لگے رہتے تھے...... ویسے روہن کمہار اس جیسے کسی آدمی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، اس کے پاؤں بڑے مضبوط تھے، چنانچہ اس نے اس واقعے کو بھی نظر انداز کر دیا اور دیوان جونا لعل کے بارے میں ایک بار بھی نہ سوچا، لیکن میرے باپو مسلسل اس کی تاک میں لگے رہے، وہ ان لوگوں کو جانچتے رہے جو اس سے ملنے آتے تھے اور اس کے بعد انہیں جو علم ہوا وہ بے حد خوفناک تھا، انہیں پتہ چلا کہ روہن کمہار صرف ایک عیاش طبع آدمی ہی نہیں ہے بلکہ اس نے شہر شہر میں اپنے جال پھیلا رکھے ہیں...... وہ شہریوں کو ناجائز شراب اور نشے کی دوسری چیزیں بھی فراہم کرتا تھا، اس کے علاوہ اس کے بے شمار غنڈے جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے اور پتہ نہیں کیا کیا کارروائیاں انجام دے رہے تھے...... ان کارروائیوں کے بارے میں بھی تھوڑی بہت معلومات باپو کو حاصل ہو گئیں...... ملک ملک سے لڑکیاں لائی جاتی تھیں، کئی بار کئی غیر ملکی لڑکیوں کو روہن کمہار کے مندر میں دیکھا گیا...... باپو کو سب سے زیادہ اس بات کا افسوس تھا کہ وہ کمبخت سادھو سنتو کے بھیس میں آ کر یہ تمام گناہ کر رہا تھا اور یہ بڑی افسوس ناک بات

تھی، کم از کم اسے اپنی شکل ہی نمایاں کر دینی چاہئے تھی...... بستی والوں اور گاؤں والوں کو خوش رکھنے کے لئے اس نے وہی تمام کارروائیاں کی تھیں جو اس کے باپ دادا کرتے چلے آئے تھے اور وہ لوگ واقعی اس سے بہت خوش تھے، کیونکہ اب دولت کی ریل پیل باہر سے بھی تھی، صرف زمینوں، جائیدادوں سے کام نہیں چلایا جارہا تھا، حالانکہ ان کی کمی بھی نہیں تھی اور ان کے ذریعے بھی کام چلایا جاسکتا تھا...... لیکن پوری بستی کو خوشحال بنادیا گیا تھا بستی کے سارے مکانات بنتے چلے جارہے تھے...... اس کے لئے روہن کمہار قرضہ دیتے تھے...... بستی والے ان کے نام پر مرمٹنے کو تیار رہتے تھے...... ایسے پاپی کو زیر کرنا آسان کام نہیں تھا۔

باپو کو اندازہ ہوگیا کہ وہ اس کے خلاف کوئی باقاعدہ محاذ نہیں بناسکتے، چنانچہ وہ تاک میں لگے رہے اور پھر ایک دفعہ انہیں باہر جانے کا موقع مل گیا...... کسی کام سے روہن کمہار ہی نے انہیں باہر بھیجا تھا...... باپو دارالحکومت گئے، وہاں روہن کمہار کے کام کے ساتھ ساتھ وہ اپنے طور پر بھی کارروائی کرنے لگے...... انہوں نے ایک بہت بڑے پولیس آفیسر سے رابطہ قائم کیا اور ان سے ذاتی طور پر ان کے مکان پر ملاقات کی...... پولیس آفیسر نے باپو کا استقبال روہن کمہار کے دیوان ہی کی حیثیت سے کیا تھا...... مختلف باتیں کرنے کے بعد باپو نے کہا۔

''صاحب! میں آپ کو ایک اہم بات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں، بات یہ ہے کہ دیش بھگتی ہر شخص کے من میں ہوتی ہے...... ہر شخص چاہتا ہے کہ صرف اس لئے جیون نہ بتائے کہ اسے روٹی کپڑا ملتا ہے، اس کے من میں کچھ اور آشائیں بھی ہوتی ہیں...... اچھائیوں اور برائیوں کی آشائیں۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مسٹر جونا لعل؟'' بڑے پولیس آفیسر نے پوچھا۔

''میں کچھ ایسی باتیں کہنا چاہتا ہوں جنہیں سن کر آپ میرے منہ پر تھوکنا پسند کریں گے مگر میں کیا کروں، میں اپنے دل سے مجبور ہوں۔''

''نہیں دیوان جونا لعل جی، آپ بزرگ آدمی ہیں...... میں آپ کی عزت کرتا ہوں، جو بات کہنا ہو دل کھول کر کہیں۔''

''مہاراج یہ خاندان جہاں اس وقت میں دیوان کی حیثیت سے نوکر ہوں میرے لئے اوتاروں اور دیوتاؤں کا خاندان رہا ہے...... ان لوگوں کے ہاں میرے پرکھوں نے جیون بتایا ہے، ان کی برائی چاہنا نمک حرامی ہے اور اس طرح انسان خود اپنی ہی نگاہوں میں ذلیل ہوتا ہے۔''

''بے شک...... اس میں کیا شک ہے۔'' بڑے پولیس آفیسر نے جواب دیا۔

''مگر میں اس خاندان کے خلاف ہی کچھ کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' آفیسر تعجب سے بولے۔

''ہاں مہاراج...... جو کچھ میں بتارہا ہوں اسے سن کر آپ مجھ پر لعنت بھیج سکتے ہیں، لیکن اس سے جب آپ صورت حال کا صحیح اندازہ لگالیں۔''

''کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟'' بڑے پولیس آفیسر نے جواب دیا۔

''روہن کمہار جی اچھے راستوں کے راہی نہیں ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' پولیس آفیسر کی آواز میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔

''مطلب یہ ہے وہ اپنے پرکھوں کی ریت سے ہٹ گئے ہیں...... آپ نے چندر نگر کے اطراف میں ہونے والی وارداتوں کے بارے میں سنا ہوگا، لڑکیوں کی لاشیں جو جگہ جگہ پائی گئیں۔''

''ہاں سنا ہے۔''

''اوہ کیا راز ہے ان کا۔'' افسر صاحب دلچسپی سے آگے جھک آئے تھے۔

''انہیں ان کی آبروریزی کرنے کے بعد ختم کردیا جاتا ہے۔''

''وہ تو میڈیکل رپورٹ سے بھی معلوم کرلیا گیا ہے، مگر یہ سب کون کرتا ہے؟''

''روہن کمہار۔''

''کیا؟'' افسر صاحب کا لہجہ چونکا ہوا تھا۔

''ہاں مہاراج...... اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے سادھو کے بھیس میں روہن کمہار جی بہت برا کررہے ہیں مہاراج...... میں جانتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اچھا نہیں

ہے۔ میں نے اس کے لئے جان کی بازی لگائی ہے، لیکن میری خواہش ہے کہ آپ اس کی تحقیقات کریں...... یہی نہیں بلکہ روہن کمہار کچی شراب اور نشے کی دوسری چیزوں کا بھی بیوپار کرتے ہیں...... بہت سارے ملکی اور غیر ملکی لوگ یہاں آتے ہیں اور اس کے بعد یہ سب کچھ یہاں ہوتا ہے۔" افسر صاحب تعجب بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے، وہ اسی طرح مجھے دیکھتے رہے، پھر انہوں نے کہا۔

"کیا آپ نے اس سلسلے میں کسی اور پولیس آفیسر سے بات کی؟"

"نہیں مہاراج بڑا سوچ بچار کرتا رہا ہوں جس کا نمک کھاؤں اس کے خلاف سب کچھ کروں...... دل یہ تسلیم نہیں کر رہا تھا، لیکن وہ لاش جسے میرے کاندھے پر لاد کر باؤلی میں گرایا گیا آج تک میری نگاہوں میں گھوم رہی ہے...... میں اسے بھول نہیں سکتا...... مہاراج وہ میری بیٹیوں کی طرح تھی۔"

"کیا مطلب؟" افسر صاحب نے پوچھا اور باپو نے انہیں پوری کہانی سنادی...... افسر صاحب گردن ہلاتے رہے تھے...... پھر انہوں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اس کہانی کا کوئی ثبوت ہے آپ کے پاس؟"

"مہاراج...... ثبوت تو ہزاروں مل جائیں گے، اپنے کچھ آدمیوں کو میرے ساتھ بھیج دیں میں انہیں دکھاؤں گا کہ حویلی میں کیا کیا ہوتا ہے؟"

"ہوں...... دیوان جی آپ نے یہ اطلاع دے کر بڑا اچھا کام کیا ہے...... میں اس کی پوری تحقیقات کروں گا، آپ بالکل بے فکر رہیں، لیکن ایک بات آپ ذہن میں رکھیں...... اگر آپ نے یہ باتیں دو چار جگہ اور کہہ دیں تو پھر آپ کی اپنی زندگی ممکن نہ ہوگی، اگر آپ کے کہنے کے مطابق روہن کمہار جی اتنے خطرناک آدمی ہیں اور سادھو کے بھیس میں آکر وہ یہ سب کچھ کر رہے ہیں تو پھر ان کے ہاتھ بہت لمبے ہوں گے...... آپ کی جان جائے گی اس لئے خاموشی سے اپنے گھر جائیے آرام سے بیٹھئے...... آپ نے مجھے اطلاع دی میں اس سلسلے میں پوری پوری تحقیقات کروں گا اور آپ کی بات سچ نکلی تو پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔"

آفیسر کا یہی کہنا کافی تھا...... باپو مطمئن ہوگئے...... وہ خود بھی دُور رہ کر ہی کام کرنا چاہتے تھے...... ان کے اپنے انداز میں بھی بڑی کشمکش تھی، کیونکہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کریں جن لوگوں کا نمک کھایا تھا ان کے خلاف کچھ کرتے ہوئے انہیں افسوس ہو رہا تھا، لیکن فرض کی ایک الگ زندگی ہوتی ہے چنانچہ وہ چندر گڑھ واپس آگئے...... باپو اپنے من کو بوجھ ہلکا کر آئے تھے، لیکن انہیں شانتی نہیں ملی تھی۔

دو دن اسی طرح گزر گئے، باپو کی کیفیت دیکھ کر میرے اپنے دل میں بڑی عجیب کشمکش پیدا ہوگئی تھی...... میں نے جو کچھ سن لیا تھا اس کے بعد نجانے کیوں میرا دل ڈرنے لگا تھا۔

یہ تیسرے دن صبح کی بات ہے...... صبح ہی صبح ہمارے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی تو میں دروازہ کھولنے چلی گئی...... روہن کمہار جی کو میں نے اس سے پہلے کئی بار دیکھا تھا، لیکن وہ جتنی بڑی شخصیت تھے اسے سوچتے ہوئے میں کبھی بھول کر بھی نہیں خیال کر سکتی تھی کہ وہ ہمارے گھر کے دروازے پر بھی آجائیں گے...... اس وقت وہی ہمارے گھر کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے...... میں ہکا بکا رہ گئی...... روہن کمہار جی خود بھی مجھے حیرت سے دیکھتے رہ گئے تھے...... پھر انہوں نے بڑی نرم اور میٹھی آواز میں کہا۔

"دیوان جونا لعل جی موجود ہیں۔"

"ہاں مہاراج۔"

"سنو تم پتری ہو ان کی؟"

"ہاں مہاراج۔"

"اکیلی بیٹی ہو۔"

"نہیں مہاراج میری ایک بہن بھی ہے۔"

"ہوں...... چھوٹی ہے تم سے۔"

"ہاں مہاراج۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"کاجل۔"

"ٹھیک ہے جاؤ..... اپنے پتاجی کو اطلاع دو کہ ہم آئے ہیں۔" میں واپس مڑی، لیکن مجھے روہن کمہار کی نگاہیں اپنی پشت میں چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں..... مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی مجھے اندر سے ٹٹول رہا ہے..... یہ آنکھیں بڑی عجیب تھیں، جب تک میں ان کے سامنے سے گزرتی رہی مجھے یہ احساس رہا..... باپو کو آکر یہ بات بتائی تو وہ حیرت سے اُچھل پڑے اور پھر دوڑتے چلے گئے..... کچھ بھی تھا، بہر طور روہن کمہار جی ان کے مالک تھے۔ باپو بڑی عزت و احترام کے ساتھ انہیں اندر لے کر آئے..... روہن کمہار جی مسکراتے ہوئے بولے۔

"جونا لعل جی، ہم آپ کے من سے اپنے بارے میں کرودھ دور کرنا چاہتے ہیں اور اسی لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔"

"مہاراج میرے من کو کیا ہو گیا؟" باپو نے خود کو سنبھال کر کہا..... وہ روہن کمہار سے آنکھیں نہیں ملا سکتے تھے، کیونکہ ان کے من میں جو کچھ تھا روہن کمہار کو ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

"نہیں جونا لعل جی، دیکھو ہمیں دیکھو..... ہم بڑے اور چھوٹے میں کوئی فرق نہیں سمجھتے..... تم ہمارے دیوان ہو، تمام طور سے ہمارے پرکھے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہے ہیں، لیکن وہ کبھی کسی کے گھر نہیں گئے ہوں گے، ہمیں دیکھو ہم سادھو سنت آدمی ہیں، دنیا کے بوجھ سے بالکل دلچسپی نہیں رکھتے، ٹہلتے ہوئے جا رہے تھے..... تمہارے گھر کا دروازہ آیا تو یہاں آ گئے، ویسے دیوان جی، تم نے ہمیشہ ہم سے دوری رکھی ہے۔"

"ہم نہیں سمجھے مہاراج۔"

"کبھی اپنے پریوار کے ساتھ ہمارے گھر نہیں آئے؟"

"بس مہاراج ویسے ہی۔" میرے باپو نے جواب دیا۔

"اور سناؤ تمہارے وچار کیسے ہیں؟"

"بس ٹھیک ہیں مہاراج، کوئی خاص بات نہیں آپ کو کوئی جل پانی۔"

"نہیں دیوان جی..... صبح صبح ہم جل پانی نہیں کرتے، بس ایسے ہی آ گئے تھے تمہارے دوار۔" روہن کمہار نے مسکراتے ہوئے کہا..... اس کی مسکراہٹ میں شیطنت چھپی ہوئی تھی جسے میں دور ہی سے محسوس کر سکتی تھی..... میں اس شخص کا چہرہ دیکھ رہی تھی، سادھوؤں کے روپ میں یہ آدمی راکھشس ہی محسوس ہوتا تھا..... خدوخال بھی بہت بھدے تھے بلکہ خوفناک ہی نظر آتے تھے..... بہر طور تھوڑی دیر کے بعد وہ چلا گیا، لیکن باپو کو بے پناہ پریشانی کا شکار کر گیا..... وہ پرخیال انداز میں گردن ہلا رہے تھے، میں ان کے پاس پہنچی تو وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگے..... پھر آہستہ سے بولے۔

"تو..... تو کیا کر رہی ہے کاجل۔" دروازہ کھولنے تو گئی تھی۔

"ہاں باپو۔"

"کیوں گئی تھی بے وقوف کہیں کی، بھلا تجھے کیا ضرورت تھی جانے کی، ہر آواز پر دروازہ کھولنے کے لئے دوڑی چلی جاتی ہے، جب میں گھر میں موجود تھا تو تو کیوں گئی، نوکر بھی موجود تھے رام رام پتہ نہیں کیا کرنے والی ہے تو، کیا کر کے دکھائے گی، جب سمجھا دیا ہے تو وہی کر جو میں کہتا ہوں۔"

باپو بلاوجہ ہی مجھ پر بگڑنے لگے، میں ان کی ذہنی کیفیت کو سمجھ رہی تھی، بے وقوف نہیں تھی میں، حالات کا اندازہ مجھے بھی ہو چکا تھا اور جو کہانی باپو نے مجھے سنائی تھی اس کے تحت اس بات کا اندازہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ باپو میرے لئے کیوں پریشان ہیں۔" پھر انہوں نے کہا۔

"روہن کمہار جی نے تجھ سے کوئی بات کی تھی؟"

"ہاں۔"

"کیا بات کی تھی؟"

"بس نام پوچھا تھا میرا۔"

”اوہ تجھے نہیں جانا چاہئے تھا، تجھے نہیں جانا چاہئے تھا۔“

”ایسا کیا ہو گیا باپو، میں کوئی حلوہ تو نہیں ہوں جو مجھے کوئی کھا جائے گا۔“

”تو نہیں سمجھتی پگلی، تو نہیں سمجھتی۔“

”سب سمجھتی ہوں باپو...... آپ ایک بات کا اطمینان رکھیں میری طرف سے۔“

”کیا؟“ باپو چونک کر بولے۔

”بس باپو...... میں آپ کے سامنے زبان نہیں کھول سکتی لیکن اس بات کو ذہن میں رکھ لیجئے کہ کوئی میری عزت سے یا میرے جیون سے نہیں کھیل سکتا۔“

”بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔“ باپو نے فکر مند لہجے میں کہا۔

روز مرہ کی طرح آج بھی وہ ضروری تیاریاں کرنے کے بعد حویلی روانہ ہو گئے...... کوئی خاص بات نہ ہوئی، شام ہو گئی...... رات کے تقریباً دس بجے تھے جب ہمارے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی تھی...... باپو بیٹھے اس وقت حقہ پی رہے تھے، دستک کی آواز سن کر حقے کی نے ان کے منہ سے نکل گئی...... وہ دیر تک سہمی ہوئی نگاہوں سے وہ دروازے کی طرف تکتے رہے...... پھر لرزتے ہوئے قدموں سے وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ ہمیں چونکہ انہوں نے دروازے پر جانے سے منع کر دیا تھا، اس لئے ہم میں سے کوئی بھی دروازہ کھولنے نہیں گیا تھا...... باپو نے دروازہ کھولا تھا اور کسی سے باتیں کرنے لگے، پھر انہوں نے کہا۔

”آجاؤ...... اندر آجاؤ بھائی۔“ اور ایک آدمی اندر داخل ہو گیا۔

میں اسے پہچانتی تھی...... بستی کا ہی آدمی تھا...... شاید، دینو نام تھا...... پہلے ہمارے محلے میں رہتا تھا...... پھر اپنے بال بچوں کے ساتھ شہر چلا گیا تھا۔

”کہو بھائی دینو کیسے حال ہیں...... کب آئے شہر سے؟“

”ابھی ابھی آیا ہوں اور بری طرح سے بھاگا ہوا آیا ہوں، ابھی واپس چلا جاؤں گا۔“

”کیوں کیوں خیریت، ابھی آئے ہو ابھی واپس چلے جاؤ گے۔“

”آپ کے پاس آیا تھا، دیوان جونا لعل جی، آپ جانتے ہیں میں پولیس حوالدار ہوں؟“

”ہاں جانتا ہوں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”دیوان جی مجھے کچھ سوالات کے جواب چاہئیں۔“

”کیا پولیس کی طرف سے یہ سوال کر رہے ہو؟“

”نہیں دیوان جی...... میں اگر پولیس کی طرف سے کچھ سوال کر رہا ہوتا تو سادہ لباس میں نہ آتا، پولیس کی وردی پہن کر آتا۔“

”کہو بھئی کیا بات ہے؟“

”کیا آپ روہن کمہار کے خلاف پولیس میں کوئی رپورٹ درج کرانے گئے تھے؟“ اس نے کہا اور باپو بری طرح چونک پڑے تھے۔

”میں جو پوچھ رہا ہوں مجھے اس بات کا جواب دیجئے۔“

”ہاں گیا تھا۔“

”بہت برا کیا آپ نے دیوان جی...... بہت برا کیا...... کیا آپ کو روہن کمہار کے تعلقات کا علم نہیں ہے؟“

”تعلقات اپنی جگہ...... میں تو پولیس کو ایک جرم کی اطلاع دینے گیا تھا۔“

”جرم...... کیسی باتیں کرتے ہیں آپ دیوان جی، آپ نے اتنا جیون بتا دیا ہے، آپ جانتے ہیں کہ برائی اگر غریب آدمی کرتا ہے تو وہ جرم بن جاتی ہے اور یہی برا کام اگر کوئی بڑا آدمی کرتا ہے تو وہ یا تو پالیسی ہوتی ہے یا اس کے پس پشت کوئی بڑا کام ہوتا ہے۔“

”لیکن جو کام روہن کمہار کر رہا ہے کیا وہ بھی تمہاری نگاہوں میں بہت بڑا ہے۔“

”میری نگاہوں میں نہیں، میرے افسروں کی نگاہوں میں...... آپ کیا سمجھتے ہیں آپ کے رپورٹ کرنے کے بعد پولیس افسروں نے کیا کیا ہو گا؟“

”میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے روہن کمہار کے بارے میں تحقیقات شروع کر دی ہوں گی اور یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے کہ ان لاشوں کا راز کیا ہے

اور کس نے انہیں قتل کیا ہے۔"

"نہیں مہاراج یہی تو بھول ہے آپ کی۔"

"کیا مطلب؟"

"پولیس نے سب سے پہلے روہن کمہار کو اس بارے میں اطلاع دی اور انہیں بتایا کہ ان کے خلاف رپورٹ درج ہو چکی ہے...... پولیس افسر نے روہن کمہار جی سے ملاقات کر کے کہا کہ دیوان جونا لعل نے ان پر قتل کا الزام لگایا ہے اور ان کے خلاف ایسے گھناؤنے الزامات لگائے ہیں کہ وہ حیران ہیں۔"

"پھر...... روہن کمہار نے کیا کہا؟"

"یہ ہمیں کیا معلوم، ایک معمولی حوالدار کو افسروں کی باتیں کہاں معلوم ہو سکتی ہیں، لیکن آپ کو ایک اطلاع دینے آیا ہوں، صبح ہی صبح یہاں پولیس فورس پہنچے گی آپ کو گرفتار کرنے کے لئے۔"

"مم...... مجھے...... مجھے کیوں؟" باپو نے خوفزدہ لہجے میں سوال کیا۔

"دیوان جونا لعل جی، آپ نے اپنے پیروں پر کلہاڑی مار لی ہے، میں آپ کو ایک مشورہ دے سکتا ہوں، آپ فوراً یہاں سے فرار ہو جائیے...... بستی کی بات ہے، میں جانتا ہوں کہ آپ بہت نیک آدمی ہیں اور آپ نے روہن کمہار جی کے خلاف جو کچھ کہا ہے وہ اپنی نیک دلی سے متاثر ہو کر ہی کہا ہو گا، لیکن آپ کو پتہ نہیں کہ صورت حال کیا ہے...... روہن کمہار جی جو کچھ بھی ہیں، لیکن اپنی پیٹھ بڑی محفوظ رکھتے ہیں۔"

"میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔"

"یہ آپ کی مرضی ہے...... آپ جیسے ایماندار بے وقوف اسی طرح مصیبتوں کا شکار ہوتے ہیں...... یہ میرا فرض تھا کہ میں آپ کو اس بات سے آگاہ کر دوں، حالانکہ پولیس کا آدمی ہونے کی وجہ سے مجھے یہ سب نہیں کرنا چاہئے تھا، لیکن اس بات کا مجھے اندازہ تھا کہ آپ کے خلاف جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ روہن کمہار کے کہنے پر کیا جا رہا ہے اور آپ نردوش

ہیں...... میں اپنے ضمیر کو اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لئے چلا آیا تھا...... آگے آپ کی اپنی مرضی ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد حوالدار دینو چلا گیا...... باپو کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا...... میں نے اور ماتا جی نے بھی یہ ساری باتیں سن لی تھیں...... باپو، ماتا جی کی طرف دیکھ کر پر خیال انداز میں بولے۔

"سنو میری ایک بات سنو۔"

"ہاں بولو۔"

"تم نے سنا دینو کیا کہہ رہا تھا؟"

"ہاں سن لیا اچھی طرح سن لیا، کیا یہ سچ ہے کہ تم روہن کمہار جی کے خلاف رپورٹ درج کرانے گئے تھے؟"

"ہاں یہ سچ ہے...... میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ روہن کمہار کیا چیز ہے، میرا من نہیں مانتا...... میں اس پاپ میں حصہ نہیں لے سکتا، میں اس کی نوکری نہیں کر سکتا، یہ مانتا ہوں میں کہ پرکھوں سے ہم اسی کا نمک کھاتے چلے آ رہے ہیں، لیکن اپنے سامنے یہ ظلم ہوتے دیکھ کر میں خود کو نہیں روک سکتا، مجھے یہ سب کچھ کرنا ہی تھا، اب کچھ بھی ہو، نتیجہ کچھ بھی نکلے۔"

"تو پھر یہاں سے بھاگ چلو۔"

"کیا کہتی ہو...... کہاں بھاگ جاؤں، کیسے بھاگ جاؤں؟"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر ہم روہن کمہار جی سے کیسے ٹکر لے سکتے ہیں بھلا؟"

"بھگوان ہمارا ساتھی ہے...... البتہ ایک خیال میرے من میں آیا ہے۔"

"کیا؟"

"بیٹی کو کھیری پہنچا دو...... وہاں ٹھاکر رام چند اس کی دیکھ بھال کریں گے، ہم صورت حال سے ابھی تک واقف نہیں ہیں کہ کیا ہونا ہے، کیا ہو گا اس کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔"

"مگر راتوں رات اس کو کھیری کیسے پہنچا دوں؟" ماتا جی نے پوچھا۔

"جیسے بھی ممکن ہو سکے، کوئی اپائے کرو کوئی ترکیب کرو۔"

"اگر تم کہو تو میں بنسی لعل سے بات کروں...... بنسی لعل اپنے بیل گاڑی جوت لے اور کاجل کو کھیری لے جائے۔"

"ہاں ہاں بنسی سے بات کرلو، دس بیس روپے بھی دے دینا اسے، بچیوں کا یہاں سے چلا جانا ضروری ہے اور بنسی سے یہ بھی کہہ دینا کہ خبردار کسی کو اس بارے میں کچھ معلوم نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے میں ابھی بنسی لعل کے گھر جا کر بات کرتی ہوں۔"

ماتاجی باہر چلی گئیں...... میں پریشان سی باپو کی شکل دیکھ رہی تھی، پھر میں نے کہا۔

"باپو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم سب ہی یہاں سے نکل چلیں۔"

"نہیں بٹیا! تو خود سوچ، ایک برائی کے خلاف میں نے قدم اٹھایا ہے، میدان چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتا، جو کچھ بھی بھگوان کی مرضی ہے دیکھا جائے گا۔"

"مگر پتاجی۔"

"نہیں بٹیا، اگر مگر نہیں، اگر تو کر سکتی ہے تو میری ایک مدد کر، اپنی اور اپنی چھوٹی بہن کی حفاظت کرنا، بابو رام چرن کو خط لکھ دوں گا، وہ تیری اچھی طرح دیکھ بھال کریں گے، اپنا زیور وغیرہ سمیٹ لے، جلدی کر، باندھ لے دیر کرنا اچھا نہیں ہوگا۔"

میں تیار ہوگئی، بہن کو سوتے سے اُٹھا کر جب یہ بتایا گیا کہ ہم کھیری چل رہے ہیں تو وہ خوشی سے اُچھل پڑی...... راستے میں گاڑی میں بیٹھ کر وہ مجھ سے فضول باتیں کرتی رہی، کہنے لگی کہ باپو کو ہم پر دیا کیسے آگئی، انہوں نے ہمیں کھیری بھیجنے کا فیصلہ کیسے کر لیا...... اب میں اس بے وقوف کو کیا بتاتی کہ صورت حال کیا ہے، بہر طور ہم کھیری پہنچ گئے۔

❁❁❁

باپو کے بارے میں ساری تفصیلات مجھے بعد میں معلوم ہوئیں...... باپو صبح تک انتظار کرتے رہے اور صبح جبکہ سورج بھی نہیں نکلا تھا، پولیس کی گاڑی ہمارے دروازے کے پاس آکر رُکی...... پولیس آفیسر باہر نکلا اور اس نے دروازے پر دستک دی...... باپو نے دروازہ کھولا اور پولیس افسر کو دیکھ کر سنبھل گئے...... وہ بے چارے دینو پر کوئی الزام نہیں دینا چاہتے تھے...... پولیس افسر نے انہیں دیکھ کر کہا۔

"دیوان جونا لعل جی آپ کو گرفتار کیا جاتا ہے۔"

"مگر کیوں مہاراج؟"

"یہ بات تو تھانے چل کر ہی معلوم ہوگی۔"

"مہاراج روہن کمہار جی کو میری گرفتاری کی اطلاع دے دی جائے۔" باپو نے کہا اور پولیس افسر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں ہاں دے دی جائے گی...... آپ چنتا نہ کریں آئیے۔"

باپو کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں اور تھانے لے جا کر انہیں بند کر دیا گیا...... ابھی تک باپو کو یہ پتہ نہیں بتایا گیا تھا کہ روہن کمہار جی نے انہیں کس الزام میں گرفتار کرایا ہے، ہاں دینو نے انہیں جو کچھ بتایا تھا اس کے تحت وہ اتنا جانتے تھے کہ اس گرفتاری میں روہن کمہار کا ہاتھ ہے۔

دوسرے دن باپو کو لاک اپ سے نکال کر تھانے دار کے سامنے پہنچایا گیا اور تھانے دار نے انہیں بتایا کہ انہیں قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔

"قتل...... کیسا قتل؟"

"ثبوت مل چکے ہیں دیوان جونا لعل جی، ثبوت بھی مل چکے ہیں۔"

"کیا مطلب میں نہیں سمجھا...... براہ کرم مجھے سمجھایا جائے۔"

اور جو کچھ انہیں سمجھایا گیا اس نے باپو کی آنکھیں کھول کر رکھ دیں...... یہ کچھ تصویریں تھیں جن میں باپو ایک لاش کو اپنے کندھے پر لاد کر لے جا رہے تھے...... جگہ کا اندازہ بھی ہو رہا تھا...... باپو نے یہ فوٹو گراف فوراً ہی پہچان لئے...... یہ وہ لاش تھی جو روہن کمہار نے ان کے حوالے کی تھی اور کہا تھا کہ اسے باؤلی میں پھینک آئیں، باپو کو روشنیوں کے وہ جھماکے بھی یاد تھے جو ان پر ہوئے تھے اور جن پر وہ غور بھی نہیں کر سکتے تھے، لیکن یقیناً وہ فلیش لائٹ والے کیمرے تھے جن کے ذریعے باپو کی تصاویر لی گئی تھیں اور اس طرح روہن کمہار نے انہیں مکڑی کے جال میں پھانس لیا تھا...... ان تصویروں کو دیکھ کر باپو ششدر رہ گئے...... پولیس افسر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہئے دیوان جونا لعل جی ان تصویروں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

"یہ سب کچھ میں نے روہن کمہار کے کہنے پر کیا تھا۔"

"بڑی اچھی بات ہے...... گویا آپ نے روہن کمہار کے جرم کو چھپانے کی کوشش کی تھی...... لاش کو آپ نے لے جا کر باؤلی میں پھینک دیا تھا۔"

"مم مجھے...... مجھے مجبور کیا گیا تھا۔"

"کمال کی بات ہے، مجبوراً جرم نہیں کیا جاتا، آپ اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے ایک سادھو منش انسان پر الزام لگا رہے ہیں...... دیوان جونا لعل جی، آپ بھی بال بچوں والے ہیں...... اس کے بعد آپ پر یہ وحشت کیوں سوار ہوتی تھی، آپ جیسے مجرموں کو تو کتے کی موت مرنا چاہئے تھا۔"

باپو کے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا...... واقعی انہوں نے روہن کمہار کے خلاف رپورٹ درج کرائی تھی...... یہی پولیس افسر تھا جس سے انہوں نے روہن کمہار کے بارے میں کہا تھا اور اسی پولیس افسر نے انہیں گرفتار کر لیا تھا، لیکن ٹھوس ثبوت کے ساتھ اور اس ثبوت کی تردید باپو کے لئے ممکن نہیں تھی...... وہ زبانی سب کچھ کہتے رہے لیکن پولیس افسر نے کہا کہ یہ ثبوت ان کی زبان سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں...... یہ بات سچ ہی تھی، باپو کو یہ سب کچھ کہہ کر اپنی بے عزتی ہی کرانی تھی، کیونکہ ثبوت ان کے خلاف موجود تھے...... باپو کو باقاعدہ جیل میں بند کر دیا گیا اور اس کے بعد ہماری بستی میں یہ خبر چاروں طرف پھیل گئی۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے...... دیوان جونا لعل جی کو نجانے کتنا برا بھلا کہا گیا، میری ماتا جی کو ان کے گھر سے نکال دیا گیا اور اس سلسلے میں تمام کارروائی روہن کمہار کی طرف سے ہوئی...... روہن اپنے چشم دید کو نیست و نابود کر چکا تھا...... باپو کی زندگی کے بارے میں اب کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا...... ماما رام چرن جی یہ تمام خبریں سن کر حیران رہ گئے تھے...... اخبار میں باپو کی تصویر دیکھ کر وہ ہمارے پاس پہنچے اور انہوں نے کہا۔

"کاجل...... بیٹا یہ سب کیا ہے؟"

"میں کیا بتاؤں ماما جی...... باپو کے خلاف ایک بڑی سازش ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔

"مگر یہ تصویریں تو سازش نہیں ہیں...... ان میں تو کوئی کیمرہ ٹرک بھی نظر نہیں آتی۔" ماما جی بولے۔

"میں نہیں جانتی بھگوان کی سوگند میں نہیں جانتی۔" ماما جی پریشان ہو گئے۔

پھر ماما جی بستی پہنچے اور وہاں سے ماتا جی کو ساتھ لے آئے...... ماتا جی کی حالت پاگلوں جیسی ہو رہی تھی، جس وقت وہ ہمارے پاس پہنچیں سخت بخار میں مبتلا تھیں اور ہذیان بک رہی تھیں...... انہیں بہت سمجھانے بجھانے کی کوشش کی گئی لیکن وہ یہی کہتی رہیں کہ اب پتا جی کی زندگی نہیں بخشی جائے گی، ماتا جی کو کچھ ایسی بیماری لگی کہ ہفتہ بھر کے اندر اندر ہی وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو کر رہ گئیں، ان پر ہمیشہ غنودگی طاری رہتی تھی اور پھر اس واقعہ کے بیس دن کے

بعد ایک صبح ماتا جی کی سانس بند ہو گئی...... ہمارے اوپر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے...... ہمارے بھرے پرے گھر کو آگ لگ گئی تھی، میں اور تلسی بری طرح رو پیٹ رہے تھے...... ماماجی سب کو چپ کرا رہے تھے، لیکن وہ خود بھی بہت پریشان تھے...... سمے گزرتا گیا...... باپو پر مقدمہ چل رہا تھا، سب کو منع کر دیا گیا تھا کہ کوئی ان کی پیروی نہ کرے...... پوری بستی میں سے کوئی بھی پتا جی کے حق میں گواہی دینے کو تیار نہ تھا...... یہاں تک کہ ایک ہرکارہ ماماجی کے پاس بھی پہنچ گیا اور روہن کمہار کی طرف سے انہیں یہ پیغام دیا گیا کہ برائی کے خلاف انہیں حق کا ساتھ دینا چاہئے اور رشتے داری کی بنا پر ایک مجرم کو بچانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے...... بے چارے ماماجی ایک سکول میں ماسٹر تھے، ان کی کیا حیثیت تھی کہ وہ باپو کی طرف سے مقدمہ لڑنے کی کوشش کرتے...... نتیجے میں باپو کو پھانسی کی سزا سنادی گئی۔ ہم دونوں نے یہ خبر سنی تو ہمارے دل دہل کر رہ گئے...... اب اس سنسار میں ہمارا کوئی نہیں تھا، کوئی نہیں تھا ہمارا...... ماما رام چرن جی سخت پریشان تھے...... ہمارا بوجھ ان پر آن پڑا تھا، گھر میں جو سامان تھا اس پر روہن کمہار کی طرف سے قبضہ کر لیا گیا تھا۔

نجانے کتنے دن گزر گئے...... پھر ایک دن بنسی لعل ہمارے پاس آیا، اس کی حالت خراب ہو رہی تھی، اس نے آکر ماماجی کو بتایا کہ بالآخر روہن کمہار کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ دونوں لڑکیاں رام چرن جی کے پاس ہیں، انہوں نے کسی طرح معلوم کر لیا کہ میں نے انہیں یہاں پہنچایا ہے...... مجھے پکڑ کر حویلی بلایا گیا اور خوب مار پیٹ کی گئی تو میں نے ساری صورت حال اُگل دی، مگر دیوان جی بہت دیالو آدمی تھے...... ہم پر بڑے احسان تھے ان کے، میں اپنی زندگی کی قیمت پر آپ لوگوں کو یہ بات بتانے آیا ہوں کہ اب تلسی اور کاجل یہاں محفوظ نہیں ہیں۔“

”مگر روہن کمہار کی دشمنی تو دیوان جونا لعل سے تھی...... وہ بے چارے اب اس دنیا میں نہیں رہے، ان کی بیٹیوں نے کیا قصور کیا ہے؟“

”آپ سوچ لیجئے رام چرن جی سب کچھ آپ پر ہی منحصر ہے...... میں اس سلسلے میں کیا

کہہ سکتا ہوں۔“ بنسی لعل نے کہا۔

”خیر بنسی لعل جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا، جیسی بھگوان کی مرضی۔“

میں نے یہ ساری باتیں سنیں، میری ذہنی کیفیت ان دنوں بہت خراب تھی...... ماتا جی اور باپو کے جانے کے بعد گھر اُجڑ گیا تھا...... ہم لاوارثوں کی طرح ماماجی کے گھر میں پڑے ہوئے تھے...... یہ تمام چیزیں میرے سینے میں آگ بھڑکاتی تھیں اور میں سوچتی تھی کہ کسی طرح مجھے روہن کمہار سے انتقام لینے کا موقع مل جائے، لیکن کمزور ہستی بھلا اس کے خلاف کیا کر سکتی تھی...... دل ہی دل میں جھلستی رہی اور سوچتی رہی کہ اب کیسے جیون بتاؤں گی...... تلسی کی زندگی میرے سامنے تھی...... ماماجی بے چارے سخت پریشان تھے اور سوچتے تھے کہ اب ان کا کیا بنے گا...... ان بچیوں کو نکالا بھی نہیں جا سکتا اور اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگائی جا سکتی...... میں ان کی پریشانی محسوس کر رہی تھی، میرا دل جانتا تھا کہ ماماجی کی کیا کیفیت ہے۔

ایک دن ایک ترکیب میرے ذہن میں آگئی، میں نے ماماجی سے کہا۔

”ماماجی ایک بات کہوں برا تو نہیں مانیں گے۔“

”کہو۔“ انہوں نے سرد لہجے میں کہا...... ان دنوں ان کا رویہ ہمارے ساتھ خاصا سرد ہوتا جا رہا تھا...... غالباً وہ یہ سوچ چکے تھے کہ ان لڑکیوں سے نجات پا کر اپنی زندگی بچانا چاہئے...... ان کا بھی اپنا چھوٹا سا خاندان تھا جو روہن کمہار کی دشمنی کی وجہ سے تباہ ہونے والا تھا...... ایک تباہ شدہ خاندان کا وہ حشر دیکھ چکے تھے اور اپنے خاندان کے ساتھ وہ یہ سلوک نہیں کرنا چاہتے تھے، انہیں یہ علم ہو گیا تھا کہ روہن کمہار اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ جونا لعل کی بیٹیاں ان کے گھر میں ہیں...... بہرحال وہ میری شکل دیکھتے رہے، میں نے ان سے کہا۔

”ماماجی اگر روہن کمہار کے آدمی مجھے لینے آئیں تو آپ اس سلسلے میں کوئی تعرض نہ کریں...... تلسی تو ابھی چھوٹی ہے، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا...... اس کی طرف توجہ بھی نہیں دی جائے گی، لیکن اگر وہ مجھے حاصل کرنے آئیں تو آپ منع نہ کریں۔“ ماماجی

یہ سن کر چونک پڑے...... شاید ان کی غیرت جاگ اُٹھی تھی...... وہ آہستہ سے بولے۔

"نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کاجل تو میری بہن کی نشانی ہے...... میں کیا کروں...... آہ میں کیا کروں، میں ایک غریب سکول ماسٹر ہوں...... بھلا اتنے بڑے آدمی سے کیسے ٹکر لے سکتا ہوں، میں جاؤں بھی تو کہاں جاؤں...... میرے حالات اتنے خراب ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ اب ہمارا جیون کیسے گزرے گا۔"

"ماما جی جو کچھ میں کہہ رہی ہوں آپ اس کو ذہن میں رکھیں، مجھے اگر کوئی لینے آئے تو مجھے چلا جانے دیں۔" ماما جی خاموشی سے گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگے پھر بولے۔

"میرا من نہیں مانتا دیکھو بھگوان کیا کرتا ہے۔" ماما جی خاموش ہو گئے۔

میں اپنے ذہن میں کچھ منصوبے بنا رہی تھی اور اس کے لئے میں نے اپنے آپ کو آہستہ آہستہ تیار کر لیا...... میں اپنا جیون دے کر اپنے باپو اور ماتا جی کا بدلہ لینا چاہتی تھی، ایک لمبی سی چھری حاصل کر کے میں نے اپنے لباس میں چھپا لی تھی...... نجانے کیوں مجھے یقین تھا کہ میرے ساتھ کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا...... زندگی اس عمر میں تھی کہ نگاہوں کو پہچانتی تھی اور پھر یہ بات باپو سے معلوم ہو چکی تھی کہ روہن کمہار ایک پاپی آدمی ہے اور نوجوان لڑکیوں کا رسیا ہے، اس نے مجھے دیکھا تھا اور اپنے دشمن کی بیٹی کو وہ بھول نہیں سکتا تھا...... بنسی لعل سے اس نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ مجھے کھیری پہنچا دیا ہے اور میرا اندازہ غلط نہیں نکلا۔

ایک دوپہر کو چند گھوڑے سوار رام چرن جی کے مکان پر پہنچ گئے...... رام چرن جی اسی وقت سکول سے فارغ ہو کر آئے تھے...... یہ گھوڑے سوار چندر گڑھ سے کھیری پہنچے تھے۔ رام چرن جی ان سے بات کرتے رہے اور اس کے بعد ہانپتے کانپتے میرے پاس آگئے۔

"روہن کمہار کے آدمی آئے ہیں کاجل، کہتے ہیں کہ دیوان جونا لعل جی، روہن کمہار جی کے ملازم تھے، وہ مر چکے ہیں...... ان کی اولاد کو پرورش کرنا روہن کمہار جی کا کام ہے، چنانچہ انہوں نے دونوں بیٹیوں کو بلوایا ہے...... اب بتاؤ میں کیا کروں؟"

"میں پہلے ہی کہہ رہی تھی ماما جی، مگر دونوں کی ضرورت نہیں ہے، تلسی کو حفاظت

سے آپ اپنے ساتھ رکھئے...... میں چلی جاتی ہوں۔"

"مگر وہ چاہتے ہیں کہ دونوں۔"

"میں ان سے بات کئے لیتی ہوں۔" میں نے کہا اور تلسی کا بازو پکڑ کر باہر نکل آئی۔

میں نے ان میں سے اس شخص کو دریافت کیا جو نمایاں حیثیت رکھتا تھا...... ان میں سے وہی شخص میرے سامنے آگیا، میں نے اس سے کہا۔

"تلسی کو میں نے یہاں سکول میں داخل کر دیا ہے، وہ ابھی پڑھ رہی ہے، تم دیکھ لو...... میں روہن کمہار کے چرنوں میں چلی جاتی ہوں، میں ان سے بات کر لوں گی...... تم اس کی چنتا مت کرو۔"

ان لوگوں نے میری بات مان لی اور پھر مجھے ایک رتھ میں بٹھا کر واپس چندر گڑھ میں لایا گیا...... میں دل ہی دل میں رو رہی تھی...... میں جانتی تھی کہ میرے ساتھ اب کیا سلوک ہونے والا ہے، لیکن اس سے پہلے کہ میں ان کی بدسلوکی کا شکار ہوں میں اپنا جیون بلیدان کر دینا چاہتی تھی...... وہ لوگ مجھے لے کر روہن کمہار کے مندر میں پہنچ گئے...... سادھو منش آدمی ایک مرگ چھالہ پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا...... مجھے اس کے سامنے پیش کیا گیا...... اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی...... پھر اس نے میرے عقب میں دیکھا اور اپنے آدمیوں سے بولا۔

"اس کی بہن کو نہیں لائے تم۔"

"مہاراج وہ آٹھ سال کی بچی ہے اور سنا ہے کہ وہاں کے سکول میں داخل ہو گئی ہے...... اس لڑکی نے کہا کہ یہ آپ سے بات کرے گی۔"

"اوہ اچھا اچھا...... ٹھیک ہے کوئی بات نہیں...... ہم اس سے بات کر لیں گے۔" وہ پھر آہستہ سے بولے۔

"پتری جونا لعل جی ہمارے دیوان تھے اور بڑے اچھے انسان تھے...... ہمیں ان کی موت کا بڑا افسوس ہے...... سنا ہے تمہاری ماتا جی بھی مر گئیں۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا،

روہن کمہار تھوڑی دیر تک انتظار کرتا رہا پھر بولا۔

"بہر طور تم چنتا مت کرو...... ہم بڑے دیالو ہیں، کسی بھی انسان کو دُکھ میں نہیں دیکھ سکتے...... تمہاری بہن اگر کچہری میں پڑھ رہی ہے تو پڑھنے دو، تم یہاں رہو...... اس کے بعد جب وہ بڑی ہو جائے گی تو ہم اسے بھی یہاں بلوالیں گے۔"

میں نے دل ہی دل میں اسے کوستے ہوئے کہا کہ "پاپی اس سمے تک تیرا جیون ہی نہ ہوگا جب میری بہن کو کوئی نقصان بھی پہنچے گا" دوسرے لوگ چلے گئے تو روہن کمہار نے کہا۔

"اب تم یہیں اس حویلی میں رہو گی کاجل، ہم تمہیں رانیوں کی طرح رکھیں گے، دیوان جی نے برا کیا تھا ہمارے خلاف رپورٹ درج کرانے گئے تھے، وہ اور تم خود سوچو ہمارا کھاتے تھے وہ ہمارے خلاف کیسے کام کر سکتے تھے۔" میں نے اب بھی جواب نہ دیا تو وہ کسی قدر درشت لہجے میں بولا۔

"سنو اگر تم مجھ سے نفرت کرتی ہو تو یہ تمہارے حق میں برا ہوگا، ہمیں چاہو، ہم سے محبت کرو، ہم مہان ہیں ہمارے منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ تمہارا جیون بنا دے گا اور دوسرا لفظ تمہیں اس سنسار سے مٹا دے گا۔

"میں مہاراج کی داسی ہوں۔" میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا...... مکاری سے کام لینا ضروری تھا، جانتی تھی کہ میری طاقت اس راکھشش کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے، اس لئے ہوشیاری سے کام لینا تھا...... جیون دان کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی تو اب ان ساری باتوں سے کیا حاصل، مجھے مکاری سے کام لینا چاہئے تاکہ میں اپنا کام پورا کر سکوں، روہن کمہار جی نے کہا کہ ابھی مجھے ان کے ساتھ یہاں مندر ہی میں رہنا ہوگا، اس کے بعد وہ میرے لئے حویلی میں کوئی مناسب بندوبست کر دیں گے اور میرا وظیفہ جاری ہو جائے گا اور میں عیش و عشرت سے زندگی گزار سکوں گی۔

جس حجرے میں مجھے پہنچایا گیا وہ کسی مندر کا حجرا نہیں معلوم ہوتا تھا، وہ تو ایک باقاعدہ عیش گاہ تھی، جہاں موٹے موٹے قالین بچھے ہوئے تھے...... بہترین ریشمی پردے لہرا رہے

تھے...... دُنیا کی ہر چیز وہاں موجود تھی...... پھل برتنوں میں سجے ہوئے تھے...... عجیب و غریب مجسمے چاروں طرف رکھے ہوئے تھے جو عجیب بے حیائی اور بے شرمی کا مظہر تھے، ایک بڑی سی مسہری ایک طرف پڑی ہوئی تھی، جس پر بڑا موٹا سا گدا تھا، اوپر فانوس لگے ہوئے تھے جس میں شمعیں روشن تھیں۔

میں نے اس عیش کدے کو دیکھا اور دل ہی دل میں سوچا کہ وہ لوگ پاپی جو روہن کمہار کو ایک سادھو سمجھتے ہیں، اگر یہاں آکر اس کی یہ رہائش گاہ دیکھ لیں تو صورت حال ان پر کھل جائے، لیکن اتنے بڑے آدمی پر کون یہ الزام لگا سکتا تھا، کون اس کی عیش گاہ تک پہنچ سکتا تھا اور پھر باپو کے کچھ اور الفاظ بھی مجھے یاد تھے۔

روہن کمہار اپنی جگہ محدود نہیں تھا، اس کی زمینداری چندر گڑھ تک محدود نہیں تھی، بلکہ باپو کے کہنے کے مطابق کچھ روپیہ باہر سے بھی آتا تھا لیکن کہاں سے اس بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم تھا، چنانچہ اس شخص کے بارے میں سوچتے ہوئے یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا تھا کہ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور اسے مارنا آسان کام نہیں ہوگا، مجھے مکاری سے کام لینا ہوگا تاکہ میں اس راکھشس پر قابو پاسکوں۔

میں اس حجرے میں بیٹھی وقت کا انتظار کر رہی تھی...... تھوڑی دیر کے بعد دو عورتیں آئیں...... وہ اچھی خاصی قد و قامت کی تھیں...... چہرے ہی سے فاحشائیں معلوم ہوتی تھیں، ان کا انداز گفتگو بھی بڑا واہیات تھا، مجھے دیکھ کر وہ مسکرانے لگیں اور پھر ان میں سے ایک مجھ سے شرمناک گفتگو کرنے لگی...... وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ میں نے زندگی میں کبھی کسی لڑکے سے تو محبت نہیں کی، کبھی کوئی میرے بالکل قریب پہنچایا نہیں...... میں نے ان پر لعنت بھیجی اور ان سے کہا کہ وہ عورت ہیں...... عورتوں کی حیا اپنے پاس رکھیں، جس پر وہ دونوں میرا مذاق اُڑانے لگیں، پھر بولیں۔

"ہاں ہم عورت ہیں اور اپنی ساتھی عورتوں میں اضافہ دیکھنا چاہتی ہیں...... چلو تمہیں دلہن بنا دیں۔"

"کیا بکواس کرتی ہو، کیسی دلہن؟"

"آجاؤ...... اچھے کپڑے پہن کر اچھی شکل و صورت بنا کر تم بڑی سندر لگو گی...... ویسے بھی بڑی حسین ہو، اگر من موہ لیا روہن کمہار جی کا تو شاید...... تو شاید وہ کچھ نہ ہو، جو ہوتا آرہا ہے۔"

میں ان کی باتوں کا مطلب سمجھ رہی تھی، لیکن انجان بن رہی تھی...... میرے ذہن میں ایک نیا خیال آیا، وہ یہ کہ میں اس چھری کو کسی طرح چھپادوں...... چنانچہ اس وقت بالکل موقع نہیں تھا، میں نے ان سے کہا کہ میں ذرا باتھ روم جانا چاہتی ہوں...... انہوں نے مجھے اجازت دے دی۔

تھوڑے ہی فاصلے پر باتھ رُوم تھا...... اس سے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں یہ چھری باتھ روم میں کسی مناسب جگہ چھپادوں کیونکہ وہ کمبخت میرا لباس تبدیل کرانے کے لئے تیار تھیں اور لباس تبدیل کرانے کی صورت میں چھری کا دوسروں کی نگاہوں میں آجانا لازمی تھا...... باتھ رُوم میں پہنچ کر میں نے ایک مناسب جگہ تلاش کی اور چھری اس خلا میں رکھ دی، میں اس چھری کو باآسانی دوبارہ حاصل کر سکتی تھی...... یہاں پاس میں یہی ایک باتھ روم تھا جس کی وجہ سے مجھے اطمینان تھا کہ میں دوبارہ بھی یہاں آسکتی ہوں...... بہر طور چند منٹ کے بعد میں واپس آگئی اور انہوں نے مجھے ایک حسین لباس پہنادیا...... میرے چہرے پر لالی لگائی گئی...... طرح طرح سے مجھے سنوارا گیا...... میں نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا اور اس کے بعد میں دُلہن بن کر بیٹھ گئی۔

❀❀❀

میں اپنی تقدیر کو کوس رہی تھی...... دل میں تو نجانے کیا کیا تھا، لیکن تقدیر نے یہاں ایسی جگہ لا چھوڑا تھا جو ایک بن بیاہی دُلہن کی خواب گاہ تھی اور پھر وہ منحوس راکھشس کمرے میں داخل ہو گیا...... منہ سے شراب کے بھبکے اُڑ رہے تھے...... آنکھوں میں شیطنت چھائی ہوئی تھی، وہ میرے قریب آکر کہنے لگا۔

"پہلی ہی نگاہ میں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ تم کتنی سندر ہو...... واہ دیوان جی مر گئے، لیکن ایک ایسا انعام ہمیں دے گئے کہ انہیں عرصے نہیں بھول سکیں گے۔" میں نفرت بھری نگاہوں سے اس منحوس انسان کو دیکھتی رہی...... اسے بدترین سبق دینا چاہتی تھی، دل میں طوفان اُٹھ رہے تھے، لیکن ان طوفانوں کو دبانا ضروری تھا، جلد بازی کام بگاڑ دے گی، چنانچہ میں نے خود کو سنبھال لیا۔

"تم اتنی سندر کیوں ہو سندری؟"

"ٹیں کیا جانوں مہاراج؟" میں نے کہا۔

"دیوان جی عجیب آدمی تھے...... کیا کمی تھی انہیں ہمارے ہاں، آرام سے جیون گزار رہے تھے...... سماج سدھار کی من میں آئی اور ہم سے بیر باندھ لی...... چنتا مت کرو، وہ نہیں ہیں، ہم تو ہیں، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اپنے جیتے جی تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دیں گے، یہاں رہ کر تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔"

”نہیں مہاراج۔“

”ہماری مانتی رہو، تم دیکھو گی سب تمہارا حکم مانیں گے، کوئی تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھے گا۔“

”میں بے سہارا رہ گئی ہوں مہاراج۔“

”ارے نہیں سندری ہم جو تمہارا سب سے بڑا سہارا ہیں، ہم پر پورا پورا وشواس کر سکتی ہو، ہمارے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“

”پتا سمان ہیں آپ مہاراج...... میں آپ کو اپنے پتا کی جگہ سمجھتی ہوں۔“ میں نے ایسے حالات میں بھی اپنے دل کی بھڑاس نکالنے میں کمی نہ کی...... وہ چونک کر پیچھے ہٹ گئے۔

”کیا کہتی ہو سندری ذرا غور سے دیکھو ہمیں، اچھی طرح غور کرو ہم پر، ہم تمہارے پتا تو کہیں سے نہیں لگتے، ہم تو تمہارے چاہنے والے ہیں...... چاہتے ہیں تمہیں۔“

”آپ جو کچھ بھی کہیں مہاراج میرے من میں آپ کے لئے یہی جگہ ہے۔“

”بکواس مت کرو بے وقوف لڑکی...... تمہارے یہ الفاظ تمہیں کوئی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔“

”حقیقت تو کہنا ہی ہوگی مہاراج آپ جو کچھ بھی سوچ لیں۔“

”میں کہتا ہوں بکواس مت کرو کمبخت ذلیل تو نے میرا سارا موڈ چوپٹ کر دیا ہے،“ روہن کمہار جی جھلائے ہوئے سے حجرے سے باہر نکل گئے۔

دل ہی دل میں، میں نے سوچا کہ کیا اس طرح سے میری زندگی بچ سکتی ہے...... امید نہ تھی، جو کچھ ہو چکا تھا اس کے بعد اس کمینہ صفت آدمی کے پاس پہنچی تھی...... کیا یہ مجھے اتنی آسانی سے نکل جانے دے گا۔

رات گزر گئی...... دوسرا دن بھی خاموشی سے گزرا کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو میرے لئے تکلیف دہ ہوتی، لیکن دوسری شام تقریباً ایک سوکھا سڑا آدمی میرے پاس پہنچا، اس کے چہرے سے خباثت ٹپک رہی تھی...... آنکھوں میں مکاری کی چمک تھی...... میرے

زدیک بیٹھ کر وہ بڑے پیار سے بولا۔

”بٹیا...... کاجل ہے نا تمہارا نام؟“

”تم کون ہو؟“

”ہمدرد ہیں تمہارے، کیا بتائیں بے چارے جونا لعل جی سے ہماری کیسی دوستی تھی...... بچپن کے دوست تھے ہم دونوں۔“

”کیا نام ہے تمہارا؟“

”رہنے دے بیٹی، اب کیا نام بتائیں...... یہاں ایک مشورہ دیتے ہیں تجھے...... روہن کمہار مہاراج کی بات مان لے...... سکھ میں رہے گی۔“

”ہوں...... تو یہ بات ہے...... میں نے کہا اور دوسرے لمحے اس مکار دشمن پر ٹوٹ پڑی...... وہ دبلا پتلا مدقوق سا آدمی تھا...... میں نے اسے بری طرح زخمی کر دیا...... وہ تو بھاگ گیا، لیکن میری ہمت بڑھ گئی...... مجھے احساس ہوا کہ اب تک میں خود کو نظر انداز کرتی رہی ہوں...... میں تو بہت کچھ کر سکتی ہوں...... اور میرے ذہن میں منصوبے بننے لگے۔

آخر کار وہ وقت آ گیا جب روہن کمہار اپنے ناپاک ارادوں کے ساتھ میرے پاس آ گیا...... وہ جارحیت پر آمادہ تھا، جب وہ اپنے ناپاک ارادوں کی آخری حدوں کو چھونے لگا تو میں اُٹھ گئی۔

”کہاں جا رہی ہو...... اس نے پوچھا۔“

”باتھ روم۔“

”اوہ...... ہاں ضرور...... اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں باتھ روم میں داخل ہو گئی...... میں نے چھری نکال کر لباس میں چھپا لی اور باہر نکل آئی...... اس کے بعد...... اس کے بعد...... کاجل کی قوت برداشت جواب دے گئی...... وہ سسک سسک کر رونے لگی اور میں طلسم سے چونک پڑا...... وہ سسکتے ہوئے بولی۔

”میں نے اسے ہلاک کر دیا...... اوہ...... پھر وہاں سے نکل بھاگی، جرم کی دنیا میں داخل

ہو چکی تھی، مجرم بن چکی تھی، اس کے بعد سے آج تک جرم کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہوں، ہاتھ پاؤں مار رہی ہوں، لیکن لیکن...... وہ خاموش ہوگئی...... میں اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا تھا، لیکن وہ نہ بولی، کاجل خود ہی تھک گئی...... میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا...... عورت، ایک حسین خواب، بہت سے دلوں کی دھڑکن...... اپنے نازک اور دلکش وجود پر نازاں، لیکن کہیں کہیں اس قدر مظلوم اور بے کس کہ دل لرز اُٹھے اور پھر ایک ایسی عورت جو صرف حالات کی چکی میں پس کر کچھ سے کچھ بن گئی ہو...... مرد تو ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کر لیتا ہے...... سڑکوں، گلیوں، بازاروں اور فٹ پاتھوں پر زندگی گزار لیتا ہے، لیکن عورت...... جو داستان کاجل مجھے سنا رہی تھی، وہ اپنی سچائی کا اظہار خود کرتی تھی...... ایسے حالات میں لڑکی ذات کیا کرتی۔

بہرحال میں اس کے لئے افسردہ ہو گیا تھا...... میں نے خود ہی اسے روک دیا...... بس کاجل اس سے زیادہ میں کچھ اور نہیں سننا چاہتا...... اس نے آنسو بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور سسکی لے کر بولی۔

"یقین کرو...... پنچھیوں کے پنجرے میں قید، اس داستان کے پنچھی کو میں نہ جانے کب سے اڑا دینا چاہتی ہوں، لیکن آج تک اس میں کامیاب نہیں ہو سکی...... بس ایک بار، صرف ایک بار کوئی اس قیدی کو آزادی دلادے...... ایک بار، صرف ایک بار...... اس کی سسکیاں دل نکال رہی تھیں...... میرے دماغ میں کوئی چیز چیخنے لگی...... ایک سرگوشی سنائی دے رہی تھی۔

کون ہے تو...... جانتا ہے۔

ایک لاوارث وجود۔

دریا کی تخلیق۔

وہ جسے ایک ہمدرد نے ندی سے نکال کر زندگی کی سبز گھاس پر رکھ دیا تھا۔

تو مقروض ہے۔

تو وقت کا مقروض ہے...... یہ قرض وقت کو واپس کر دے...... ایک تنہا انسان کائنات میں بسنے والے تمام انسانوں کی دلداری نہیں کر سکتا...... لیکن ایک انسان صرف ایک انسان کو سہارا دے کر اپنا فرض پورا کر سکتا ہے، جس طرح رمضان نے ایک بے بس بچے کو دریا سے نکال کر دنیا دے دی تھی۔

"اب میں کیا کروں؟ کاجل نے پوچھا...... اس کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا، جیسے اپنی داستان سنانے کے بعد اس کی ساری توانائی ختم ہو گئی ہو۔"

"کاجل...... میرا سہارا قبول کرو گی۔"

"مجھے سہارا دو گے۔"

"ہاں...... ایک شرط کے ساتھ۔"

"شرط؟"

"ہاں...... ہمیں اسی دُنیا میں رہنا ہے، اسی معاشرے کا ایک فرد بن کر...... ہمیں اپنی شناخت کرانی ہے، اپنے بارے میں کچھ بتا کر...... مجھے ایک مسلمان نے پرورش کیا ہے...... میں دل سے مسلمان ہوں...... تم میرا دین قبول کرو گی۔"

"ہاں...... میں قبول کروں گی۔"

کسی نیک کام کا بیڑا اٹھایا جائے تو قدرت مدد کرتی ہے...... بالکل غیر متوقع طور پر سیما نے مجھ سے ملاقات کی تھی۔

"ہریش کو معلوم ہو گیا ہے کہ دیپک مر چکا ہے...... ہر چند کہ تم نے بلیک ٹمپل کے سلسلے میں تنظیم کے لئے شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے، لیکن ہریش تم پر کبھی اعتماد نہیں کرے گا...... وہ یہی سمجھے گا کہ تم کسی ایسے بین الاقوامی گروہ کے کارکن ہو جو اس تنظیم کا اعتماد حاصل کر کے اسے تباہ کرنا چاہتے ہو، کیونکہ تمہیں روشناس کرانے والی میں تھی، اس لئے میری زندگی خطرے میں پڑ گئی۔

"زندگی خطرے میں پڑ گئی۔"

"مجھے ختم کر دیا جائے گا..... وہ اس طرح کی غلطیاں معاف نہیں کرتے۔"

"اوہ..... پھر۔"

"میں روپوش ہو رہی ہوں..... تم بھی تمام ہنگامے ترک کر کے جس طرح بھی ممکن ہو غائب ہو جاؤ..... تمہارے معاوضے، میں تمہارے اکاؤنٹ سے نکال لائی ہوں۔"

کیا آپ یقین کریں گے کہ اب میں بستی مراد میں رہتا ہوں..... نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرا ہوں..... ایک بے کلی نے پیچھا نہیں چھوڑا..... پھر حلیہ بدل کر بستی مراد کا رخ کیا، تب پتہ چلا کہ زمین ماں کی طرح پکارتی ہے..... اپنی زمین سکون کا سمندر ہوتی ہے..... میں اپنی زمین پر ہوں..... میرا نام صفدر علی ہے..... کاجل نور النساء کے نام سے جانی جاتی ہے..... میں اس بستی کے ایک ایک فرد کو جانتا ہوں، وہ مجھے نہیں جانتے کیونکہ اب میں خرم شہزاد نہیں صفدر علی ہوں..... اللہ نے ہمیں دو بچے دیئے ہیں، ماضی کی بہت سی یادیں تنہائیوں کی رفیق ہیں..... خدا کا شکر ہے کہ ایک اچھی زندگی گزر رہی ہے..... آپ سب کے لئے دعا گو۔ آپ کا اپنا۔